فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 26

حمٓ

قرآناً عجباً

سوال وجواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

قُرْاٰنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : "قُرْاٰنًا عَجَبًا" (پارہ 26)

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : اپریل 2018ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : H-102 گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42

فیصل آباد : A-121 فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 03364033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب وذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال وجواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾

”اور تمھیں کس نے خبر دی کہ دوزخ کیا ہے؟“ (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ۝۲۸ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝۲۹ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۳۰﴾

”نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وُہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اُس پر انیس فرشتے مقرر ہیں“

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷﴾

”اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا کسی بھوک والے دن کھانا کھلانا، کسی رشتے دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وُہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی“

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری: 6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظرانداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال وجواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قران حکیم کو سوال وجواب کی صورت میں **قُرْاٰنًا عَجَبًا** کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال وجواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

''آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (البقرہ:32)

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جن لوگوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔ آمین

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

﴿ایاتها ۳۵﴾ ﴿۴۶ سُوۡرَةُ الۡاَحۡقَافِ مَکِّیَّةٌ ۶۶﴾ ﴿رکوعاتها ۴﴾

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں 4 رکوع اور 35 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 46 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 66 ہے۔

رکوع نمبر 1

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾

﴿حٰمٓ﴾

"حٰم"(1)

سوال: ﴿حٰمٓ﴾ "حٰم" کی وضاحت کریں؟

جواب: "حٰم" حروف مقطعات میں سے ایک ہے۔ ان کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

﴿تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ﴾

"اس کتاب کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب کمال حکمت والا ہے"(2)

سوال: ﴿تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ﴾ "اس کتاب کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب کمال حکمت والا ہے" قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ﴾ "اس کتاب کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب کمال حکمت والا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس سے راہ نمائی حاصل کریں۔

(2) (i) کتاب اس رب نے نازل کی ہے۔ جو العزیز ہے وہ بے زور ناصح نہیں غلبہ رکھتا ہے۔ حکم دیتا ہے اور نافرمانی کرنے والے کو سزا دیتا ہے۔ (ii) کتاب اُس رب نے نازل کی ہے۔ جو الحکیم ہے جس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ اس نے انسان کو ایسے احکامات دیئے ہیں جو اس کے لیے مفید ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جن احکامات پر عمل کرنا آسان ہے۔

(iii) کتاب کا نزول گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ العزیز اور الحکیم ہے۔

(3) قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کا کوئی قول اور کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ﴾

''ہم نے آسمان وزمین اور جواُن کے درمیان ہے سب کو حق کے ساتھ ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اُس سے منہ موڑنے والے ہیں جس سے اُنہیں ڈرایا گیا ہے'' (3)

سوال 1: ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ﴾ ''ہم نے آسمان وزمین اور جواُن کے درمیان ہے سب کو حق کے ساتھ ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اُس سے منہ موڑنے والے ہیں جس سے اُنہیں ڈرایا گیا ہے'' کائنات کی ہر چیز خاص حکمت سے پیدا کی ہے'' آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''ہم نے آسمان وزمین اور جواُن کے درمیان ہے سب کو حق کے ساتھ ایک وقت مقررہ کے لیے پیدا کیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے کتاب کے نزول کے ساتھ زمین وآسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا اس نے خلق اور امر کو جمع کر دیا فرمایا: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ ''سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اُسی کا کام ہے اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔'' (الاعراف: 154) اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی اُن ہی کی مثل۔ اُن کے درمیان حکم اُترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے علم میں یقیناً ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔'' (الطلاق: 12)

(3) ﴿یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ﴾ ''وہ فرشتوں کو اپنے حکم سے وحی کے ساتھ اتارتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کہ خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو مجھ ہی سے ڈرو'' (النحل: 2)

(4) رب العزت نے انسانوں کو پیدا کیا اور ان کے لیے زمین وآسمان کی ہر چیز کو مسخر فرمایا انسان کو عقل عطا فرمائی، بھلائی برائی کی پہچان دی اور انسانوں کے لیے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور انہیں آگاہ کیا کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے یہاں ہر شخص جو عمل کر رہا ہے اسے اپنے اعمال کے لیے جوابدہی کرنی ہے پھر اس کی موت کے بعد جب اسے دوبارہ زندگی دی جائے گی وہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ اس زندگی میں جو

کچھ ملے گا اس جہان میں کیے جانے والے اعمال کی جزا کے طور پر، رب العزت کی رحمت سے ملے گا اور جن کو برے اعمال کا بدلہ ملے گا عدل کے ساتھ ملے گا۔ اس لیے اس نے زمین و آسمان کی تخلیق کو ہمارے سامنے رکھا ہے تا کہ ہم اسے محض روٹین کا معاملہ نہیں سنجیدہ معاملہ سمجھیں۔ اس نے فرمایا ﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ''ہم نے آسمان و زمین اور جو اُن کے درمیان ہے سب کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ اس نے یہ سب کچھ حکمت اور مخلوق میں عدل کے لیے پیدا کیا ہے تا کہ اس کے بندے جان لیں جہان بنانے والا عظیم ہے۔ جو یہ زمین و آسمان پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ انسانوں کی جزا سزا کے لیے قیامت کے بعد دوسرا جہاں پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ قیامت کے بعد اس جہاں میں سب انسانوں کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کی جزا سزا دے گا۔

(5) اس نے زمین و آسمان ہمیشہ کے لیے نہیں بنائے، ان کا وقت مقرر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''ایک وقت مقررہ کے لیے'' یعنی اس کی تقدیر میں زمین و آسمان کا وقت مقرر ہے جس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔

(6) وہ ہر چیز کو اپنے وقت پر فنا کر دے گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

(7) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اُس سے منہ موڑنے والے ہیں جس سے اُنہیں ڈرایا گیا ہے'' جن لوگوں نے زمین و آسمان بنانے والے کی وحدانیت کو ٹھکرا دیا ہے، اس کا انکار کیا ہے، اس کی تنبیہات کا انکار کیا ہے وہی منہ موڑنے والے ہیں۔ وہ اس سے نہ تو نصیحت حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی غور و فکر کرتے ہیں۔ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے انہوں نے رب العزت کی نصیحتوں کو قبول کیا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ہر بھلائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

سوال 2: کافروں کو کس چیز سے ڈرایا جاتا ہے؟

جواب: کافروں کو جی اُٹھنے سے، حساب کتاب سے اور جزا سزا سے ڈرایا جاتا ہے۔

سوال 3: کافروں کا ڈراوے پر کیا ردعمل ہوتا ہے؟

جواب: (1) کافر ڈراوے کی پرواہ نہیں کرتے۔ (2) کافر آخرت کے عذاب سے بچنے کی تیاری نہیں کرتے۔
(3) کافر ایمان نہیں لاتے۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

''اور کہہ دو کیا تم نے دیکھا جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو، مجھے بھی دکھاؤ کہ اُنہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا

آسمانوں میں اُن کا کوئی حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کی کوئی نقل شدہ بات ہی میرے پاس لاؤ'' (4)

سوال 1: ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ‌ ؕ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ ''اور کہہ دو کیا تم نے دیکھا جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو، مجھے بھی دکھاؤ کہ اُنہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں میں اُن کا کوئی حصہ ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کی کوئی نقل شدہ بات ہی میرے پاس لاؤ'' جھوٹے معبودوں کی بے بسی کی حقیقت بیان کی ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ ''اور کہہ دو کیا تم نے دیکھا جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو'' یعنی آپ ان لوگوں سے کہہ دو جنہوں نے خود ساختہ معبود بنا رکھے ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ جن کے اختیار میں نہ زندگی ہے، نہ موت جو اتنے بے بس ہیں کہ کچھ تخلیق نہیں کر سکتے، نہ تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

(2) ﴿اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ﴾ ''مجھے بھی دکھاؤ کہ اُنہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا آسمانوں میں اُن کا کوئی حصہ ہے'' مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین کا کونسا ٹکڑا انہوں نے بنایا ہے؟ کیا انہوں نے سمندر بنائے یا پہاڑ جمائے یا دریا چلائے یا درخت اگائے؟ کونسا حصہ ہے آسمان کا جہاں ان کا قبضہ ہے! کیا انہوں نے تخلیق کے کسی کام میں معاونت کی ہے؟ وہ تو کسی ذرے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ پوری کائنات کا مالک وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی اور کا کوئی اختیار نہیں پھر کیوں انہیں پکارتے ہو! کیوں ان سے جڑتے ہو؟ کیوں مصیبت میں انہیں پکارتے ہو؟ وہ تو خود تمہارے محتاج ہیں۔

(3) یہ تو بتاؤ یہ شرک تمہیں کس نے سکھایا؟ کس نے تمہیں تعلیم دی ہے! ﴿اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ﴾ ''اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ'' کوئی کتاب لے آؤ جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

(4) ﴿اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ﴾ ''یا علم کی کوئی نقل شدہ بات ہی میرے پاس لاؤ'' یا پہلے لوگوں کے علمی آثار میں سے کچھ دکھا دو جو بتوں کی عبادت کے لیے تمہارے دعوے کی درستگی پر دلیل ہوں۔ (5) ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ ''اگر تم سچے ہو'' یعنی اپنے اس دعوے میں کہ بتوں کی عبادت تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے۔ (ایسر التفاسیر:1457)

(6) قرآن مجید تو یہ تعلیم نہیں دیتا چلو تم کوئی اور آسمانی دلیل لے آؤ پہلے انبیاء کی تعلیمات ہی کو دیکھ لو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى اللّٰهُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلٰلَةُ‌ ؕ فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو، چنانچہ ان میں سے کچھ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی مسلط ہو

گئی سوتم زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟'' (النحل:36)

(7) ہر رسول نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی ہے ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' (الاعراف:59)

(8) اگر شرک درست ہوتا تو تمہارے پاس سینکڑوں دلائل ہوتے۔

سوال 2: مشرکین سے ان کی صداقت کے لیے شرک پر کیا ثبوت مانگا گیا ہے؟

جواب: (1) پہلے کی کسی کتاب سے دلیل لے آو۔ (2) کوئی عقلی یا نقلی دلیل لے آو۔

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾

''اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے؟ جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں'' (5)

سوال 1: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ ''اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے؟ جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں'' اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کو طاقت ور سمجھ کر اسے پکارنے والا مشرک سب سے بڑا گمراہ ہے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے'' اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو رب العزت کو چھوڑ کر دوسروں کو طاقت ور اور قوت والا سمجھ کر اس کو مدد کے لیے پکارے۔

(2) ﴿مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے'' یعنی جو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے۔

(3) ﴿وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ ''حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں'' کیونکہ نہ وہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں کہ اپنی ضرورت کے بارے میں سوال کر سکیں۔ یعنی نہ تو وہ پکار سنتے ہیں کہ سن کر جواب دے سکیں نہ پکار سن کر قبول کر سکتے ہیں کہ پھر اس پر عمل درآمد کروا سکیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''یقیناً جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں، پس تم

انہیں پکارو تو لازم ہے کہ وہ تمہاری دُعا قبول کریں، اگر تم واقعی سچے ہو۔'' (الاعراف:194)

سوال 2: بڑے گمراہ سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پتھر کے بتوں یا مردوں سے مدد مانگتے ہیں۔

﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾

''اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے'' (6)

سوال 1: ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ''اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے'' قیامت کے دن خود ساختہ معبود اپنے عبادت گزاروں کے دشمن بن جائیں گے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً﴾ ''اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے'' یعنی قیامت کے دن جب سب قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہوں گے تو خود ساختہ معبود اپنے عبادت گزاروں کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے۔

(2) ﴿وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾ ''اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے'' یعنی جھوٹے معبود کہیں گے یہ ہماری پرستش تو نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (81) كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (82)﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تا کہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے۔'' (مریم:81,82)

(3) ﴿وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ''اور اس نے کہا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں کو (معبود) بنایا ہے، دنیا کی زندگی میں اپنے درمیان دوستی کی وجہ سے، قیامت کے دن تم میں سے کوئی کسی دوسرے کا انکار کرے گا اور تم میں سے کوئی دوسرے پر لعنت کرے گا اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی۔ اور تمھارے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا'' (العنکبوت:25)

(4) ﴿قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ ''جن پر بات ثابت ہو چکی وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم نے انہیں ویسے ہی بہکایا جیسے ہم خود بہکے ہوئے تھے، ہم آپ کے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں، یہ ہماری عبادت قطعاً نہیں کرتے تھے۔'' (القصص:63)

(5)﴿وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ‌ۚ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ‌ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور جس دن ہم اُن سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شریک بنائے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ رہو پھر ہم اُن کے درمیان علیحدگی کر دیں گے اور اُن کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے، بلاشبہ ہم تمہاری عبادت سے یقیناً بے خبر تھے۔'' (یونس:29,28)

سوال 2: حشر کے دن معبودان غیر اللہ لوگوں کی پرستش کا صاف انکار کر جائیں گے کیسے؟ وضاحت کریں؟

جواب: معبودان غیر اللہ میں وہ معبود بھی شامل ہیں جو لکڑی، پتھر کے بے جان بت ہیں یا مظاہر قدرت جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور یہ چیزیں خود بول کر بتائیں گی کہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔ معبودان غیر اللہ میں انبیاء، فرشتے اور نیک لوگ شامل ہیں جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام وغیرہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور انکار کریں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴾

''اور جب ہماری کھلی کھلی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کو جبکہ وہ اُن کے پاس آ چکا کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے'' (7)

سوال 1: ﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ ''اور جب ہماری کھلی کھلی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کو جبکہ وہ اُن کے پاس آ چکا کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے'' مشرک قرآن کو جادو کس وجہ سے کہتے تھے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ ''اور جب ہماری کھلی کھلی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں'' یعنی جب جھٹلانے والوں پر ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو اتنے ہٹ دھرم ہیں کہ جس چیز کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا اس کے متعلق کہتے ہیں۔

(2) ﴿قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَـقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴾ ''تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کو جبکہ وہ اُن کے پاس آ چکا کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے'' یعنی جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں وہ حق یعنی قرآن کے لیے کہتے ہیں کہ یہ کھلا جادو، خود ساختہ کلام ہے۔

(3) کفار مکہ کے قرآن کو صریح جادو کہنے کی دو وجوہ تھیں ایک یہ کہ اس کلام میں بلا کی تاثیر تھی جو بھی یہ کلام سنتا اس کے دل میں اتر جاتا تھا۔ کافر

خود بھی اس کی تاثیر سے معترف اور اس سے متاثر ہو جاتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جادوگروں کا عموماً یہ کام ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈال دیں یا رشتہ داروں کو آپس میں لڑا دیں۔ ادھر صورت حال یہ تھی کہ جو شخص اسلام لے آتا تھا۔ وہ اس کے مقابلہ میں اپنے کسی رشتے دار کی پروانہ کرتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی کافر قرآن کو جادو اور آپ ﷺ کو جادوگر کہہ دیتے تھے۔ (تیسیر القرآن :4/206)

(4) ان کا یہ قول قلب حقائق کے زمرے میں آتا ہے، جو ضعیف العقل لوگوں میں رواج پا سکتا ہے ورنہ حق، جسے نبی ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں، اور جادو کے مابین بہت بڑا تفاوت اور منافات ہے جو زمین و آسمان کے تفاوت سے بڑھ کر ہے۔ وہ حق جو غالب ہے اور افلاک کی بلندیوں پر پہنچا ہوا ہے، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہے، جس کی حقانیت پر دلائل آفاق اور دلائل النفس دلالت کرتے ہیں، جس کے سامنے اصحاب بصیرت اور خردمند لوگ سرنگوں ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں، اسے باطل پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟ جو جادو ہے، جو ظالم، گمراہ، خبیث النفس اور خبیث العمل شخص کے سوا کسی اور سے صادر نہیں ہو سکتا۔ پس جادو ایسے ہی شخص کے لئے مناسب اور اس کے موافق حال ہوتا ہے۔ کیا یہ باطل کے سوا کچھ اور ہے؟ (تفسیر سعدی:3/2524,2525)

سوال 2: کیا ایک نبی کی دعوت اور جادو ایک جیسی چیزیں ہیں؟

جواب: اسلام کی دعوت کی نوعیت اور جادو کی نوعیت ، اسلام کا مقصد اور جادو کا مقصد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں جس کی وجہ سے انہیں ایک جیسا قرار دیا جا سکے۔

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

”یا وہ کہتے ہیں کہ اُس نے خود ہی اُسے گھڑا ہے؟ کہہ دو اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بچانے کا تم کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، تم اُس کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہو وہ انہیں زیادہ جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر وہی کافی ہے اور وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ (8)

سوال 1: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ ”یا وہ کہتے ہیں کہ اُس نے خود ہی اُسے گھڑا ہے؟ کہہ دو اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بچانے کا تم کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، تم اُس کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہو وہ انہیں زیادہ جانتا ہے، میرے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر وہی کافی ہے اور وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ اس آیت میں جادو کے الزام کا جواب دیا گیا، وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ﴾ ''یا وہ کہتے ہیں کہ اُس نے خود ہی اُسے گھڑا ہے''یعنی کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی نہیں بلکہ گھڑا ہوا کلام ہے؟

(2)﴿ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ﴾ ''کہہ دو اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بچانے کا تم کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے''یعنی اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام میں نے گھڑا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہوں تو مجھے اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ساری دنیا مل کر بھی مجھے اس کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتی تھی۔جیسا کہ فرمایا:﴿ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (۲۲) اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۲۳) ﴾ ''کہہ دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ہرگز کوئی نہیں بچائے گا اور میں اُس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا۔مگر اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لیے بلاشبہ جہنم کی آگ ہے، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (الجن:23,22)

(3)﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (۴۴) لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (۴۵) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (۴۶) ﴾ ''اور اگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لاتا تو یقیناً ہم اُس کو اس کے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔پھر یقیناً ہم اُس کی رگِ جان کاٹ دیتے۔'' (الحاقۃ:44-46)

(4)﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ﴾ ''تم اُس کے بارے میں جو باتیں بنا رہے ہو وہ انہیں زیادہ جانتا ہے''رب العزت نے جھوٹا الزام لگانے والوں کو دھمکی دی ہے کہ تمہاری مکاریوں کا رب العزت کو خوب علم ہے۔

(5)﴿ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''میرے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر وہی کافی ہے''یعنی مجھ پر اور تم پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے وہی ہمارے درمیان صحیح فیصلہ کرے گا۔

(6)﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''اور وہ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے''رب العزت نے توبہ کی ترغیب دلائی ہے کہ اب بھی وقت ہے باز آ جاؤ۔سچے دل سے توبہ کر لو۔گناہوں کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم پر رحم فرمائے گا۔

(7)اللہ تعالیٰ اُس کے لئے الغفور ہے جو توبہ کرے،ایمان لے آئے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ سچا کلام مان لے۔توبہ کر کے مغفرت کا مستحق بننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ رحمت کرنے والا ہے۔

(8)وہ تمہیں بھلائی کی توفیق بھی دے گا اور اجر بھی عطا فرمائے گا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض پر کہ قرآن مجید گھڑا ہوا کلام ہے کیا جواب دینے کے لئے کہا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہہ دو کہ اگر یہ کلام میرا گھڑا ہوا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کا مجرم ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے مجرم کو پکڑے بغیر نہیں چھوڑے گا۔اس معاملے میں تم بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے کے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

(2) تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو اُسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی گواہی میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے۔

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

''کہہ دو میں رسولوں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا؟ میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو محض ایک صاف صاف خبردار کردینے والا ہوں'' (9)

سوال: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''کہہ دو میں رسولوں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا؟ میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو محض ایک صاف صاف خبردار کردینے والا ہوں'' نبوت پر تعجب کیوں ہے بدکتے کیوں ہو؟ آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''کہہ دو میں رسولوں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں'' رب العزت نے نبی ﷺ سے یہ سوال کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ تمہیں میری نبوت پر اس قدر تعجب کیوں ہے۔ میں کوئی پہلا نبی تو نہیں ہوں مجھ سے پہلے ہزاروں رسول آ چکے پھر میری دعوت کا انکار کیوں کرتے ہو؟ یہ بتاؤ کہ مجھ سے اتنا بدکتے کیوں ہو؟

(2) ﴿وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ﴾ ''اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا'' یعنی میں تو ایک بشر ہوں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے اور تمہارے ساتھ کیا! میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہی مجھ پر اپنے فیصلے نافذ کرتا ہے۔ اور تم پر بھی۔

(3) سیدنا خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کی ایک رشتہ دار ایک عورت ام علاء نامی نے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت بھی کی تھی، انہیں خبر دی کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھہرانے کے لئے پانسے ڈالے تو سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قیام ہمارے حصے میں آیا۔ ام علاء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے گھر ٹھہرے اور کچھ مدت بعد وہ بیمار پڑ گئے۔ ہم نے ان کی تیمارداری کی مگر کچھ دن بعد ان کی وفات ہوگئی۔ جب ہم انہیں کفن دے چکے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے کہا ابوالسائب! (عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت) تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، میری گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں تمہاری ضرور عزت اور بڑائی کی ہوگی۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا۔ یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت اور بڑائی کی ہوگی میں نے عرض

کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، مجھے یہ بات کسی ذریعہ سے معلوم نہیں ہوئی ہے پھر نبی ﷺ نے فرمایا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جہاں تک معاملہ ہے تو اللہ گواہ ہے کہ ان کی وفات ہو چکی اور میں ان کے بارے میں اللہ سے خیر ہی کی امید رکھتا ہوں لیکن اللہ کی قسم ! اللہ کے رسول ہونے کے باوجود مجھے یہ علم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ ام علاء رضی اللہ عنہا کہنے لگیں، اللہ کی قسم ! اب اس کے بعد میں کسی شخص کی پاکی کبھی بیان نہیں کروں گی۔'' (بخاری:2687)

(4)﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ﴾ ''میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے'' یعنی میں اپنی طرف سے کچھ بھی پیش نہیں کرتا میں تو وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

(5)﴿وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾ ''اور میں تو محض ایک صاف صاف خبردار کردینے والا ہوں'' یعنی میرا کام تو خبردار کرنا ہے۔ اگر تم میری رسالت قبول کرلو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لیے باعث سعادت ہے۔ جہاں تک میرے فرائض کا تعلق ہے تو میں انہیں پورا انجام دے رہا ہوں۔

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

''کہہ دو کیا تم نے دیکھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور تم نے اس کا کفر کیا حالانکہ اس جیسے کلام پر بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی بھی دی، پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا، یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' (10)

سوال 1:﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''کہہ دو کیا تم نے دیکھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور تم نے اس کا کفر کیا حالانکہ اس جیسے کلام پر بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی بھی دی پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حق ہے، جو اسے نہیں مانتے وہ ظالم ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ﴾ ''کہہ دو کیا تم نے دیکھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور تم نے اس کا کفر کیا'' یعنی واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا تو یہ بتاؤ تمہارا کیا حشر ہوگا؟ جس رب نے مجھے یہ کلام دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تم نہیں مانتے تو یہ بتاؤ وہ تمہیں کیا سزا دے گا۔

(2)﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ ''حالانکہ اس جیسے کلام پر بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی بھی دی'' یعنی

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے اس کی گواہی دے دی ہے اور وہ عبداللہ بن سلام تھے اور گواہی یہ تھی کہ تورات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور قرآن اس کی مثل ہے۔

(3)﴿فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ﴾ ''پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا'' یعنی وہ تو قرآن کو پہچان کر اس پر ایمان لے آئے اور ہدایت پا گئے۔ جب کہ ان کے مقابلے میں تم نے تکبر کیا۔ تمہارا یہ رویہ ظلم کے سوا اور کیا ہے؟ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص کے بارے میں جو زندہ ہو اور زمین پر چل پھر رہا ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی اس کا جنتی ہونا نہیں سنا، سوائے سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس جیسے (کلام) پر بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے گواہی دی ہے۔ پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (بخاری:3812)

(4)﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (5) اور یہ ظلم ہے کہ حق قبول کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود تکبر سے اسے ٹھکرا دیا جائے۔ (تفسیر سعدی:2/2526)

سوال 2: قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والوں کے ظلم کو نبی ﷺ کی زبان سے کیسے ثابت کروایا گیا؟

جواب: قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والوں کے ظلم کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلائل دینے کو کہا۔

(1) اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور تم نے نہ مانا تو؟

(2) بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا اور وہ ایمان بھی لا چکا اور تم نے سرکشی کی ہو تو؟

(3) یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

رکوع نمبر 2

﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ كَانَ خَيۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ ؕ وَاِذۡ لَمۡ يَهۡتَدُوۡا بِهٖ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ هٰذَاۤ اِفۡكٌ قَدِيۡمٌ﴾

''اور کافروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے اور جب اُنہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور وہ کہیں گے: ''یہ تو پرانا جھوٹ ہے'' (11)

سوال 1:﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ كَانَ خَيۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ ؕ وَاِذۡ لَمۡ يَهۡتَدُوۡا بِهٖ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ هٰذَاۤ اِفۡكٌ قَدِيۡمٌ﴾ ''اور کافروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے اور جب اُنہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور وہ کہیں گے: ''یہ تو پرانا جھوٹ ہے'' مشرکوں کے اس قول کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ ''اور کافروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے'' مشرکوں نے کہا تھا کہ قرآن میں خیر و برکت ہوتی تو ہم پہلے ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے بن جاتے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، سیدنا عمار رضی اللہ عنہ، سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب رضی اللہ عنہ وغیرہ ہم سے آگے نہ بڑھتے۔ ہم ان سے زیادہ عقل مند ہیں۔ یہ ہم سے کیسے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

(2) ان کا یہ قول ایک لحاظ سے باطل ہے۔ کون سی دلیل اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق کی علامت یہ ہے کہ اہل تکذیب اہل ایمان پر سبقت لے جائیں؟ کیا وہ زیادہ پاک نفس اور عقل و خرد میں زیادہ کامل ہیں؟ کیا ہدایت ان کے ہاتھ میں ہے؟ مگر یہ کلام جو ان سے صادر ہوا، جسے وہ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اس شخص کے کلام کی مانند ہے جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو اور وہ اس چیز کی مذمت کرنا شروع کر دے۔ (تفسیر سعدی:2527,2526/3)

(3) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ ہٹاؤ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں، اُن کے حساب میں سے آپ پر کچھ نہیں اور نہ ہی آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے کہ آپ ان کو اپنے سے دور ہٹا دیں، پس آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے'' (الانعام:52)

(4)﴿وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ ''اور جب اُنہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور وہ کہیں گے: ''یہ تو پرانا جھوٹ ہے'' یعنی ان کے حق قبول نہ کرنے، قرآن کی راہ سے فائدہ نہ اٹھانے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو جھوٹ، جادو اور گھڑا ہوا کلام کہا۔ حالانکہ قرآن حق ہے۔ جس میں شک نہیں۔

(5) وہ اپنی ازلی بدبختی کی وجہ سے ایمان نہیں رکھتے اور اپنی ندامت کو دور کرنے کے لیے قرآن کو پرانے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے ہیں۔ یہی ان کا تکبر اور غرور ہے کہ وہ حق کو نہیں مانتے۔

(6) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکبر حق کا انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا نام ہے۔'' (مسلم:265)

سوال 2: کیا مال و دولت کو پانا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی دلیل ہے؟

جواب: دنیا میں مال و دولت کا پانا اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی دلیل نہیں۔

سوال 3: لوگ اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ دولت اور مرتبے کا ہونا اللہ تعالیٰ کے یہاں معزز ہونے کی دلیل ہے؟

جواب: لوگ اس غلط فہمی میں اس لئے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شیطان اس کے لئے کوششیں کرتا ہے اور لوگ شیطان کے جھانسے میں آ جاتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کے لئے کن خصوصیات کی ضرورت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کے لئے ایمان اور اخلاص کی ضرورت ہے۔

﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ﴾

''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب راہ نما اور رحمت تھی اور یہ تصدیق کرنے والی کتاب عربی زبان میں ہے تا کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ اُنہیں ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہو'' (12)

سوال: ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب راہ نما اور رحمت تھی اور یہ تصدیق کرنے والی کتاب عربی زبان میں ہے تا کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ اُنہیں ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہو'' تورات کی طرح قرآن بھی امام اور رحمت ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً﴾ ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب راہ نما اور رحمت تھی'' یعنی قرآن سے پہلے تورات نازل ہوئی جو امام اور رحمت تھی اگر وہ اس کی ہدایت پر چلتے تو سعادت اور کمال تک پہنچتے۔

(2) ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ﴾ ''اور یہ تصدیق کرنے والی کتاب'' یہ قرآن تمام الہامی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے یعنی انہیں سچی کتابیں مانتا ہے اور ان کی موافقت کرتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ڛ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝﴾ ''اُس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اُس نے تورات اور انجیل بھی نازل کی۔ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور اُسی نے حق اور باطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اُتارا ہے، یقیناً جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیا، اُن کے لیے زبردست عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بدلہ لینے والا ہے۔'' (آل عمران:3،4)

(3) ﴿لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ ''عربی زبان میں ہے'' یعنی عربی زبان کی وجہ سے اس کا علم حاصل اور اس سے نصیحت پکڑنا آسان ہے۔

(4) یہ اظہار اس لئے کیا گیا تا کہ اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کے احسان کا اظہار کیا جائے کہ ان کی زبان میں قرآن مجید کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے۔ (5) ﴿لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''تا کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ اُنہیں ڈرائے'' تا کہ ان لوگوں کو برے انجام سے خبر دار کرے جنھوں نے شرک کیا اور نافرمانیاں کیں اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ اپنے ظلم پر قائم رہتے تو اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب

دے گا۔(6)﴿وَبُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ﴾ ”اور نیکی کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہو“ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرتے ہیں اور مخلوق کو نفع پہنچانے اور ان سے حسن سلوک کرنے میں مخلص ہیں۔ جو اپنے عقیدے، اقوال اور اعمال میں مخلص ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

”یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر ثابت قدم رہے تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ (13)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر ثابت قدم رہے تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر ثابت قدم رہے“ یعنی جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے ہیں اور اس کی اطاعت پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔

(2) یعنی انہوں نے توحید کو جو علم کا خلاصہ ہے اور استقامت کو جو عمل کی انتہا ہے، جمع کر دیا ہے۔ (تفسیر قاسمی: 14/15)

(3) رسول اللہ ﷺ نے استقامت کو ایمان کے بعد دین کی سب سے بڑی حقیقت قرار دیا۔ نبی ﷺ کے ایک ارشادِ گرامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استقامت تکمیل دین ہے۔ سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام میں ایک ایسی بات بتا دیجئے پھر میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر اس پر ڈٹ جا۔“ (مسلم: 159)

(4) نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے استقامت کا شاندار نمونہ قائم کیا۔ کتب حدیث وسیرت میں ایسے واقعات موجود ہیں جن سے آپ ﷺ کی بے مثال استقامت کا ثبوت ملتا ہے۔ مشرکین مکہ نے جب جناب ابوطالب پر بے پناہ دباؤ ڈالا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو دعوت کے کام سے روکیں تو اس انتہائی مایوس کن صورت حال میں آپ ﷺ کا بیان استقامت کی لازوال مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عم محترم! بخدا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب کر دے یا میں اس کی راہ میں ختم ہو جاؤں۔“ آپ ﷺ نے مشکلات و مصائب، ایذا رسانیوں اور ستم رانیوں کا مکی دور استقامت سے گزارا اور اب مدنی دور میں کفر کی ان تدابیر کا سامنا تھا جن کے ذریعے وہ مسلمانوں اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ یہی وہ پرآشوب دور ہے جس میں آپ ﷺ کو اپنے پیروؤں کے ساتھ میدان جنگ میں مسلح تصادم کا سامنا کرنا پڑا۔ ان جنگوں میں ایسے شدید مراحل آئے جہاں بہادر سے بہادر انسان بھی اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور ہو جاتا لیکن ان مقامات و مواقع پر حضور ﷺ کی شان استقامت کے

شاندار مظاہر نظر آتے ہیں۔غزوہ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے تیراندازوں کی بوچھاڑ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی قدم اکھڑ گئے تو آپ ﷺ استقامت کے کوہ گراں کی طرح میدان جنگ میں جمے رہے اور اس وقت زبان مبارک پر: ﴿اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ،اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ﴾ آپ ﷺ کے بے مثال اسوۂ نے آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ استقامت پیدا کی کہ وہ تاریخ انسانی کے لیے روشن مثالیں بن گئے۔آل یاسر رضی اللہ عنہ، سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ، سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ، سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سمیت بعض جلیل القدر اور ذو نسب صحابہ بھی مشرکین مکہ کی ایذاء رسانیوں اور ظلم وستم کے سامنے عظمت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔(انسان کامل:643)

(5)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۳۰) نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (۳۱) نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (۳۲)﴾ ”یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے پھر وہ ثابت قدم رہے،اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اُس جنت کی بشارت سے خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے وہ ہے جو تمہارے دل چاہیں گے اور تمہارے لیے اُس میں وہ کچھ ہے جو تم طلب کرو گے۔بے حد بخشنے والے بے حد رحم والے کی جناب سے مہمان نوازی کے طور پر۔“(حم السجدہ:30-32)

(6)﴿وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا﴾ ”اور یہ کہ اگر لوگ راہِ ہدایت پر ثابت قدم رہتے تو ہم اُنہیں ضرور بہت وافر پانی سے پلاتے۔“(الجن:16)

(7)﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ”تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ ان کے لیے نہ آنے والے شر کا خوف ہے اور نہ اس پر غم ہے جو پیچھے چھوڑ دیا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنانے سے انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1)سب سے پہلی تبدیلی تو انسان کے شعور میں آتی ہے۔انسان کی سوچ کا رخ رب کی طرف ہوجاتا ہے تو رب اُس کی زندگی کا محور ومرکز بن جاتا ہے۔(2)انسان کی گفتگو میں تبدیلی آجاتی ہے۔اُس کی گفتگو رب کی یادوں کا عکس ہوتی ہے۔وہ جہاں بھی ہو رب کی بڑائی بیان کرنے والا بن جاتا ہے۔

(3)انسان کی سرگرمیوں کا رخ بدل جاتا ہے۔ہر سرگرمی کا ایک ہی عنوان ٹھہرتا ہے۔﴿رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے۔

(4)انسان کے تعلقات کی بنیاد رب کی محبت بن جاتی ہے۔

(5)انسان ہر معاملے میں اُس سے اُمید باندھنے لگ جاتا ہے۔

(6)انسان رب کی ناراضگی سے ڈرنے لگ جاتا ہے۔

(7)انسان رب کی رضا کے لئے بڑے سے بڑا کام کر گزرتا ہے۔

(8)انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جاتا ہے۔

(9)انسان کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانا بن جاتا ہے۔

(10)انسان انبیاء کو اپنے لئے راہ نما بنا کر اُس راستے پر چل نکلتا ہے۔

(11)اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنالینا تو ایک life style ہے۔یہ محض زبانی اقرار نہیں زندگی کے ہر میدان میں خدا رُخی زندگی اختیار کرتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر استقامت اختیار کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)استقامت اختیار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر، اسلام کو دین کے طور پر اختیار کر لینا۔

(2)استقامت اختیار کرنے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر محمد ﷺ کو اپنا راہ نما، ہادی اور راہبر تسلیم کرنے اور اُن کی سنّت کی مستقل پیروی کرنا۔(3)استقامت سے مراد دل اور نفس کے اسلام پر اطمینان کے بعد ہر قسم کے شک کا دور ہو جانا۔اور خیالات اور تصورات کا اسلام کی حقانیت پر جم جانا۔(4)استقامت سے مراد تمام دوسری کوششوں اور دلچسپیوں، رجحانات اور میلانات کا محور و مرکز اسلام اور اسلامی مشن کا بن جانا۔(5)استقامت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے حق پر جم جانا۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

”یہی لوگ جنت والے ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اُن اعمال کی جزا میں جو وہ عمل کیا کرتے تھے“(14)

سوال1:﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾”یہی لوگ جنت والے ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اُن اعمال کی جزا میں جو وہ عمل کیا کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾”یہی لوگ جنت والے ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں“یعنی وہ ہمیشہ رہنے والی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔وہ وہاں سے کبھی نکلنا نہیں چاہیں گے نہ انہیں نکالا جائے گا۔وہ اس مقام کو کبھی بدلنا نہیں چاہیں گے۔

(2)﴿جَزَآءً ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾”اُن اعمال کی جزا میں جو وہ عمل کیا کرتے تھے“اُن کی جزا اعمال صالحہ کرنے اور اعمال فاسدہ چھوڑنے پر ہوگی کہ انہیں کوئی غم اور خوف نہ ہوگا۔

سوال2: جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخلہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

جواب: جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخلہ نیک اعمال کی وجہ سے ممکن ہو سکتا ہے۔اور نیک اعمال کی بنیاد اللہ تعالیٰ کو اپنا رب بنا کر اُس پر جم جانا ہے۔

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَاَصۡلِحۡ لِىۡ فِىۡ ذُرِّيَّتِىۡ ؕ اِنِّىۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ وَاِنِّىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ﴾

’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اُس کو جنم دیا اور اُس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اُس نے کہا: ’’اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں‘‘ (15)

سوال 1: ﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا﴾ ’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اُس کو جنم دیا اور اُس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے‘‘ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے حکم کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) توحید، اخلاص اور استقامت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ اِحۡسٰنًا﴾ ’’اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی‘‘ یعنی ہم نے تاکید کے ساتھ وصیت کی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن معاملہ کریں۔

(2) اور یہ تب ممکن ہے جب ان کو ایذا دینے سے رکیں۔ اور ان دونوں کو خیر پہنچائیں اور معروف میں ان کی اطاعت کریں اور موت کے بعد بھی ان کے لیے نیکیاں کریں۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس وصیت پر عمل کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اس وصیت کو نافذ نہیں کرتے۔ (ایسر التفاسیر: 1462/1463)

(3) یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور والدین کی قدر و توقیر ہے کہ اس نے اولاد کو حکم دیا اور ان کو اس امر کا پابند کیا کہ وہ نرم و ملائم بات، مال و نفقہ اور دیگر طریقوں سے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ (تفسیر سعدی: 2529,2528/3)

(4) ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا﴾ ’’اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے

ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔'' (بنی اسرائیل:23)

(5)﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا﴾ ''اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا'' یعنی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور نیکیوں کو واجب کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی ماں نے 9 ماہ تک حمل کی مشقت اٹھا کر طرح طرح کے درد برداشت کیے اور اس کی پیدائش کی مشقت اٹھائی کوئی سنگ دل ہی ماؤں کی تکلیفوں سے ناواقف رہتا ہے۔

(6)(i) حمل کی مشقتیں: حمل کے فوراً بعد انسان کے ابتدائی cells رحم مادر کی دیواروں سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے دیمک کی طرح کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ ماں کے رحم میں خون کا ایک حوض بن جاتا ہے جس وقت ماں کچھ کھاتی ہے اس سے تازہ خون بنتا ہے اور وہ جرثومہ خون کو چوسنا اور بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جب ہڈیاں بننے کا وقت آتا ہے اُس وقت وہ زیادہ خون چوسنا شروع کرتا ہے تاکہ جسمانی ڈھانچہ تیار ہو۔ اس دوران ماں کی مشقت کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے رکھ کر اُس سے حُسن سلوک کا مطالبہ کیا ہے۔

(ii) وضع حمل کی مشقتیں: وضع حمل کا موقع ایسا ہوتا ہے جب عورت کی زندگی داؤ پر لگ جاتی ہے لیکن وہ اپنے بچے کی محبت میں یہ مشقت برداشت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشقت کو ﴿كُرْهًا﴾ کے الفاظ سے انسان کے سامنے رکھ کر اس سے حُسن سلوک کا مطالبہ کیا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔'' (لقمان:14)

(7)﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ''اور اُس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے'' حمل، رضاعت اور پرورش میں ابتدائی طور پر 30 ماہ لگ جاتے ہیں۔

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ انھوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری ماں۔ انھوں نے پوچھا پھر اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا باپ ہے۔'' (بخاری:5971)

(9) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کیا: پھر اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (مسلم:252)

(10) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا۔“ (ترمذی:1955)

(11) مذکورہ مشقت تھوڑی سی مدت، گھڑی دو گھڑی کے لئے نہیں بلکہ وہ طویل مدت ہے جس کا عرصہ ﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ جن میں سے غالب طور پر نو ماہ کے لگ بھگ حمل اور باقی مہینے رضاعت کے لئے ہیں۔ اس آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ ”اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں“ کے ساتھ ملا کر استدلال کیا جاتا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، کیونکہ رضاعت کی مدت کو، جو کہ دو سال ہے، تیس مہینوں میں سے نکال دیا جائے تو حمل کی مدت چھ ماہ بچتی ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2529,2528)

سوال 2: ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اُس نے کہا: ”اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں“ 40 سال کی عمر میں خلوص سے توبہ کرنے کی وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا“ یعنی جب وہ پوری قوت والے دور کو پہنچ گیا جب عقل پوری ہو جاتی ہے اور سمجھ بوجھ کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ بردباری کا دور ہے۔

(2) تب وہ دعا کرتا ہے۔ ﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ﴾ ”اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی“ یہ ایمان توحید اور اسلام کی نعمت ہے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو تو نے مجھ پر کی ہیں۔

(3) ﴿وَعَلٰى وَالِدَيَّ﴾ ”اور میرے والدین پر“ اور میرے والدین پر کی ہیں۔ یعنی میں تیری نعمتوں کو تیری اطاعت میں صرف کروں اور تیری حمد و ثنا کروں۔ والدین پر انعامات اولاد ہی پر انعامات ہیں کیونکہ ان کے آثار اولاد تک پہنچتے ہیں۔ خاص طور پر ایمان اور اسلام کی نعمت۔ کیونکہ والدین کے نیک ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کے نیک ہونے کا سبب بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

(4) ﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾ ”اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے“ یعنی مجھے توفیق دے کہ میں ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند آ جائیں۔

(5) یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے کام ہیں۔ (جامع البیان:16/26)

(6)﴿وَاَصۡلِحۡ لِيۡ فِيۡ ذُرِّيَّتِيۡ﴾ ''اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کردے'' یعنی میری نسل اور آخر تک آنے والی میری اولاد کی اصلاح فرمانا۔(7)﴿اِنِّيۡ تُبۡتُ اِلَيۡكَ﴾ ''بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی'' یعنی میں گناہوں اور نافرمانیوں سے تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تیری فرماں برداری کا اقرار کرتا ہوں۔

(8)﴿وَاِنِّيۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ﴾ ''اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں'' یہ اللہ تعالیٰ سے توسل ہے اپنی دعا کی قبولیت کے لیے، شرک اور کفر سے توبہ اور توحید اور ایمان کی طرف آنا اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنا ہے۔

(9)اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو 40 سال کی عمر میں سچی توبہ کرنی چاہیے اور دینی کاموں میں زیادہ دلچسپی لینی چاہیے اور ان میں استقامت اختیار کرنی چاہیے۔

(10)اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلیم الفطرت انسان کیسے اپنے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا شعور رکھتا ہے۔ یہ دُعا ظاہر کرتی ہے کہ سلیم الفطرت انسان کو اپنی قوتوں کے ضائع ہونے کا کتنا شعور ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس لئے دُعا کرتا ہے کہ کہیں وہ شکر ادا کئے بغیر ضائع نہ ہو جائے۔

سوال 3: کیا ماں کی مشقتوں کا صلہ اولاد دے سکتی ہے؟

جواب: ماں کی مشقتوں اور قربانیوں کا صلہ اولاد نہیں دے سکتی خواہ کتنی کوشش کرے وہ کوشش کم ہی ہوگی۔ ایک شخص طواف کرتے ہوئے اپنی ماں کو اُٹھائے ہوئے تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو کہہ دیا کہ میں نے اپنے ماں کا حق ادا کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں صرف ایک سانس لینے کے برابر بھی نہیں۔ (مسند البزار)

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَيِّاٰتِهِمۡ فِيۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ
وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِيۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ﴾

''یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں (ہوں گے)، سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا'' (16)

سوال 1: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَيِّاٰتِهِمۡ فِيۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِيۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، جنت والوں میں (ہوں گے)، سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا'' تھوڑے اعمال سے ان لوگوں کو جنت ملتی ہے جو توبہ کرتے ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا﴾''یہی لوگ ہیں ہم ان سے سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جوانہوں نے کیے'' یہ وہ لوگ ہیں جن کے تھوڑے اعمال کو بھی قبول کیا جاتا ہے۔

(2)اس سے مراد نیکیاں ہیں کیونکہ وہ اس کے علاوہ بھی نیک عمل کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:2529/3)

(3)﴿وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾''اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں'' یعنی ان کی برائیوں پر مواخذہ نہیں کریں گے، بلکہ ان کی مغفرت کریں گے یعنی اکثر خطائیں معاف کردیں گے۔

(3)﴿فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ﴾''جنت والوں میں (ہوں گے)'' یعنی حسب وعدہ انہیں جنت والوں میں شامل کردیا جائے گا۔

(4)﴿وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾''سچے وعدہ کے مطابق جوان سے کیا جاتا تھا'' یہ وعدہ ہے جو قطعی سچا ہے جو دنیا میں رسولوں کے توسط سے کیا جاتا ہے۔

(5)جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾''اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔''(التوبہ:72)

(6)یہ اس ہستی کا وعدہ ہے جس نے کبھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ جو اپنے وعدوں میں سچا ہے۔

(7)﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾''اور وہ کہیں گے:''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنادیا کہ ہم جنت میں سے جہاں چاہیں گے جگہ بنالیں۔'' سو کیا ہی بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے!''(الزمر:74)

﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾

''اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا:''تم پر افسوس ہے، کیا تم دونوں مجھے یہی دھمکی دیتے رہتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں'' اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ''تیری بربادی ہو! ایمان لے آ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔'' تو وہ کہتا ہے:''یہ تو پہلے لوگوں کے فرضی قصوں کے سوا کچھ نہیں''(17)

سوال1:﴿وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾''اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا:''تم پر افسوس ہے، کیا تم دونوں مجھے یہی دھمکی دیتے رہتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا؟ حالانکہ مجھ سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں'' اور وہ

دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ ''تیری بربادی ہو! ایمان لے آ، اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔'' تو وہ کہتا ہے: ''یہ تو پہلے لوگوں کے فرضی قصوں کے سوا کچھ نہیں'' گستاخ اولاد کے معاملات، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ﴾ ''اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا: ''تم پر افسوس ہے، کیا تم دونوں مجھے یہی دھمکی دیتے رہتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا'' رب العزت نے فرماں بردار اولاد کا ذکر کرنے کے بعد نافرمان اولاد کے حالات کو سامنے رکھا ہے کہ جب اس کے والدین نے اسے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور برے اعمال کی سزا سے خوف دلایا جو والدین کا اولاد پر احسان ہے کہ وہ انہیں ابدی فلاح کی طرف بلاتے ہیں اس کے جواب میں اولاد برے طریقے سے پیش آتی ہے یہ کہ تمہارے لیے ہلاکت ہو اور وہ دعوت برباد ہو (نعوذ باللہ) جسے تم پیش کرتے ہو پھر آخرت کو محال سمجھتے ہوئے کہا: کیا تم مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ قیامت کے دن مجھے میری قبر سے نکالا جائے گا۔

(2) اللہ رب العزت نے والدین کے نافرمان اور بعث اور جزا کے منکر کے بارے میں خبر دی ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1464/1465)

(3)﴿وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ﴾ ''حالانکہ مجھ سے پہلے بھی تو میں گزر چکی ہیں'' یعنی اس سے پہلے بہت لوگ گزر چکے اور ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی قبر سے نہیں نکلا۔

(4)﴿وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ﴾ ''اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ ''تیری بربادی ہو! ایمان لے آ'' اس کے والدین اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے فریادیں کرتے ہیں اور بیٹے سے کہتے ہیں ایمان لے آؤ۔

(5) یعنی وہ اس کی ہدایت کے لئے انتہائی جدوجہد اور پوری کوشش کر رہے تھے حتی کہ اس کے ایمان کی سخت حرص کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مدد مانگ رہے تھے جیسے ڈوبتا ہوا شخص مدد کے لئے پکارتا ہے۔ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہے تھے جیسے کوئی اچھو لگا ہوا شخص سوال کرتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو ملامت کرتے تھے، اس کے لئے سخت دردمند تھے۔ (تفسیر سعدی: 2530/3)

(6)﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی واپسی اور ان کے اعمال کے محاسبے اور جزا کا جو وعدہ دیا ہے وہ سچا ہے۔

(7) مگر بیٹے کی نفرت اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ﴿فَیَقُوْلُ﴾ ''تو وہ کہتا ہے'' وہ تکبر سے کہتا ہے۔

(8)﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ''یہ تو پہلے لوگوں کے فرضی قصوں کے سوا کچھ نہیں'' یعنی تم مجھے ایمان کی جو دعوت دیتے ہو یہ فرسودہ خیالات ہیں پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

(9) ایسا شخص جو غور و فکر نہیں کرتا۔ جو عقل کی پختگی کی عمر کو پہنچ کر بھی عقلی طور پر نابالغ رہتا ہے نہ کائنات کی نشانیوں پر غور و فکر کرتا ہے نہ رب کے کلام سے سبق حاصل کرتا ہے اور حق سے دور رہتا ہے۔

(10) سیدنا یوسف بن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ مروان کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کا امیر (گورنر) بنایا تھا۔اس نے ایک موقع پر خطبہ دیا اور خطبہ میں یزید بن معاویہ کا بار بار ذکر کیا، تاکہ اس کے والد (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) کے بعد اس سے لوگ بیعت کریں۔اس پر سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اعتراضاً کچھ فرمایا۔مروان نے کہا اسے پکڑلو۔سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے تو وہ لوگ پکڑ نہیں سکے۔اس پر مروان بولا کہ اسی شخص کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی تھی کہ ''اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا تف ہے تم پر کیا تم مجھے خبر دیتے ہو'' اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہمارے (آل ابی بکر کے) بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی آیت نازل نہیں کی بلکہ ''تہمت سے میری برأت ضرور نازل کی تھی۔'' (بخاری:4827)

سوال 2: مجھ سے پہلے اُمتیں گزر چکی ہیں، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے لوگ جب مر گئے تو دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آئے۔حالانکہ دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ قیامت اور حساب کتاب کے دن سے متعلق ہے۔

سوال 3: آخرت کے عقیدے کے متعلق والدین سے کون سی اولاد تکرار کرتی ہے؟

جواب: عام طور پر یہ تکرار اُس وقت ہوتی ہے جب والدین مسلمان ہوں اور اولاد کافر ہو۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ

إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ﴾

''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی، جن و انس کے ان گروہوں میں جو ان سے قبل گزر چکے ہیں،

یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے'' (18)

سوال: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی، جن و انس کے ان گروہوں میں جو ان سے قبل گزر چکے ہیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے'' نافرمان اولاد اور بعث کا انکار کرنے والے جہنم میں جائیں گے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ ''یہی لوگ ہیں'' یعنی یہ نافرمان لوگ۔

(2) ﴿حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ﴾ ''جن پر اللہ تعالیٰ کی بات ثابت ہو چکی'' جن پر عذاب کی بات واجب ہو گئی۔

(3) ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ﴾ ''جن و انس کے ان گروہوں میں جو ان سے قبل گزر چکے ہیں'' یعنی وہ لوگ نافرمان جنوں اور انسانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے جنہوں نے خود کو نقصان پہنچایا اور اپنے گھر والوں کو بھی خسارے میں ڈالا۔

(4)﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ''یقیناوہ خسارہ پانے والے تھے'' وہ خسارہ پانے والے ہیں۔یعنی وہ ایمان سے محروم ہو گئے اور جہنم کے عذاب سے بچ نہیں سکے۔(5) یعنی نافرمان اولاد اور قیامت کے منکر جہنم میں جائیں گے۔

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾

''اور ہرایک کے لیے درجات ہوں گے اُن کے اعمال کے لحاظ سے جوانہوں نے کیے اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' (19)

سوال1:﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور ہرایک کے لیے درجات ہوں گے اُن کے اعمال کے لحاظ سے جوانہوں نے کیے اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ''اور ہرایک کے لیے درجات ہوں گے اُن کے اعمال کے لحاظ سے'' یعنی آخرت میں اچھے اور برے لوگوں کو اپنے اعمال کے لحاظ سے درجہ ملے گا۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور ہرایک کے لیے اس کے درجات ہیں اس کی وجہ سے جوانہوں نے عمل کیے اور آپ کا رب اس سے ہرگز بے خبر نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں۔'' (الانعام:132)

(3)﴿وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے'' یعنی ان کے اعمال میں کمی نہیں کی جائے گی۔نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۙ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''توکیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لئے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر جان کو اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (آل عمران:25)

(4)﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' یعنی نیکیوں میں کمی کر کے اور برائیوں میں اضافہ کر کے ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''جو نیکی لائے گا اس کے لیے اس جیسا دس گنا ہوگا اور جو بُرائی لائے گا تو وہ اس کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (الانعام:160)

(6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے معاملے میں بھی ظلم نہیں کرے گا، وہ اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا جبکہ کافر کو اس کی ان نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کی ہوگی دنیا

میں ہی دے دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔'' (مسلم:7089)

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ﴾

''اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے، چنانچہ آج تمہیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے'' (20)

سوال 1: ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ ''اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے، چنانچہ آج تمہیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے'' کفار کو ان کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ﴾ ''اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا'' یعنی اے ہمارے رسول ان انکار کرنے والوں سے کہہ دو کہ جب انہیں جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا۔

(2) ﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا﴾ ''تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے'' تم نے اپنے اعمال کے بدلے میں دنیا کی زندگی کی نعمتیں لے لیں۔ جن پر تم مطمئن ہو گئے۔ تم نے لذتوں سے دھوکہ کھایا اور اس دنیا کی طیبات یعنی اچھی چیزوں نے تمہیں آخرت کے لیے کوششیں کرنے سے غافل کر دیا۔

(3) ﴿وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ ''اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے'' یعنی تم نے دنیا کی نعمتوں سے ایسے ہی فائدہ اٹھایا جیسے جانور کھاتے پیتے اور اپنے لیے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔

(4) سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا ان کا روزہ تھا۔ انہوں نے کہا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (اُحد کی جنگ میں) شہید کر دیے گئے وہ مجھ سے افضل اور بہتر تھے لیکن انہیں جس چادر کا کفن دیا گیا (وہ اتنی چھوٹی تھی کہ) اگر اس سے ان کا سر چھپایا جاتا

تو پاؤں کھل جاتا اور اگر پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا تھا میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی (اسی جنگ میں) شہید کیے گئے وہ مجھ سے بہتر اور افضل تھے پھر جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ہمارے لیے دنیا میں کشادگی دی گئی یا انہوں نے یہ کہا کہ پھر جیسا کہ تم دیکھتے ہو ہمیں دنیا دی گئی ہمیں تو اس کا ڈر ہے کہ کہیں یہی ہماری نیکیوں کا بدلہ نہ ہو جو اسی دنیا میں ہمیں دیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آپ اتنا روئے کہ کھانا نہ کھا سکے۔ (بخاری:4045)

(5) ﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ﴾ ''چنانچہ آج تمہیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا'' آج تمہیں ایسا عذاب دیا جائے گا جو تمہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

(6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن دوزخ میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھا، اسے دوزخ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے دنیا میں کبھی آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی چین کا لمحہ بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں۔'' (مسلم:7008)

(7) ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے'' یعنی یہ تم تھے جو تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور اس کی توحید پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ (فتح القدیر:27/5)

(8) ﴿وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ ''اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے'' یعنی ان کے تکبر غرور اور فسق کی وجہ سے انہیں ذلت کی سزا ملے گی۔

(9) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی غرور اور تکبر ہوگا۔ ایک شخص نے کہا ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا عمدہ ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ نے فرمایا: ''اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے تکبر تو یہ ہے کہ انسان حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' (مسلم:265)

(10) یعنی تم دنیا میں عزت والے بنتے تھے تو آج ذلت تمہارا مقدر ہے۔ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکلے تھے۔ آج جہنم کے سب سے نچلے درجے میں جھونک دیے جاؤ گے۔ یا اللہ ہمیں محفوظ رکھنا۔

سوال 2: کافر کی نعمتیں دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں اور مومن کو دنیا اور آخرت میں نعمتیں ملتی ہیں، اس فرق کا سبب کیا ہے؟

جواب: (1) کافر کو دنیا میں نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ناشکری کرتا ہے سرکش اور باغی بن جاتا ہے جس کی وجہ سے آخرت میں اس سے یہ نعمتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ (2) مومن کو دنیا میں نعمتیں ملتی ہیں تو وہ آخرت کی فکر کے ساتھ انہیں استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کر کے شکر ادا کرتا ہے۔ اس طرح دنیا میں بھی وہ نعمتوں کا مستحق بنا رہتا ہے اور آخرت میں اُسے ہمیشہ کے لئے یہ نعمتیں عطا کر دی جاتی ہیں۔

رکوع نمبر 3

﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾

''اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اُس نے احقاف میں اپنی قوم کو خبر دار کیا اور خبر دار کرنے والے بلا شبہ اُس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی گزر چکے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' (21)

سوال 1: ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ ''اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اُس نے احقاف میں اپنی قوم کو خبر دار کیا اور خبر دار کرنے والے بلا شبہ اُس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی گزر چکے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں'' نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لیے قوم عاد کا ذکر کیا گیا، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ﴾ ''اور یاد کرو'' یعنی اے محمد ﷺ آپ اپنی قوم کو عبرت اور نصیحت کے لیے ذکر کریں۔

(2) ﴿اَخَا عَادٍ﴾ ''عاد کے بھائی'' یعنی سیدنا ہود علیہ السلام کا جن کی اخوت نسبی تھی دینی نہیں تھی۔ (ایسر التفاسیر: 1465)

(3) سیدنا ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی دعوت دینے اور مخلوق کی راہ نمائی کرنے کی وجہ سے فضیلت عطا فرمائی تھی۔

(4) ﴿اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ﴾ ''جب اُس نے اپنی قوم کو خبر دار کیا'' یعنی جب انہوں نے قوم عاد کو خبر دار کیا یعنی انہیں کہا کہ اگر توبہ نہیں کرو گے، اس کی توحید کا اقرار نہیں کرو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔

(5) ﴿بِالْاَحْقَافِ﴾ ''احقاف میں'' یعنی وہ علاقہ جہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔ اس سے مراد یمن کا حضر موت والا علاقہ ہے۔

(6) یہی علاقہ قوم عاد کا مسکن تھا۔ جو کسی زمانہ میں سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ قوم عاد نے اسی جگہ زمین دوز مکان بنا رکھے تھے۔ یہ علاقہ جنوبی عرب میں حضر موت کے شمال میں واقع ہے۔ اور آج کل وہاں ریت ہی ریت کے ٹیلے ہیں جو سینکڑوں میل تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ اس علاقہ کو آج کل ربع خالی بھی کہتے ہیں۔ کوئی شخص اس صحرا میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا۔ اور جو چیز اس ریت میں گر پڑے وہ بھی ریت میں دھنس کر ریت ہی بن جاتی ہے۔ جیسے کوئی چیز نمک کی کان میں گر پڑے تو وہ بھی نمک ہی بن جاتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/213)

(7) ﴿وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ﴾ ''اور خبر دار کرنے والے بلا شبہ اُس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی گزر چکے ہیں'' یعنی ہود علیہ السلام کوئی پہلے خبر دار کرنے والے نہ تھے۔ نہ ان کی امت پہلی امت تھی۔ جن کو عذاب سے ڈرایا گیا۔

(8) سیدنا ہود علیہ السلام کی مثال دے کر رب العزت نے تسلی دی ہے کہ سیدنا ہود علیہ السلام اپنی قوم کے جھٹلانے سے غم نہ کھائیں۔ پہلے انبیاء کو بھی ان کی قوموں نے جھٹلایا کچھ انبیاء کو تو لوگوں نے شہید بھی کر ڈالا۔

(9)﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''یعنی تمام رسولوں نے شرک کے برے انجام سے ڈرایا اور انہیں حکم دیا وہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔اور یہی معنی ہیں لا الہ الا اللہ کے جس کی طرف محمد ﷺ نے اپنی امت کو بلایا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

(10)﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ ''یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں''یعنی سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی تو ان پر سخت عذاب نازل ہوگا وہ قیامت کے دن نازل ہوگا جو عظیم ہے۔

(11) جیسا کہ فرمایا:﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ ''پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تمہیں ایک کڑک سے ڈرا دیا ہے، عاد اور ثمود جیسی کڑک ہوگی۔'' (فصلت:13)

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

''اُنہوں نے کہا:''کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟ اگر تو واقعی سچا ہے تو جس (عذاب) کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ'' (22)

سوال1:﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اُنہوں نے کہا:''کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟ اگر تو واقعی سچا ہے تو جس (عذاب) کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا﴾ ''اُنہوں نے کہا:''کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟ اگر تو واقعی سچا ہے تو جس (عذاب) کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ'' سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس کوئی واضح ایجنڈا نہیں ہے تم ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے پھیرنا چاہتے ہو۔

(2)﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾ ''تو جس (عذاب) کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ''یعنی ہمیں عذاب کی کوئی پرواہ نہیں ہے جس کا آپ کو ڈر ہے۔وہ ہم پر لے آؤ جیسا کہ فرمایا:﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ﴾ ''اُسے وہی لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے،اور جو لوگ ایمان لائے وہ اُس سے ڈرنے والے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ حق ہے۔سن لو! یقیناً جو لوگ قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑتے ہیں یقیناً وہ دُور کی گمراہی میں ہیں۔'' (الشوریٰ:18)

(3)﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اگر تو واقعی سچا ہے''یعنی اگر تم اپنے وعدوں اور وعیدوں میں سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ۔

سوال2: قوم نے سیدنا ہود علیہ السلام کی دعوت کا کیا جواب دیا؟

جواب: (1) قوم نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں کی پرستش سے ہٹا دو؟

(2) اگر آپ سچے ہو تو جس عذاب کا وعدہ دیتے ہو وہ ہم پر لے آؤ۔

﴿قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾

''اُس نے کہا: ''اُس کا علم تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو'' (23)

سوال1: ﴿قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾ ''اُس نے کہا: ''اُس کا علم تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اُس نے کہا: ''اُس کا علم تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے'' ان کی جہالت کا اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے یہ جواب دیا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے کہ عذاب آئے گا یا نہیں۔ وہ با اختیار ہے اس کے ہاتھ میں تمام معاملات کی پوری قدرت ہے وہ چاہے تو عذاب بھیج دے گا۔

(2) ﴿وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ﴾ ''اور میں صرف وہ پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے'' یعنی توحید کا حکم دینا اور شرک اور نافرمانیوں سے روکنا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''کہہ دو یقیناً اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور حقیقتاً میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔'' (الملک:26)

(3) ﴿وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ﴾ ''لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برتتے ہو'' یعنی میں تمہیں جہالت میں ڈوبا ہوا دیکھتا ہوں جس کی وجہ سے تم عذاب کا مطالبہ کرنے کی جرأت کر رہے ہو۔

سوال2: نادانی کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) نادانی سے مراد کفر پر اصرار ہے۔ (2) نادانی سے مراد ایسی چیز کا مطالبہ ہے جو اختیار میں نہیں ہے۔

﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

’’تو جب اُنہوں نے بادل کی شکل میں اُسے اپنی وادیوں میں آتے ہوئے دیکھا تو کہا: ’’یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے۔‘‘ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جسے تم نے جلدی طلب کیا تھا، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے‘‘ (24)

سوال 1: ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ’’تو جب اُنہوں نے بادل کی شکل میں اُسے اپنی وادیوں میں آتے ہوئے دیکھا تو کہا: ’’یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے‘‘ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جسے تم نے جلدی طلب کیا تھا، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ﴾ ’’تو جب انہوں نے دیکھا اسے‘‘ پھر جب انہوں نے عذاب آتے دیکھا۔

(2) ﴿عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ ’’بادل کی شکل میں اُسے اپنی وادیوں میں‘‘ یعنی ایسا بادل ہے۔ جو وادیوں کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے اور پھیلتا جارہا ہے۔ جہاں سے وہ اپنے کھیتوں کو پانی دیتے تھے اور جن کنوؤں سے پانی پیتے تھے۔

(3) ﴿قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ ’’تو کہا: ’’یہ ہم پر بارش برسانے والا بادل ہے۔ وہ خوشی کے مارے چلا کر کہنے لگے یہ بادل ہے جس کا رخ ہماری طرف ہے یہ ہم پر بارش برسائے گا۔

(4) ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ’’بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جسے تم نے جلدی طلب کیا تھا، ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے‘‘ بلکہ وہ عذاب تھا جو ایسی ہوا کی شکل میں تھا۔ جس نے ہر چیز کو برباد کرڈالا۔

(5) یہ بادل اللہ تعالیٰ کا غضب تھا جس نے اس بدنصیب قوم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ﴾ ’’کسی چیز کو وہ نہ چھوڑتی تھی وہ جس پر سے بھی گزرتی اسے بوسیدہ ہڈی جیسا بنا چھوڑتی۔‘‘ (الذریت: 42) (6) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے مشرق سے آنے والی ہوا سے مدد دی گئی ہے اور عاد کو مغرب سے آنے والی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔‘‘ (بخاری: 3205)

(7) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جب لوگ بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اس سے بارش برسے گی لیکن اس کے برخلاف آپ کو میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ ﷺ بادل دیکھتے ہیں تو ناگواری کا اثر آپ ﷺ کے چہرہ پر نمایاں ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا ضمانت ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم (عاد) پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔ انہوں نے جب عذاب دیکھا تو بولے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ (بخاری: 4829)

(8) نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے حلق کا کوا نظر آجائے بلکہ آپ ﷺ تبسم فرمایا کرتے تھے، بیان کیا کہ جب بھی آپ ﷺ بادل یا ہوا دیکھتے

تو (گھبراہٹ اور اللہ کا خوف) آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے پہچان لیا جاتا۔ (بخاری:4828)

(9) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: ﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ﴾ ''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔'' (مسلم:2084)

﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوْا لَا يُرٰى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

''جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دے گی، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، مجرموں کے گروہ کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں'' (25)

سوال 1: ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوْا لَا يُرٰى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دے گی، چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، مجرموں کے گروہ کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ ''جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دے گی'' یعنی اپنے رب کے حکم سے یہ ہوا جس چیز سے گزرتی تھی۔ اپنی شدت اور نحوست کی وجہ سے ہر چیز کو غارت کر کے رکھ دیتی تھی۔

(2) ﴿فَأَصْبَحُوْا لَا يُرٰى إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ﴾ ''چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا'' ان کے گھر، مال مویشی اور خود وہ گھر والے سب تباہ ہو گئے۔ ان میں سے کوئی نہ بچ سکا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ ''اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا، سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔'' (الحاقۃ:7)

(4) ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''مجرموں کے گروہ کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ مجرموں کو ان کے ظلم کی وجہ سے نافرمانیوں اور جرائم کی وجہ سے سزا دیتے ہیں۔ ان کو رب العزت نے نعمتوں سے نوازا نہ انہوں نے اس کا ذکر کیا نہ شکر ادا کیا۔ وہ مٹی کے پتلے اپنی ذات کے غرور میں جل کر راکھ ہو گئے۔

سوال 2: قوم ہود پر ہوا چلی تو لوگوں کی کیا صورت حال ہو گئی؟

جواب: قوم ہود پر ہوا چلی تو ان کے گھر عبرت کے طور پر باقی رہ گئے۔ گھروں میں بسنے والے وہاں کے مکین سب تباہ ہو گئے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ مجرموں کو کیسے سزا دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ مجرموں کو اپنی سنت کے مطابق اپنی تقدیر کے مطابق سزا دیتے ہیں۔

﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾

"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اُن چیزوں میں بھی اُنہیں قدرت دے رکھی تھی جس میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے اُن کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تھے چنانچہ نہ ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل ہی ان کے کسی کام آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے اور اُنہیں اسی (عذاب) نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے" (26)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اُن چیزوں میں بھی اُنہیں قدرت دے رکھی تھی جس میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے اُن کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تھے چنانچہ نہ ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل ہی ان کے کسی کام آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے اور اُنہیں اسی (عذاب) نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے" بڑی بڑی قومیں عذاب سے تباہ ہو گئیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ﴾ "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اُن چیزوں میں بھی اُنہیں قدرت دے رکھی تھی جس میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی" یعنی پہلی امتوں کو جو نعمتیں عطا کیں، زمین میں جو اختیار انہیں دیا گیا وہ تمہیں نہیں دیا گیا۔ قوت والوں نے عمر پائی مگر یہ نعمت حاصل نہ کی نہ ہدایت پائی۔

(2) انہوں نے اقتدار پایا مگر کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔

(3) ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً﴾ "اور ہم نے اُن کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تھے" تمہارا اقتدار تمہارے کام آئے گا یعنی ہم نے انہیں آنکھیں، کان، اور دل دیئے۔ بصارت اور ذہانت میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے حق کو نہیں پہچانا۔

(4) انہوں نے اپنے رب کی نصیحتیں نہیں سنیں اور آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل نہیں دیکھے اور اپنے دل سے انہوں نے اپنے نفع ونقصان کو نہیں سمجھا۔ (جامع البیان:89/26)

(5)﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''چنانچہ نہ ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل ہی ان کے کسی کام آئے'' یعنی ان کی سماعت، بصیرت، اور ذہانت ان کے کسی کام نہ آئی جس کا سبب یہ تھا۔

(6)﴿اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ''جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرا دیا جو اس کی توحید اور عبادت کا مستحق ہونے پر دلالت کرتی تھیں۔

(7) یعنی انہوں نے علم پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے حق کو چھوڑ دیا۔

(8) حق قبول کرنے کی توفیق تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

(9)﴿وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''اور انہیں اسی (عذاب) نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے'' اللہ تعالیٰ کے ان عذابوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

(10) اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ قریش کے لیے وعید ہے۔ ان سے کہا گیا بچ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل ہو جائے جیسا قوم عاد پر آیا تھا۔ (11) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پکڑے جاؤ پھر تمہارا نام ونشان تک مٹ جائے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے انجام سے کیسے عبرت دلائی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم عاد کو قوت، مال، علم، زندگی کا ساز وسامان تم سے بڑھ کر دیا تھا۔

(2) انہیں سُننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں دی تھیں لیکن انہیں اس سے کوئی نفع نہ پہنچا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔

(3) جس چیز کا وہ مذاق اُڑاتے تھے وہ اُن پر اُلٹ پڑی۔ لہٰذا تم اپنی فکر کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والوں کا یہی انجام ہے۔

رکوع نمبر 4

﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

''اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور ہم نے پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کیں، شاید کہ وہ لوٹ آئیں'' (27)

سوال: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور ہم نے پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کیں، شاید کہ وہ لوٹ آئیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ﴾ ''اور ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیاں تباہ کر دیں اور ہم

نے پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کیں'' اللہ رب العزت نے عرب اور غیر عرب کے مشرکوں کو ڈرایا ہے۔ کہ جن لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

(2) آس پاس والی بستیوں پر نگاہ ڈال کر تو دیکھو۔

؎ مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

کس کس طرح بستیاں تباہ کر دی گئیں۔ یمن کی تاریخ میں عاد کا تذکرہ تو پڑھو۔ ثمود کے مشرکوں کے گھروں کو دیکھو مدین والوں کے انجام پر غور کرو۔ تم تجارتی سفر کرتے ہو اور قومیں تمہاری تجارتی شاہراہ کے کناروں پر آباد تھیں ان سے عبرت حاصل کرو۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴾ ''اور کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے نوح کے بعد ہلاک کر دیا؟ اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے'' (بنی اسرائیل:17)

(4) ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ کتنی ہی قومیں ہم نے اُن سے پہلے ہلاک کر دیں؟ یقیناً وہ اُن کی طرف پلٹ کر نہیں آئے۔'' (یٰس:31)

(5) ﴿وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ﴾ ''اور ہم نے پھیر پھیر کر اپنی آیات بیان کیں'' ہم نے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں جس کا مقصد یہ ہے۔

(6) ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''شاید کہ وہ لوٹ آئیں'' تا کہ لوگ برائیاں چھوڑ دیں۔ کفر اور تکذیب سے باز آجائیں اور بھلائی کا راستہ اختیار کریں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے بستیوں والوں کے رجوع کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے دلائل پیش کئے، نشانیاں بیان کیں تا کہ وہ توبہ کرلیں۔ لیکن انہوں نے توبہ نہ کی۔

﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾

''چنانچہ جن کو انہوں نے قرب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ اُن سے گم ہو گئے اور یہ تھا ہی اُن کا جھوٹ اور جو وہ بہتان باندھتے تھے'' (28)

سوال 1: ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''چنانچہ جن کو انہوں نے قرب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟ بلکہ وہ اُن

سے گم ہو گئے اور یہ تھا ہی اُن کا جھوٹ اور جو وہ بہتان باندھتے تھے" مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کام نہیں آتا، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً﴾ "چنانچہ جن کو انہوں نے قرب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا تھا اُنہوں نے اُن کی مدد کیوں نہ کی؟" یعنی جن سے نفع اٹھانے کے لیے لوگ ان کی عبادت کرتے تھے انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی! لوگ جو ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے ان جھوٹے خداؤں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟

(2) رب العزت نے ان کے غلط عقیدے کی وضاحت فرمائی۔﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ﴾ "سن لو! دین خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں ہم تو اُن کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، بہت ناشکرا ہو۔" (الزمر:3)

(3)﴿بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ﴾ "بلکہ وہ اُن سے گم ہو گئے" مشرکوں نے تو اس گمان پر غیر اللہ کی عبادت شروع کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے۔ لیکن عذاب نازل ہونے کے وقت وہ ان سے غائب ہو گئے۔ انہوں نے ان کی کسی پکار کا کوئی جواب نہ دیا۔

(4)﴿وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ "اور یہ تھا ہی اُن کا جھوٹ اور جو وہ بہتان باندھتے تھے" وہ جھوٹ گھڑتے تھے کہ ان کے اعمال انہیں فائدہ دیں گے۔ جس کی بناء پر وہ سمجھتے تھے وہ انہیں فائدہ دیں گے۔ وہ سارے اعمال کتنا بڑا دھوکہ ثابت ہوئے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے بتوں کو جھوٹ اور بہتان قرار دے کر کیا واضح فرمایا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بتوں کو جھوٹ اور بہتان قرار دے کر یہ واضح فرمادیا کہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے بتوں کی مدد کی حقیقت کو کیسے کھولا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اس موقع پر انہوں نے مدد نہیں کی بلکہ خود گم رہے دراصل وہ ہیں ہی جھوٹے اور افترا پرداز۔

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾

"اور جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا کہ غور سے قرآن سنتے تھے تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو اُنہوں نے (آپس میں) کہا: "خاموش ہو جاؤ" پھر جب وہ پورا کیا گیا (تلاوت کو) تو خبردار کرنے والے بن کر

اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے'' (29)

سوال: ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ ''اور جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا کہ غور سے قرآن سنتے تھے تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو اُنہوں نے (آپس میں) کہا: ''خاموش ہو جاؤ'' پھر جب وہ پورا کیا گیا (تلاوت کو) تو خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے'' قرآن سننے کے لیے جنوں کی ایک جماعت نے توجہ کی، کیسے وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ ''اور جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا کہ غور سے قرآن سنتے تھے'' اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے دو نوع ایسی ہیں جو شریعت الٰہی کی مکلف ہیں۔ ایک جن، دوسرے انسان۔ پھر انسانوں کی پیدائش سے پہلے جن ہی اس زمین پر آباد تھے اور ان کی طرف بھی پیغمبر مبعوث ہوتے تھے۔ اور جس طرح انسانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہی رہی ہے۔ اسی طرح جنوں کی اکثریت بھی نافرمان ہی تھی اور اب بھی ہے۔ (تیسیر القرآن:4/216)

(2) اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی ﷺ کو تمام مخلوق، یعنی انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اس لئے تمام مخلوق کو نبوت ورسالت کی تبلیغ ضروری ہے۔ انسانوں کو دعوت دینا اور ان کو برے انجام سے ڈرانا تو آپ کے لئے ممکن ہے۔ رہے جنات تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو آپ کی طرف پھیر دیا۔ (تفسیر سعدی:3/2536)

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے چند صحابہ کے ہمراہ عکاظ کے بازار جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ ان دنوں شیطانوں کو آسمانوں کی خبر ملنا بند ہو گئی اور ان پر انگارے پھینکے جاتے تھے وہ (زمین کی طرف) لوٹے اور آپس میں کہنے لگے۔ یہ کیا ہو گیا ہمیں آسمانوں کی خبر ملنا بند ہو گئی اور ہم پر انگارے پھینکے جاتے ہیں ضرور کوئی بات واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمان کی خبر ملنا بند ہو گئی اب یوں کرو کہ ساری زمین مشرق اور مغرب میں پھر کر دیکھو کہ وہ کیا نئی بات واقع ہوئی ہے ان میں سے کچھ شیطان تہامہ (حجاز) کی طرف بھی آئے اور آپ ﷺ تک پہنچ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ نخلہ میں تھے اور عکاظ کے بازار جانے کا قصد رکھتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے جب ان جنوں نے قرآن سنا تو ادھر کان لگا دیا۔ پھر کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جس کی وجہ سے ہم پر آسمان کی خبر ملنا بند کر دی گئی۔ پھر اسی وقت وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہنے لگے ﴿يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ '' تک اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر سورۂ جن نازل فرمائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنوں کی گفتگو آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئی۔'' (بخاری:773، بخاری کتاب التفسیر)

(4) ﴿فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا﴾ ''تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو اُنہوں نے (آپس میں) کہا'' یعنی جنات نے کلام اللہ سننے کے لیے ایک دوسرے کو چپ رہنے کی تلقین کی۔

(5)﴿فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴾ ''پھر جب وہ پورا کیا گیا (تلاوت کو) تو خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے'' یعنی جب جنوں کی ایک جماعت کو رب العزت نے آپ ﷺ کی طرف متوجہ فرمادیا۔ تو وہ آپ ﷺ سے بہت توجہ کے ساتھ قرآن سن رہے تھے جب قرآن سننے سے فارغ ہو گئے تو اپنی قوم کے پاس چلے گئے اور انہیں اعمال کے انجام سے خبردار کیا۔

(6) سیدنا عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا علقمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیلۃ الجن میں تھے؟ تو علقمہ نے کہا: میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔ لیکن ایک رات ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا تو ہم نے آپ ﷺ کو پہاڑی وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا کہ آپ ﷺ کو جن لے گئے یا کسی نے دھوکے سے شہید کر دیا۔ بہرحال ہم نے وہ رات بدترین رات والی قوم کی طرح گزاری۔ جب ہم نے صبح کی تو آپ ﷺ حراء کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا اور آپ ﷺ کو تلاش کیا اور آپ ﷺ کو نہ ڈھونڈ سکے ہم نے رات اس طرح گزاری جیسے کوئی قوم سخت بے چینی میں رات گزارتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس جنات کی طرف سے بلانے والا آیا، میں اس کے ساتھ چلا گیا اور میں نے ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ فرمایا: پھر وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے اور ہمیں اپنے جنات کے نشانات اور آگ کے نشانات دکھائے۔ جنات نے آپ ﷺ سے اپنے کھانے کی چیزوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: وہ ہڈی جس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو تمہارے ہاتھوں میں آتے ہی وہ گوشت سے پُر ہو جائے گی اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو کیونکہ یہ دونوں تمہارے بھائیوں (جنات) کا کھانا ہیں۔ (مسلم:1007)

سوال 2: کیا رسول اللہ ﷺ کے پاس اس واقعے کے علاوہ بھی جن آتے تھے؟

جواب: کچھ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ جنوں کی دعوت پر ان کے ہاں تشریف لے گئے تھے انہیں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا اور متعدد بار جنّات کے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ (فتح الباری)

سوال 3: جن اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے کب لوٹ گئے؟

جواب: جب رسول اللہ ﷺ نے تلاوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

﴿قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

''انہوں نے کہا: ''اے ہماری قوم! ہم نے بلاشبہ ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، اس کے لیے تصدیق کرنے والی

ہے جو اس سے پہلے ہے، وہ حق اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتی ہے‘‘(30)

سوال:﴿ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ ’’انہوں نے کہا: ’’اے ہماری قوم! ہم نے بلاشبہ ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، اس کے لیے تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے، وہ حق اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتی ہے‘‘ جنوں کے وعظ کی حقیقت کو اس آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب:(1)﴿ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ ’’انہوں نے کہا: ’’اے ہماری قوم! ہم نے بلاشبہ ایک کتاب سنی ہے جو سیدنا موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے‘‘ جنوں نے کہا! اے قوم ہم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہونے والی کتاب سنی ہے۔

(2) جنوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب تورات کا نام لیا انجیل کا نام نہیں لیا۔ اس لیے سابقہ آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب احکام وشرائع کے لحاظ سے تورات جیسی جامع اور اس کے ہم پلہ نہیں تھی۔ اسی پر علمائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ میں تورات کو بدلنے نہیں آیا بلکہ اس کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔ اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے وقت سے جنوں میں تورات ہی مشہور چلی آتی تھی۔ نیز خود تورات میں رسول اللہ ﷺ کی آمد سے متعلق جو پیشین گوئی مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ’’(اے موسیٰ) میں تیری جانب ایک نبی بھیجوں گا‘‘ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن پہلے تورات اور کتب سماویہ پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ جب قرآن سنا تو انہیں فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ وہی تعلیم ہے جو سابقہ انبیاء دیتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا وہ فوراً ایمان لے آئے۔ (تیسیر القرآن:4/218)

(3)﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ ’’اس کے لیے تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے‘‘ جنوں نے کہا کہ وہ کتاب مقدس کتابوں کو سچا مانتی ہے۔ (4)﴿ یَهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ ’’جو اس سے پہلے ہے، وہ حق اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتی ہے‘‘ یعنی وہ عقائد اور احکامات میں سیدھے راستے پر چلاتی ہے۔

﴿ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾

’’اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اُس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا‘‘(31)

سوال:﴿ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ ’’اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو اور اُس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ﴾ ''اے ہماری قوم! اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت قبول کرو'' اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انسانوں اور جنوں دونوں کے رسول بنائے گئے۔

(2) یعنی جو رب کی طرف بلاتا ہے وہ کسی لالچ کے لیے تمہیں دعوت نہیں دیتا وہ تو تم سے تمہاری برائیاں دور کر دیتا ہے اور تمہیں ثواب عطا کروانا چاہتا ہے۔ (3)﴿وَاٰمِنُوْا بِهٖ﴾ ''اور اُس پر ایمان لاؤ'' یعنی جو کچھ رسول تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرو۔

(4)﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ ''وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا'' یعنی جو داعی کی دعوت پر لبیک کہے گا وہ اس کے گناہ بخش دے گا۔

(5)﴿وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ''اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا'' یعنی تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ وہ تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔

سوال 2: کیا انسانوں کے علاوہ جنات کو بھی ثواب اور عذاب ہوگا؟

جواب: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ احکامات اور ان پر عمل کرنا، ثواب وعذاب جنات کے لئے بھی ہوگا۔

سوال 3: کیا جنات میں رسول آئے تھے؟

جواب: جنات میں کوئی رسول نہیں آیا۔ آیات قرآن سے ہی واضح ہوتا ہے کہ جتنے رسول بھی آئے وہ انسان تھے۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے وہ آدمی ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ پھر اہلِ علم سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے۔'' (النحل:43)

﴿وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا تو زمین میں وہ عاجز کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے کوئی مددگار ہیں، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں'' (32)

سوال 1: ﴿وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا تو زمین میں وہ عاجز کرنے والا نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے کوئی مددگار ہیں، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب (1)﴿وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا تو زمین میں وہ عاجز کرنے والا نہیں ہے'' یعنی جو مسلمان نہیں ہوگا، جو ایمان کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا

نہیں سکتا۔وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اندر ہے۔

(2)﴿وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ﴾''اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے کوئی مددگار ہیں'' اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہے کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے نہیں بچا سکتا نہ وہ خود بچ سکتا ہے۔

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾''اے گروہِ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے۔'' (الرحمن:33)

(4)﴿اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾''اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے کوئی مددگار ہیں'' یعنی یہ لوگ کھلے دھوکے میں ہیں۔اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جسے انبیاء نے رب کی دعوت دی اور اس نے تکبر کا مظاہرہ کیا۔

سوال 2: جنات نے اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والے کی بات نہ ماننے کی صورت میں کیا نتیجہ سامنے رکھا؟

جواب: جنات نے کہا جو اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والے کی بات نہ مانے گا۔

(1) وہ زمین میں بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتا (2) اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں (3) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

سوال 3: یہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے مددگار نہ ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے پر قدرت رکھتا ہو نہ کسی دوسرے کی مدد کی وجہ سے اس کا کوئی امکان پیدا ہو سکتا ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

''اور کیا بھلا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اُن کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' (33)

سوال:﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾''اور کیا بھلا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اُن کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' موت کے بعد کی زندگی کی دلیل کو آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب(1)﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ ''اور کیا بھلا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اُن کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے'' یعنی کیا قیامت کا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلند آسمان بنائے، زمین بنائی اور ان کی تخلیق نے اسے کچھ بھی نہ تھکایا تو مرنے کے بعد زندگی کا اعادہ کرنا اسے کیسے عاجز کر سکتا ہے۔

(2)﴿بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' وہ کامل قدرت والا موت وحیات اور زندگی بعد موت پر قادر ہے۔(3) رب العزت نے فرمایا:﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں'' (غافر:57)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کیسے کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ دیکھو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کو۔ جو رب انہیں پیدا کرتے ہوئے نہیں تھکا وہ یقیناً مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾

''اور جس دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے:'' کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا:'' چنانچہ تم عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے'' (34)

سوال:﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ ''اور جس دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیا جائے گا، کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے:'' کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم!'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا:'' چنانچہ تم عذاب کا مزہ چکھو اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے'' جہنم کے کنارے پر جہنمیوں سے جو سوال کیا جائے گا آیت کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ﴾ ''اور جس دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا آگ پر پیش کیا جائے گا'' جہنم میں جھونکے جانے سے پہلے کافروں کو جہنم کے کنارے پر لا کر کھڑا کیا جائے گا! اور انہیں شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا۔

(2)﴿اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ ''کیا یہ حق نہیں ہے؟'' یہ تو بتاؤ کہ اب تم نے مشاہدہ کر لیا ہے۔ ہمارے عذاب سچے ہیں؟ کیا رسولوں نے سچ کہا تھا؟ کیا اب یقین آ گیا ہے کیا یہ حق نہیں ہے؟

(3)﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا﴾ ''کیوں نہیں! ہمارے رب کی قسم!'' وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے کہیں گے ساری باتیں سچ ہیں۔اب ہم نے مان لیا ہمارے دل ایمان سے بھر گئے۔ہمیں ذرا سا بھی شک نہیں اے ہمارے رب!

(4)﴿قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''چنانچہ تم عذاب کا مزہ چکھواس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے'' یعنی اب ہمیشہ رہنے والے عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ملاقات کا انکار کرتے تھے۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (٤٩) اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ (٥٠) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (٥١) فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (٥٢) يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (٥٣) كَذٰلِكَ ۗ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (٥٤) يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ (٥٥) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (٥٦)﴾ ''چکھ، یقیناً تم تو بڑے زبردست ،بہت معزز آدمی تھے۔یقیناً یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کرتے تھے۔بے شک متقی لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔باغوں اور چشموں میں۔وہ باریک ریشم اور دبیز ریشم میں سے پہنیں گے، اس حال میں کہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔اسی طرح ہے اور ہم اُن کو اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے بیاہ دیں گے۔اُن میں وہ ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے۔وہ وہاں موت کو نہ چکھیں گے سوائے پہلی موت کے اور وہ اُن کو جہنم کے عذاب سے بچالے گا'' (الدخان:49-56)

(6)﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ ''رہے وہ لوگ جن لوگوں نے نافرمانیاں کیں ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب کبھی وہ ارادہ کریں گے کہ اس سے نکلیں تو اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (السجدہ:20)

سوال 2: کافر جہنم کا یقین کب کریں گے؟

جواب: جس وقت کافروں کو جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا پھر اُن سے اللہ تعالیٰ سوال کریں گے کیا یہ حق نہیں ہے؟ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو جواب دیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی حق ہے۔

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۗ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۗ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''چنانچہ آپ صبر کریں جیسے پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا اور اُن کے لئے تم جلدی کا مطالبہ نہ کرو، جس دن یہ لوگ وہ (عذاب) دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جارہا ہے تو گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے، پیغام پہنچا دینا ہے چنانچہ

نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا'' (35)

سوال 1: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ''چنانچہ آپ صبر کریں جیسے پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا'' صبر وضبط کے حکم کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ ''چنانچہ آپ صبر کریں جیسے پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا'' رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اگر آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کی قدر نہیں پہچان پائی اور آپ ﷺ کو اذیت دینے پر تل گئی ہے، آپ ﷺ کو جھٹلاتی ہے تو آپ ﷺ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں۔ انھوں نے کیسی کیسی اذیتیں سہیں کیسی کیسی مخالفتیں برداشت کیں۔

(2) آپ ﷺ سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یاد کریں اور ان کی پیروی کریں۔ وہ بلند ہمت پیغمبر تھے، ان کا صبر عظیم تھا، یقین کامل تھا۔ اس لیے ان کی پیروی کریں۔

(3) آپ ﷺ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایسا صبر کیا کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے ایسا صبر نہیں کیا۔ آپ ﷺ کے تمام دشمنوں نے آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیے، ان سب نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا راستہ روکا، محاربت اور عداوت میں ان سے جو کچھ ممکن تھا انہوں نے کیا۔ مگر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بیان کرتے رہے، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے اور جو اذیتیں آپ کو پہنچتیں ان پر صبر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین پر اقتدار سے سرفراز فرمایا، اس نے آپ کے دین کو تمام ادیان پر اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر غالب کر دیا۔ (تفسیر سعدی: 2538/3)

(4) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام کی پھر ان کی جن کا درجہ ان سے کم ہے، پھر ان کی جو ان سے کم درجے کے ہیں، دراصل آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق کی جاتی ہے، اگر کوئی آدمی دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہوگی اگر کوئی آدمی دین کے اعتبار سے کمزور ہے تو اس کے دین کے مطابق ہی آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ آدمی پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہوتا ہے۔'' (ترمذی: 2398)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کیا آپ ﷺ پر کوئی دن یوم احد سے بھی زیادہ سخت آیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمھاری قوم کی طرف سے بہت اذیت پہنچی ہے اور سب سے بڑی اذیت مجھے یوم عقبہ کو پہنچی، جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تو میں وہاں سے شدید رنجیدہ ہو کر واپس ہوا، پھر جب میں قرن الثعالب (میقات اہل نجد) کے قریب پہنچا تو تب مجھے کچھ ہوش آیا، میں نے اپنا سر اٹھایا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ

ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس میں مجھے سیدنا جبریل علیہ السلام نظر آئے۔ انھوں نے مجھے پکارا اور کہنے لگے، آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ سے جو کچھ کہا ہے اور آپ سے جو سلوک کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور اس نے آپ کی طرف پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، تا کہ آپ ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم صادر فرمائیں۔ چنانچہ اس پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے پکارا اور سلام کرنے کے بعد کہا، اے محمد ﷺ آپ جیسے چاہیں گے اسی طرح ہوگا، اگر آپ ﷺ کی منشا ہو تو میں دونوں پہاڑوں کو ان پر آپس میں ملا دوں (اور یہ سب ان کے درمیان ہلاک ہو جائیں)۔" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ان لوگوں کو پیدا کرے گا جو صرف اسی کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔" (بخاری:3231)

(6)﴿وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ "اور اُن کے لئے تم جلدی کا مطالبہ نہ کرو" آپ ﷺ کو صبر کا حکم دے کر فرمایا ان کے لیے عذاب مانگنے میں جلدی نہ کریں۔

(7) یعنی عذاب کے لئے جلدی مچانے والے اہل تکذیب کے لئے جلدی نہ کیجئے یہ سب ان کی جہالت اور حماقت کے سبب سے ہے، وہ اپنی جہالت کی بنا پر آپ کو ہلکا اور حقیر نہ سمجھیں۔ ان کا جلدی مچانا آپ کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ آپ ان کے لئے بددعا کریں، کیونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہوتی ہے۔ (تفسیر سعدی:2538/3)

سوال2:﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ "جس دن یہ لوگ وہ (عذاب) دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے، پیغام پہنچا دینا ہے چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ﴾ "جس دن یہ لوگ وہ (عذاب) دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے" یعنی جس دن یہ عذاب اور جہنم دیکھ لیں گے۔ اس دن انھیں معلوم ہوگا کہ دنیا میں دن کا کچھ حصہ ہی گزارا ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾ "وہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا؟" (النازعات:46)

(3)﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ "اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں جمع کرے گا، گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن میں بس ایک گھڑی، اس میں وہ ایک دوسرے کو پہچانتے رہے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا یقیناً وہ خسارے میں پڑے رہے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں تھے" (یونس:45)

(4)﴿قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِي الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ (۱۱۲) قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ (۱۱۳)﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟'' وہ کہیں گے: ''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں'' (المومنون:113,112)

(5)﴿بَلٰغٌ﴾ ''پیغام پہنچا دینا ہے'' یعنی یہ قرآن لوگوں کے پاس پہنچا دینے کے لیے ہے۔ تبلیغ میں دو احتمال ہیں یہ دنیا کی عمر صرف پیغام پہنچا دینے کے لیے ہے۔ یہ قرآن عظیم صرف پہنچا دینے کے لیے ہے یعنی اس کی ہر ہر آیت لوگوں تک پہنچا دی جانی چاہیے کہ یہ سراسر تبلیغ ہے۔

(6)﴿فَهَلۡ يُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴾ ''چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا'' اللہ تعالیٰ کا عدل ہے صرف اسے تباہ کرتا ہے جو خود تباہ ہونا چاہتا ہے اور وہ فاسق ہیں جن کے علاوہ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ فاسق اس لیے ہلاک ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے نکل گئے ہیں اور انھوں نے اس حق کو قبول نہیں کیا جو رسول لے کر آئے۔

یا ارحم الراحمین ہمیں فسق سے بچا لینا۔ اپنی ناراضگی سے بچا لینا۔ آمین!

ایاتها ۳۸ | ۴۷ سُوۡرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ ۹۵ | رکوعاتها ۴

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے۔ اس میں 4 رکوع اور 38 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 47 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 90 ہے۔

رکوع نمبر 5

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ﴾

''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' (1)

سوال 1: ﴿اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا، اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا'' جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا اور غیر اللہ کی عبادت کی، خود ر کے، انکار کیا اور دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔

(2) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی انبیاء کی دعوت سے انکار کیا، خود ر کے اور دوسروں کو روکا۔ (3) جن لوگوں نے دوسروں کو اسلام میں داخل ہونے سے پھیر دیا۔ (4) ﴿اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا اور ان کی وجہ سے انہیں بدبختی میں مبتلا کر دیا کیونکہ وہ شیطان کے راستے پر تھے۔ اور اولیاء اللہ کے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا وہ اپنے مقصد کو نہیں پا سکے۔ انہوں کے حق کے مقابلے میں باطل کی مدد کی اس لیے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔

(5) سارے اعمال مثلاً مکارمِ اخلاق، صلہ رحمی، مہمان نوازی، قیدیوں کو چھڑانا، مسجدِ حرام میں پانی پلانا اور حاجیوں کی خدمت کرنا وغیرہ۔ یہ اعمال کفر اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے ساتھ قبول نہیں ہوتے۔ (تفسیر منیر: 399/13)

(6) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا وہ یقیناً گمراہ ہو گئے، بہت دور کا گمراہ ہونا'' (النساء: 167)

(7) ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تورات کے چند اوراق لائے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ کر پڑھنے لگے جوں جوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پڑھتے جاتے آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تمہیں گم کرنے والیاں گم پائیں کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کو نہیں دیکھتے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو کہنے لگے کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے پناہ پکڑتا ہوں۔ ہم اللہ کے پروردگار ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر آج خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھ کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو انہیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا'' (دارمی، بحوالہ مشکوۃ)

سوال 2: یہاں کفر کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: (1) یہاں اس سے مراد کفارِ قریش ہیں۔ (2) یہاں اس سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ (3) اس سے مراد تمام کافر ہیں۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کے، اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کے راستے سے روکنا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے سے مراد جنت کے راستے سے، ہمیشہ کی کامیابی کے راستے سے روکنا ہے۔

سوال4: انسانیت کواللہ تعالیٰ کے راستے سے کیسے روکا جاتا ہے؟

جواب: (1) خود اسلام کی سچائی کا انکار کیا جاتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلانے کے لئے جو لوگ اُٹھتے ہیں اُن کے مقابلے میں اُٹھ کر ان پر اعتراضات کیے جاتے ہیں اور ان کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

(3) انسانیت کو سیدھے راستے سے روکنے کے لیے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔

(4) انسانوں کو بے فائدہ اور فضول کاموں میں اُلجھا دیا جاتا ہے مثلاً لہو ولعب، موسیقی وغیرہ۔

(5) طاقت کے ذریعے زبردستی اسلام کے راستے سے روک دیا جاتا ہے۔

سوال5: انسانیت کو سیدھے راستے سے روکنے کے کیا نتائج سامنے آتے ہیں؟

جواب: (1) جب بھی انسانوں کو سیدھے راستے (اسلامی نظامِ حیات) سے روکا گیا تو ان کے معاملات خراب ہوجاتے ہیں۔ ان کے اندر سے استقامت ختم ہوجاتی ہے۔

(2) اچھائی اور برائی کے پیمانے خراب ہوجاتے ہیں۔

(3) زمین کے نظام کا ہر شعبہ ٹیڑھا ہوجاتا ہے (مثلاً تعلیمی اور معاشی نظام خراب ہوجاتا ہے)۔

(4) انسانی زندگی میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ یہ زندگی سیدھے راستے کی بجائے کجی یعنی ٹیڑھ پر قائم ہوگی۔

(5) انسانی تصورات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ (6) انسانی ضمیر اور اَخلاق میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

(7) انسان کے طرزِ عمل اور اس کے تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کا راستہ کون سا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کا راستہ اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ قرآن کا راستہ ہے جس کو انسان شعوری طور پر قبول کرتا ہے۔

(2) اسلام انسان کی سوچ، فکر اور شعور کو اُس کی فطرت کے مطابق سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔

(3) اسلام انسان کو انفرادی طور پر، گھر کے اندر، معاشرے میں رہنے، کمانے اور خرچ کرنے کے اس طریقے پر چلاتا ہے جو بالکل انسان کی فطرت کے مطابق سیدھا ہے۔

(4) اسلام معاشرے میں امن، انصاف اور خوشحالی کا ایسا پروگرام دیتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔

(5) اسلام لوگوں کی کوششوں کے رُخ کو سیدھا کرتا ہے تاکہ انسان کی زندگی، صلاحیتیں، قوتیں اور مال فضول مقاصد کے لیے نہ لگ جائیں۔

(6)اسلام انسان کو دُنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے ڈھنگ دیتا ہے اور آخرت میں اس کامیاب زندگی کی جزا کے طور پر جنت کی ضمانت دیتا ہے۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ کے راستے پر کیسے چلا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کے لیے قرآنِ مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کو سمجھنا ضروری ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کے لیے اللہ والوں کے ساتھ مل کر چلنا ضروری ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس راستے پر چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُمت کا فرض ٹھہرایا ہے کہ وہ بہترین امت ہونے کے ناطے بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

(4) اس راستے پر چلنے کے لیے راستے کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ یہ راستہ چونکہ قرآن کا راستہ ہے لہٰذا قرآنِ مجید کی تعلیمات کو عام کرنا، دنیا بھر تک پہنچانا اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے کوششیں کرنا ضروری ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل کر ہی انسانیت کو کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔

سوال 8: اعمال کے برباد ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب: اعمال کی بربادی کے دو اسباب اللہ تعالیٰ نے بیان کیے ہیں: (1) کفر (2) اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس چیز پر بھی ایمان لائے جو محمد پر نازل کی گئی اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اس نے اُن سے اُن کی بُرائیاں دور کر دیں اور اُن کا حال درست کر دیا'' (2)

سوال: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس چیز پر بھی ایمان لائے جو محمد پر نازل کی گئی اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اس نے اُن سے اُن کی بُرائیاں دور کر دیں اور اُن کا حال درست کر دیا'' اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا حال سنوار دے گا آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے'' یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے اعمال کیے اور اس کے اوامر اور نواہی کی پیروی کی۔ (جامع البیان: 40/26)

(2) اللہ تعالیٰ ایمان لا کر سنت کے مطابق عمل کرنے والوں کے حالات سنوار دے گا۔

(3)﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ ''اور ایمان لائے اُس چیز پر جو نازل کی گئی محمد پر'' یعنی جو قرآن کریم اور سنت صحیحہ پر ایمان لائے کیونکہ وہ وحی الٰہی ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے سیکھا اور صحیح حدیث میں ہے۔﴿أَلَا وَإِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ﴾ ''یعنی میں قرآن اور اس کی مثل جیسا دیا گیا ہوں۔ (ایسر التفاسیر:1472,1471)

(4)﴿وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور وہ حق ہے اُن کے رب کی طرف سے'' یعنی قرآن حق ہے جو رب العزت کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس میں دلیل ہے کہ محمد ﷺ کا دین کبھی منسوخ نہیں ہوگا۔ (تفسیر منیر:401/13)

(5) یعنی جن لوگوں نے قرآن کو دل وجان سے مان لیا جو سراپا صداقت ہے، رب العزت کا کلام ہے۔

(6)﴿كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''اس (اللہ تعالیٰ) نے اُن سے اُن کی برائیاں دور کر دیں'' اللہ تعالیٰ نے ان کے چھوٹے بڑے گناہ مٹا کر انہیں دنیا اور آخرت کے عذاب سے نجات دی۔

(7) رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ ''اور یقیناً اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کر دیتے اور اُن کو ضرور نعمتوں بھرے باغات میں داخل کرتے۔'' (المائدہ:65)

(8)﴿وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ ''اور اُن کا حال درست کر دیا'' لغزشوں کی معافی اور اللہ تعالیٰ ان کے دین ودنیا، ان کے قلوب اور ان کے اعمال کی اصلاح کرے گا، ان کے ثواب کو نشوونما دے کر اس کی اصلاح کرے گا، نیز اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کی اصلاح کرے گا۔ (تفسیر سعدی:2540/3)

(9) سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہو کر عرض کی کہ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیں تاکہ میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ شرط کہ کیا میرے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام لانے سے اس (شخص) کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور ہجرت سے اس کے سارے گزشتہ گناہ اور حج کرنے سے بھی اس کے گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' (مسلم:321)

(10) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی (راوی کو شبہ تھا) یرحمک اللہ کہے۔ جب ساتھی يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے تو اس کے جواب میں چھینکنے والا ﴿يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ

بِاَلْكُمْ﴾ کہے (بخاری:6224)

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾

''یہ اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا بلاشبہ انہوں نے باطل کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے یقیناوہ اپنے رب کی طرف سے حق کے پیچھے چلے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اُن کی مثالیں بیان کرتا ہے'' (3)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا بلاشبہ انہوں نے باطل کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے یقینا وہ اپنے رب کی طرف سے حق کے پیچھے چلے، اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اُن کی مثالیں بیان کرتا ہے'' ایمان والوں کی برائیاں اور کافروں کی نیکیاں مٹانے کی وجہ کو آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی کافروں کے اعمال کو مٹانا اور ایمان والوں کی برائیوں کو مٹانے کی وجہ۔

(2) ﴿بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ﴾ ''اس وجہ سے کہ یقینا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی'' ان کافروں کے اعمال کو ضائع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ شیطان ان کے لئے کفر، شرک اور نافرمانیوں کو مزین کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔

(3) ﴿وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور یقینا جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اُس حق کی پیروی کی جو اُن کے رب کی طرف سے ہے'' ایمان والوں سے ان کی برائیاں اس لئے مٹا دی جائیں گی اور ان کا حال اس لیے سنوارا جائے گا کیونکہ انہوں نے حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس آیا ہے جو نور اور برہان ہے۔ (جامع البیان:41/26)

(4) یعنی انہوں نے قرآن وسنت کی پیروی کی جو صدق اور یقین ہے۔

(5) جو ان کے رب کی طرف سے صادر ہوا ہے۔ (تفسیر سعدی:2540/3)

(6) ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ﴾ ''اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اُن کی مثالیں بیان کرتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کے حالات کھول کر سامنے رکھ دیے ہیں، خسارہ اور نجات کو واضح کر دیا ہے تا کہ وہ کامیابی اور نجات کے راستے پر چلیں اور خسارے کی راہ پر چلنے سے بچیں۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیلِ روشن کے

ساتھ ہلاک ہو۔ اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیلِ روشن کے ساتھ زندہ رہے۔'' (الانفال:42)

سوال 2: باطل سے کیا مراد ہے؟

جواب: باطل سے مراد کفر اور شرک ہے۔

سوال 3: باطل کی پیروی کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: باطل کی پیروی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اعمال برباد کر دیتے ہیں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: حق کی پیروی کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ برائیاں دور کرتے ہیں اور حال درست کر دیتے ہیں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں کیوں بیان کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ مثالیں اس لیے بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ کافروں کے انجام سے بچیں اور حق کا راستہ اپنائیں جس پر چل کر کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ﴾

''تو جب ملو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تو گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم اُنہیں خوب قتل کر چکو تو مضبوطی سے باندھ دو پھر اس کے بعد یا احسان ہے یا فدیہ ہے یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے، یہی (حکم) ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور اُن سے بدلہ لے لیتا لیکن تا کہ وہ تمہارے ایک کو دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے تو اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا'' (4)

سوال 1: ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾ '''' تو جب ملو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تو گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم اُنہیں خوب قتل کر چکو تو مضبوطی سے باندھ دو پھر اس کے بعد یا احسان ہے یا فدیہ ہے یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے'' اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی جنگی حکمتِ عملی کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ ''پھر جب تمہاری اُن سے مڈبھیڑ ہو جنہوں نے کفر کیا تو گردنیں مارنا

ہے“یعنی جب کافروں سے میدانِ جنگ میں روبرو لڑائی ہوجائے تو ان کی گردنیں اڑادو۔

(2)﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ﴾ ”یہاں تک کہ جب تم اُن کو خوب قتل کرچکو تو (قیدیوں کے) بندھن مضبوط کرلو“ یہاں تک کہ جب آپ ان کی کمر توڑ دو اور تم ان کو دیکھ لو کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں تو ان کی طاقت توڑنے کے بعد ان کے باقی ماندہ افراد کو قید کرلو۔ جب انہیں قید کرلیا جائے گا تو مسلمانوں کی طرف سے جنگ اور ان کے شر سے محفوظ ہوجائیں گے۔

(3) قیدی بنانے کے لئے رب العزت نے پالیسی دی ہے ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۶۷) لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۶۸)﴾ ”کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ وہ زمین میں (کافروں کا) خوب قتل کرلیتے۔ تم لوگ دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آخرت کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا پہلے ہی موجود نہ ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے وصول کیا ہے اس کی وجہ سے تمہیں بڑا عذاب پہنچ جاتا“ (الانفال:167-168)

(4)﴿فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ ”پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے“ یعنی جب تمہاری قید میں آجائیں تو تمہیں اختیار ہے کہ بغیر کچھ لیے احسان کر کے چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے لو۔ یعنی ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑو گے جب تک وہ اپنا فدیہ ادا نہ کریں یا ان کے سابق فدیے میں کچھ مال نہ دے لیں یا مسلمان قیدیوں کو جو ان کے پاس ہوں انہیں آزاد نہ کروالیں۔ اور یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔

(5) سیدنا مروان بن حکم اور سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہوازن قبیلے کا ایک مسلمان وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اپنے اموال اور قیدیوں کی واپسی کا سوال کرنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے لیے زیادہ پسندیدہ بات وہ ہے جو سب سے زیادہ سچی ہو لہٰذا تم دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلو یا قیدی یا مال۔“ (بخاری:2307,2308)

(6)﴿حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ ”یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے“ حتی کہ جنگ باقی نہ رہے اور تمہارے درمیان صلح اور امن قائم ہوجائے کیونکہ ہر مقام کے لئے قول اور ہر صورت حال کے لیے ایک حکم ہے۔ گزشتہ صورت حال اس وقت تھی جب جنگ اور قتال کی حالت تھی۔ جب کسی وقت، کسی سبب کی بنا پر جنگ اور قتال نہ ہو تو قتل اور قیدی بنانے کا فعل بھی نہ ہوگا۔ (تفسیر سعدی:2541/3)

سوال 2: فدیے کی کیا صورتیں ہیں؟

جواب: (1) فدیہ کی بھی کئی صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان سے زرفدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے لیا گیا تھا اور زرفدیہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق لیا جائے گا۔ دوسری یہ کہ ان قیدیوں سے پیسہ کی بجائے کوئی اور خدمت لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بدر کے موقعہ پر جن لوگوں کے پاس زرفدیہ کی رقم نہیں تھی۔ ان سے خدمت لی گئی کہ ایسا ہر قیدی مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے اور تیسری یہ کہ یہ جنگی قیدیوں کا آپس میں تبادلہ کرلیا۔ اس کے لیے یہ ضروری نہیں ایک مسلمان کے بدلے میں ایک

کافر چھوڑا جائے بلکہ ایک دفعہ آپ نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک کافر چھوڑا تھا۔ یہ ہیں وہ مختلف صورتیں جو اس آیت کے اس مختصر سے جملہ میں داخل ہیں۔ ان تمام صورتوں میں سے جو صورت بھی حالات کے مطابق اور مسلمانوں اور اسلام کے حق میں بہتر ہو، امام وہی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ (تیسیر القرآن:223/4)

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے (جو تعداد میں تیس تھے) یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے۔ انہوں نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور (تیسرے روز ثمامہ کی نیک طبیعت دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ (رہائی کے بعد) وہ مسجد نبوی سے قریب ایک کھجور کے باغ تک گئے اور وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا: ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں'' (بخاری:462)

سوال 3: ﴿ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''یہی (حکم) ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور اُن سے بدلہ لے لیتا لیکن تاکہ وہ تمہارے ایک کو دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے تو اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہی (حکم) ہے'' یعنی یہ حکم کہ کافروں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالیں گے۔

(2) ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن سے بدلہ لے لیتا'' یعنی اب ہو سکتا تھا کہ کافروں کو زمین میں دھنسا دیا جاتا یا ان پر کوئی وبا آجاتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے بدلہ لے لیا کیونکہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(3) ﴿وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ ''مگر اس لیے کہ وہ تم لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے یہ حکم تمہاری آزمائش کے لیے ہے کہ کون تم میں سے مجاہد اور صابر ہے جو جنت تک پہنچ جاتا ہے اور کافر قتل ہو کر آگ میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''یا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک اُن کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تاکہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو'' (آل عمران:142) ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''یا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دار نہیں بنایا اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے'' (التوبہ:16)

(5)﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''تم اُن سے لڑو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں اُن کو عذاب دلوائے گا اور اُنہیں رُسوا کرے گا اور اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا دے گا'' (التوبہ:14)

(6)﴿ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں تو وہ (اللہ تعالیٰ) اُن کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا'' جنگ میں مسلمان شہادت پاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو بھی ضائع نہیں کرے گا ان کے اعمال اُنہیں بڑھا کر دیے جائیں گے۔

(7) نبی ﷺ نے فرمایا شہید کو چھے باتیں عطا کی جاتی ہیں اس کے خون کے پہلے قطرے سے اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ اسے اس کا جنت والا گھر دکھایا جاتا ہے۔ اور اس کا بڑی بڑی آنکھوں والی، اور گورے جسم والی حوروں سے جوڑا لگا دیا جاتا ہے۔ وہ عظیم گھبراہٹ اور عذاب قبر سے بے خوف رہتا ہے اور اسے ایمان کے حلے سے سجا دیا جاتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل ہنستا ہے دو شخصوں کو دیکھ کر ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر دونوں جنت میں گئے۔'' لوگوں نے عرض کیا، یہ کیسے ہوگا؟ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص لڑا اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوا اب جس نے اس کو شہید کیا تھا وہ مسلمان ہوا اور لڑا اللہ کی راہ میں اور شہید ہوا۔'' (مسلم:4892)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم شہید کس کو سمجھتے ہو۔'' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو میری امت میں بہت کم شہید ہوں گے۔'' لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر شہید کون کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر جائے (مثلاً حج یا جہاد کو جاتے ہوئے) وہ بھی شہید ہے، طاعون (وبا) میں مرے وہ بھی شہید ہے، جو پیٹ کے عارضے سے مرے وہ بھی شہید ہے، جو ڈوب کر مرے وہ بھی شہید ہے۔'' (مسلم:4941)

(8) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! دشمن سے بھڑنے کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگو لیکن اگر بھڑ جاؤ تو پھر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ بہشت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

سوال 4: قتل کرنے کی بجائے گردنیں مارنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جواب: گردنیں مارنے کے حکم سے زیادہ سختی اور شدت کا اظہار کرنا مطلوب ہے۔

سوال 5: میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو کب قیدی بنانے کا حکم دیا گیا؟

جواب: قیدی بنانے کا حکم اس صورت میں دیا گیا جب زیادہ سے زیادہ لوگ قتل ہو چکیں۔ ان کے جو لوگ پکڑے جائیں انہیں قیدی بنا لیں۔

سوال6: قیدیوں کواحسان کر کے چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ بغیر فدیہ کے یعنی مالی معاوضہ لیے بغیر چھوڑ دیا جائے۔

سوال7: قیدیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا اختیار دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں وقت اور حالات کے لحاظ سے جو فیصلہ مناسب ہو، وہ اختیار کرلیں۔ چاہے تو معاوضہ لے کر چھوڑ دیں اور چاہے تو بغیر معاوضہ لئے احسان کر کے چھوڑ دیں۔

سوال8: جنگ کے ہتھیار رکھ دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد کافروں کے ساتھ جنگ کا ختم ہو جانا ہے۔

سوال9: اللہ تعالیٰ چاہتا تو کافروں سے کیسے بدلہ لے لیتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ چاہتا تو کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دیتا اور تمہیں لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

سوال10: اللہ تعالیٰ بعض کا بعض کے ذریعے امتحان کیوں لینا چاہتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ امتحان کے ذریعے سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ کون اس کے راستے میں لڑنے والے ہیں تاکہ آئندہ ان کو اجر و ثواب دے اور کافروں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرے۔

﴿سَیَهْدِیْهِمْ وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾

''وہ ضرور ہی اُن کی راہ نمائی کرے گا اور اُن کا حال درست کر دے گا'' (5)

سوال1: ﴿سَیَهْدِیْهِمْ وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾ ''وہ ضرور ہی اُن کی راہ نمائی کرے گا اور اُن کا حال درست کر دے گا'' ایمان اور عمل صالح کرنے والے جنت کا راستہ پالیں گے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿سَیَهْدِیْهِمْ﴾ ''وہ ضرور ہی اُن کی راہ نمائی کرے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جنت کے راستے پر چلنے کی توفیق دے گا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں اُن کا رب انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت دے گا، نعمت کے باغوں میں ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی'' (یونس:9)

(2) ﴿وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ﴾ ''اور اُن کا حال درست کر دے گا'' اللہ تعالیٰ ان کے احوال اور معاملات کی اصلاح کرے گا، ان کا ثواب درست اور کامل ہوگا، جس میں کسی بھی لحاظ سے کوئی تنگی ہوگی نہ تکدر۔ (تفسیر سعدی:2542/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت دے گا اور ان کے حالات سیدھے کردے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے جانے والوں کو ہدایت دے گا اور ان کے حالات سیدھے کردے گا یعنی ایسے کام کرنے کی توفیق دے گا جس سے جنت کا راستہ آسان ہوجائے گا۔

﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾

''اور وہ اُس جنت میں انہیں داخل کرے گا جس سے وہ اُنہیں واقف کراچکا ہے''(6)

سوال1: ﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ ''اور وہ اُس جنت میں انہیں داخل کرے گا جس سے وہ اُنہیں واقف کراچکا ہے'' صالحین جنت میں اپنا گھر پہچان جائیں گے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ''اور وہ اُس جنت میں انہیں داخل کرے گا'' یعنی جس جنت کی طرف ان کی راہنمائی کی تھی اس میں انہیں داخل فرمادے گا۔

(2) ﴿عَرَّفَهَا لَهُمْ﴾ ''جس سے وہ اُنہیں واقف کراچکا ہے'' یعنی صالحین جنت میں اپنا گھر پہچان جائیں گے جس کو رب العزت نے ان کے لیے تجویز فرمایا۔ انہیں یوں لگے گا جیسے شروع سے وہیں رہتے بستے چلے آرہے ہیں۔

(3) یعنی ان کے سامنے جنت کے اوصاف اور اس جنت تک پہنچنے کے اعمال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اس کو شوق پیدا کر کے اس سے متعارف اور واقف کرایا اور ان جملہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت بھی شامل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو بجالانے کی توفیق عطا کی اور ان میں رغبت پیدا کی۔ پھر جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی منازل، ان کے اندر موجود نعمتوں اور ہر قسم کے تکدر سے پاک زندگی سے متعارف کرائے گا۔ (تفسیر سعدی:2542/3)

(4) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مومنین جہنم سے چھٹکارا پا جائیں گے لیکن دوزخ و جنت کے درمیان ایک پل پر انہیں روک لیا جائے گا اور پھر ایک کے دوسرے پر ان مظالم کا بدلہ لیا جائے گا جو دنیا میں ان کے درمیان آپس میں ہوئے تھے اور جب کانٹ چھانٹ کر لی جائے گی اور صفائی ہوجائے گی تب انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! جنتیوں میں سے ہر کوئی جنت میں اپنے گھر کو دنیا کے اپنے گھر کے مقابلہ میں زیادہ بہتر طریقے پر پہچان لے گا۔'' (بخاری:6535)

سوال2: شہید کے لیے آخرت میں کیا جزا ہوگی؟

جواب: آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن سے اس نے انہیں واقف کروادیا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا'' (7)

سوال 1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا'' دین کے مددگار بنو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا'' یعنی اے وہ لوگو! جو اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو اور جنہوں نے اسلام کو دین کے طور پر تسلیم کر لیا اور جو محمد ﷺ کو اپنا رسول مانتے ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو گے، اس کے نبی اور اس کے اولیاء کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

(2) جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ یقیناً ضرور اس کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا'' (الحج:40)

(3) ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ ''یقیناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے'' (المومن:51)

(4) ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ بدر میں بھی تمہاری مدد فرما چکا ہے حالانکہ تم نہایت کمزور تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرو'' (آل عمران:123)

(5) ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْــــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن بھی جب تمہاری کثرت نے تمہیں خود پسند بنا دیا پھر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین وسیع ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے'' (التوبہ:25)

(6) ﴿وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ ''اور تمہارے قدم جما دے گا'' کیونکہ بدلہ عمل کی جنس سے ملتا ہے اس لیے فرمایا کہ وہ تمہارے قدم جما دے گا۔ (جنگ میں مدد ہو گی تو دشمن کے مقابلے پر تمہارے پاؤں جم جائیں گے اور تم جی کھول کر لڑو گے) حدیث میں ہے جو کسی بڑے شخص کے پاس اس کی درخواست پہنچا دے، جو خود اس تک نہ پہنچ سکتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں پل صراط پر جما دے گا۔ (مختصر ابن کثیر 2/188)

(7) یعنی اللہ تعالیٰ طمانیت اور ثبات کے ذریعے سے ان کے دلوں کو مضبوط کرے گا، ان کے اجساد کو ان امور کو برداشت کرنے کی قوت

عطا فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرمائے گا۔(تفسیر سعدی:2542/3)

(8)﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ ''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ایک پختہ بات سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے'' (ابراہیم:27)

(9) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے حکم ہے کہ وہ اقامت دین، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت اور اس کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے ذریعے سے اس کی مدد کریں اور ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔(تفسیر سعدی:2542/3)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے مدد کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد: (1) کافروں پر فتح اور غلبہ حاصل کرنا ہے۔(2) مومن جب کبھی بھی دین کے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کا ہو جاتا ہے۔(3) مومن جب دین کو غالب کرنے کی کوششیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔

سوال 3: قدم جمانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے اسلام یا پل صراط پر ثابت قدم رہنا۔(2) اس سے مراد جنگ میں ثابت قدم رہنا بھی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' (8)

سوال 1: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' کافروں کے قدم نہیں جمتے، آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے ہلاکت ہے'' تعساً کے معنی ٹھوکر کھا کر گرنا اور پھر اٹھ نہ سکنا ہے یا کسی گڑھے میں گر کر ہلاک ہو جانا ہے (مفردات)، گویا اللہ کے دین کی مدد کرنے والوں کے تو اللہ تعالیٰ پاؤں جما دیتا ہے اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا کر ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مومنوں کی تو مدد کی جاتی ہے جبکہ کافروں کے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔(تیسیر القرآن:224/4)

(2) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا ان کے لئے ہلاکت ہے۔ وہ رسوائی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال برباد کر دے گا۔ دنیا میں تباہی، شکست بربادی اور آخرت میں اعمال کی تباہی ہے۔

(3)﴿وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال برباد کر دیے'' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال باطل کر دے گا اور ان کی تدبیریں ان

پر الٹادے گا۔ ان کی سازشیں کامیاب نہ ہو پائیں گی۔

سوال 2: کافروں کا کیا انجام ہے؟

جواب: (1) کافروں کے لیے ہلاکت ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾

''یہ اس لیے کہ انہوں نے اُس کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے اعمال ضائع کر دیئے'' (9)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے اُس کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے اعمال ضائع کر دیئے'' حق کو ناپسند کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ یقیناً انہوں نے اُس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے'' حق کو ناپسند کرنے والوں کے نیک اعمال بھی بے کار ہیں جنہیں قرآن پسند نہیں، جن لوگوں نے قرآن کو قبول نہیں کیا، جنہوں نے قرآن سے بغض رکھا۔

(2) ﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''تو اس (اللہ تعالیٰ) نے اُن کے اعمال ضائع کر دیئے'' اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال بھی ضائع کر دیں گے اور وہ دونوں جہانوں کا خسارہ اٹھائیں گے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کو کیوں ضائع کر دے گا؟

جواب: (1) اعمال اگر نیک ہوں تب بھی ایمان کی وجہ سے قبول ہوتے ہیں۔

(2) کافروں کے نیک اعمال بھی اس لئے ضائع ہو گئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سے ناخوش ہوئے یعنی انہوں نے قرآن اور ایمان کو ناپسند کیا۔

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا﴾

''کیا وہ زمین میں چلتے نہیں کہ وہ دیکھیں ان سے پہلوں کا انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لیے بھی اس جیسی (تباہی) ہے'' (10)

سوال 1:﴿اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ۫ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا﴾ ''کیا وہ زمین میں چلتے نہیں کہ وہ دیکھیں ان سے پہلوں کا انجام کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لیےبھی اس جیسی (تباہی) ہے'' جھٹلانے والوں کے لئے پہلی قوموں میں عبرت ہے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1)﴿اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ﴾ ''کیا پھر یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ پھر وہ دیکھتے کہ اُن لوگوں کا کیسا انجام ہوا جو اُن سے پہلے تھے؟'' یعنی نبی ﷺ کو جھٹلانے والے زمین میں چلتے پھرتے کیوں نہیں۔انہوں نے پہلے لوگوں کے انجام پر کبھی غور نہیں کیا؟ انہیں شرک اور انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا کیا گیا۔

(2)﴿دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن پر تباہی ڈال دی'' یعنی ان کے گھروں، مالوں اور اولادوں کو اللہ تعالیٰ نے کیسے برباد کر دیا۔

(3) رب العزت نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ان کے مالوں اور گھروں کو برباد کر دیا گیا رب العزت نے ایمان والوں کو نجات عطا کی۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَهۡلَکۡنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَۃٌ فَهِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾﴾ ''چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں، چنانچہ وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں بے کار چھوڑے ہوئے اور چونا گچ محل۔ تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اُن کے لیے ایسے دل ہوں جن سے وہ سمجھتے ہوں؟ یا ایسے کان ہوں جن سے وہ سنتے ہوں، پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (الحج:46,45)

(5)﴿اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّۃً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡهَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظۡلِمَهُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۹﴾ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤی اَنۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ کَانُوۡا بِهَا یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں؟ کہ وہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔ وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور اُنہوں نے زمین کو خوب پھاڑا تھا اور اُسے ان سے زیادہ آباد کیا تھا اور اُن کے پاس اُن کے رسول واضح دلائل لائے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن اپنی جانوں پر وہ خود ہی ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے بُرے کام کیے تھے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے'' (الروم:10,9)

(6)﴿وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا﴾ ''اور کافروں کے لیے بھی اس جیسی (تباہی) ہے'' کافروں کے لئے ان جیسی بہت سی مثالیں ہیں کہ نافرمان کیسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جہنم میں پہنچے۔

سوال2: کافروں کو چل پھر کر گزشتہ قوموں کے عبرتناک انجام کی طرف دیکھنے کے لئے کیوں توجہ دلائی گئی؟

جواب: جس دور میں قرآنِ مجید نازل ہوااس دور میں تباہ شدہ اقوام کے کھنڈر موجود تھے۔اس لئے انہیں غوروفکر کی دعوت دی گئی کہ شاید انہیں دیکھ کر ایمان لے آئیں۔

سوال3: کافروں کی سزاؤں سے اہلِ مکہ کو کیا تنبیہ کی گئی ہے؟

جواب: کافروں کی سزاؤں سے اہلِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو گزشتہ قوموں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کیا جاسکتا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾

''یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اُن لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا یقیناً ان کے لیے کوئی مددگار نہیں''(11)

سوال1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اُن لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے اور کافروں کا یقیناً ان کے لیے کوئی مددگار نہیں'' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے آیت کی روشنی میں واضح کریں۔

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً اُن لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے'' یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کا کارساز ہے رب العزت نے اپنی خاص رحمت سے ان کی سرپرستی کی۔ان کے نیک اعمال کی جزا اور ان کی نصرت کی ذمہ داری لی۔(2) ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور یقیناً کافروں کا'' یعنی جن لوگوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بند کر لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق کاٹ لیا۔

(3) ﴿لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ ''ان کے لیے کوئی مددگار نہیں'' یعنی ان کا کوئی کارساز، کوئی مددگار، کوئی راہ نما نہیں جو انہیں سلامتی کا راستہ دکھائے۔

(4) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (احد کی جنگ کے بعد) ابوسفیان نے پہاڑی پر سے آواز دی، کیا تمہارے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے، پھر انہوں نے پوچھا، کیا تمہارے ساتھ ابن ابی قحافہ موجود ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب کی بھی ممانعت فرمادی۔انہوں نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ ابن خطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ یہ سب قتل کر دیے گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور فرمایا، اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ابھی انہیں ذلیل کرنے کے لیے باقی رکھا ہے۔ابوسفیان نے کہا، ہبل (ایک بت) بلند رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جواب دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو، اللہ سب سے بلند اور بزرگ و برتر ہے۔ابوسفیان نے کہا، ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا جواب دو۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کیا جواب

دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو، اللہ ہمارا حامی و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی نہیں۔ (بخاری:4043)

سوال 2: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مولیٰ ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں یہ بات کیوں کہی گئی؟

جواب: یہ بات اس لیے کہی گئی کہ اللہ اپنے دوستوں کی حفاظت کرتا ہے اور کافروں کا کوئی دوست نہیں اس لیے وہ ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔

رکوع نمبر 6

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ مزے لوٹ رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور آگ ہی اُن کے لیے ٹھکانہ ہے'' (12)

سوال 1: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی'' صالح اعمال والے جنتی ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے انہیں اللہ تعالیٰ یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی'' یعنی قیامت والے دن ایمان والے اور صالح اعمال والے ہی جنت میں جائیں گے۔

(2) یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا جو ایمان والوں کا سرپرست ہے کہ قیامت والے دن انہیں جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا۔ ان محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو خوبصورت باغات کو سیراب کریں گی۔

سوال 2: ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ مزے لوٹ رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں اور آگ ہی اُن کے لیے ٹھکانہ ہے'' کفار لذتوں اور شہوات میں ڈوبی زندگی گزار کر آگ میں پہنچیں گے، آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ مزے لوٹ رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں'' کافروں کا کوئی کارساز نہیں اس لئے دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں۔ جانوروں کی طرح

عقل سے محروم ہونے کی وجہ سے لذتوں اور شہوتوں میں گم رہ لیں۔
(2)﴿وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ ''اور آگ ہی اُن کے لیے ٹھکانہ ہے'' لوٹ کر آگ کے گھر جانا ہے۔
(3) یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیا اور اس کے رسول کی تکذیب کی ان کی کیفیت یہ ہے کہ اس دنیا سے بے تحاشا کھانے، تفاخرانہ لباس اور ناپائیدار زیب وزینت کی صورت میں متمتع ہو رہے ہیں اپنے انجام سے بے خبر ہو کر کھانے پینے میں مصروف ہیں اور انہوں نے مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ دلائل کو بھی ناقابل اعتبار سمجھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی صداقت کا پتہ دیتے تھے۔ یہ تو ان چوپاؤں کی طرح سے ہیں جو ہمیشہ اپنی چراگاہوں میں کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں حتی کہ ان کو یہ بھی فکر نہیں رہتی کہ کب انہیں ذبح کر دیا جائے۔ تو ان مشرکین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ کھانے پینے اور لذت حاصل کرنے میں اس قدر مگن ہیں کہ جہنم کا عذاب بھول چکے ہیں۔ (تفسیر مراغی: 183/9)
(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے، جبکہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔'' (بخاری: 5396)
(5) یعنی وہ قیامت کے دن کے بارے میں غفلت کرتے ہیں، اللہ کے راستے کو نہیں اپناتے گویا کہ ان کی غفلت جانوروں جیسی ہے جو ذبح ہونے سے بھی غافل رہتے ہیں۔ نتیجتاً ان کے پاس ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں بچا۔ (تفسیر قاسمی)
(6) دنیا کے مزے لوٹنے اور کھانے پینے کی طرف توجہ کرنے والوں کا کوئی مقصدِ زندگی نہیں ہوتا۔ وہ آخرت سے غافل ہوتے ہیں۔ حیوانی سطح پر زندگی گزارتے ہیں۔ اُصولوں کا لحاظ نہیں کرتے۔ اگر انسان ایسی باتوں کو گم کر دے تو گویا اس نے مقامِ انسانیت کو گم کر دیا۔ اُس نے اپنے انسان ہونے کو نہیں پہچانا۔ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا نہیں کیا۔ جو چیز اپنے مقصدِ زندگی کو پورا نہ کرے بے کار ہو جاتی ہے اور بے کار چیزوں کا انجام بربادی ہے۔ اس لئے محض دنیا کے مزے لوٹنے اور جانوروں کی طرح کھانے پینے والوں کا ٹھکانہ آگ ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ جنت کے باغات میں کن خصوصیات کی وجہ سے داخل کریں گے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ایمان اور عملِ صالح کی وجہ سے جنت کے باغات میں داخل کریں گے۔

سوال 4: کافروں کی سرگرمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: (1) دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ (2) جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں۔

سوال 5: کافروں کے کھانے کو جانوروں کے کھانے سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے؟

جواب: (1) جانوروں کا مقصدِ زندگی کھانے پینے اور جنس کے تقاضے پورے کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا۔ یہی حال کافروں کا ہے۔ اُن کی زندگی کا مقصد بھی کھانے پینے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا۔ اس لئے کافروں کے کھانے پینے کو جانوروں کے کھانے پینے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(2) جانور کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز نہیں رکھتے اس لئے کہ ان کے پاس زندگی کے وہ اصول نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیے ہیں۔ انسان بھی اگر کھانے پینے میں حلال وحرام کا فرق نہ کریں تو ان کا معاملہ بھی جانوروں جیسا ہے۔

(3) جانور کھڑے ہو کر کھاتے پیتے ہیں اس وجہ سے کھڑے ہو کر کھانے پینے کے عمل کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔

﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾

''اور کتنی ہی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس نے تمہیں نکال دیا ہے ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا پھر اُن کے لیے کوئی مددگار نہ تھا'' (13)

سوال 1: ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس نے تمہیں نکال دیا ہے ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا پھر اُن کے لیے کوئی مددگار نہ تھا'' جب ماضی میں طاقت ور لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں برباد کر دیا، آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں جو تمہاری اس بستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس نے تمہیں نکال دیا ہے'' اللہ رب العزت نے مشرکوں کو ڈرایا ہے کہ تم سے زیادہ طاقت ور لوگوں نے جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اگر تم خاتم الانبیاء کو جھٹلاتے رہے ہو تو کیا تم پر دنیا وآخرت کا عذاب نہیں آئے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ﴾ ''وہ زمین میں بے بس کر دینے والے نہ تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے لیے کوئی مددگار ہیں، ان کے لیے دوگنا عذاب کیا جائے گا، وہ نہ سننے کی استطاعت رکھتے تھے اور نہ ہی وہ دیکھتے تھے'' (ھود:20)

(2) ﴿أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ ''ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا پھر اُن کا کوئی مددگار نہ تھا'' یعنی جب انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں برباد کر دیا انہیں نصیحت نے کوئی فائدہ نہیں دیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں تھا۔

سوال 2: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: اس آیت کے بارے میں روایت ہے کہ یہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان اُس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ ہجرت کا سفر کر رہے تھے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ بظاہر یہ لوگ بڑے نظر آتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے لیکن یہ جبار بڑے کمزور ہیں۔

سوال3: پہلی بستیاں جنہوں نے رسولوں کو نکال دیا تھا، ان کے بارے میں رب العزت نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: رب العزت نے وضاحت کی ہے کہ(1) وہ بستیاں مکّہ سے زیادہ زور آور تھیں۔(2) اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ (3) اُن کا کوئی مددگار نہ تھا۔

﴿اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ كَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾

''تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اُس کی طرح ہے جس کے لیے اُس کا بُرا عمل خوش نما بنا دیا گیا؟ اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی؟'' (14)

سوال1: ﴿اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ كَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ ''تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اُس کی طرح ہے جس کے لیے اُس کا بُرا عمل خوش نما بنا دیا گیا؟ اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی؟'' حق پرست اور خواہش پرست برابر نہیں ہو سکتے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ﴾ ''تو کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کے دین کا علم اور سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی وجہ سے سمجھ بوجھ کر نیک اعمال کر رہا ہو اور اسے حق پر چلنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا یقین ہو۔

(2) ﴿كَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ﴾ ''اُس کی طرح ہے جس کے لیے اُس کا بُرا عمل خوش نما بنا دیا گیا'' یعنی وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لئے شیطان نے اس کے برے عمل کو خوش نما بنا دیا ہو۔

(3) ﴿وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾ ''اور جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی'' یعنی ایسی نفسانی خواہشات جن پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں ان کی جنہوں نے ان کو پیدا نہیں کیا۔ (البحر المحیط: 465/9)

(4) ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات پر بصیرت رکھتا ہو ہدایت و علم کی صورت میں اور اسے اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ بھی عطا کی ہو اور وہ اس بات پر بھی پختہ یقین رکھتا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور یہی جنت کا راستہ ہے، اور اس بات کا علم بھی رکھتا ہو بُرے اعمال کا بدلہ جہنم ہے کیا یہ شخص اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جسے شیطان اس کے بُرے اعمال اچھے بنا کر پیش کرتا ہے۔ تا کہ وہ اسے اچھا خیال کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہو جائے، بُری سیرت کا مالک ہو، خواہشات کی پیروی کرنے والا ہو اور پھر اس کی شہوات بھڑکتی ہیں اور وہ گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے بلکہ گناہوں کی وادیوں میں گر جاتا ہے پھر وہ کسی ناصح اور گناہوں سے روکنے والے کی طرف التفات نہیں کرتا۔ (تفسیر المراغی: 184/9) (5) یقیناً دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

(6)رب العزت نے فرمایا:﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ز اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ﴾ ''کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کردیں؟ کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا کردیں؟'' (ص:28)

(7)﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ ''کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے اُنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اُنہیں اُن لوگوں کی مانند بنادیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کا جینا اور مرنا برابر ہوجائے؟ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کررہے ہیں۔'' (الجاثیہ:21)

(8)﴿اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ''پھر کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً آپ پر جو آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا وہی حق ہے، اس شخص جیسا ہے جو اندھا ہے؟ بلاشبہ نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں'' (الرعد:19) (9)﴿لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ ''دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہوسکتے، جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہیں'' (الحشر:20)

سوال2: ''بُرے عمل'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد شرک اور نافرمانی کے کام ہیں۔

سوال3: جس کے لئے بُرا عمل خوش نما بنادیا جائے وہ کیا کام کرتا ہے؟

جواب: جس کے لئے بُرا عمل خوش نما بنادیا جائے وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ﴾

''جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں اور خوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں اور اُن کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہے، کیا وہ اُس کی طرح ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اُن کو گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دے گا'' (15)

سوال1:﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ

خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾ ''جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں اور خوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں'' جنت کی نہروں کی وضاحت اس آیت کے اس حصے کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ''جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے'' مومنوں اور کافروں کا ہدایت و رشد اور گمراہی و ضلالت کے اعتبار سے فرق بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کی جزا (بدلہ) و سزا (عذاب) اور ان کے ابدی ٹھکانوں اور مقامات کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے جنت کی مختلف قسم کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور کفار کے لئے ہمیشہ جہنم میں رہنے اور انتہائی سخت گرم پانی کے پینے کا ذکر کیا ہے جو پیتے ہی ان کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اس بیان کے متصل قبل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ﴾'' یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جزا اور بدلے کا ذکر کر رہے ہیں اور یہاں ان جنتوں کی خوبیوں کو نمایاں کیا جا رہا ہے جن کا متقین اور پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر منیر: 423/13)

(2) یعنی وہ دنیا میں اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے اور گناہوں سے بچتے ہوئے اپنے انجام پر توجہ دیتے ہیں۔ (جامع البیان: 50/26)

(3)﴿فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ﴾ ''اس میں پانی کی نہریں ہوں گی جو خراب نہیں ہوگا'' یعنی ایسے صاف پانی کی نہریں ہوں گی جو ذرا بھی گدلا نہیں ہوگا، موتی کی طرح چمک دار ہوگا۔

(4) عبداللہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنتی نہریں مشک کے پہاڑ سے نکلتی ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 1883/2)

(5) جنت کی نہروں کا پانی شفاف، شیریں، خوشبودار اور لذیذ ہوگا۔

(6)﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ﴾ ''اور ایسے دودھ کی نہریں جس کا مزہ بدلا نہیں ہوگا'' دنیا میں دودھ جانوروں کے تھنوں سے نکلتا ہے اور کچھ دیر کے بعد خراب ہو جاتا ہے۔ جنت کا دودھ نہروں میں ہوگا، خراب ہونے سے محفوظ ہوگا اور لذیذ ہوگا۔

(7) جنت کا دودھ انتہائی سفید، میٹھا اور لذت والا ہے۔

(8)﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ ''اور ایسی شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی'' جنت کی شراب دنیا کی شراب کی طرح تلخ اور بدبودار نہیں۔ وہ دیکھنے میں خوبصورت، ذائقے میں لذیذ اور کمال درجے کی خوشبودار ہے۔

(9) جنت کی شراب قدموں سے روند کر نہیں نچوڑی گئی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ ''اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ وہ بہکیں گے۔'' (الواقعہ: 19)

(10)﴿بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ ''سفید، پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی'' (الصفٰت: 46)

(11) جنت کی شراب پینے والوں کو سرور اور کیف بخشنے والی ہے۔ دیکھنے میں وہ سفید ہے۔

(12)﴿وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى﴾ ''اور ایسے شہد کی نہریں جو صاف کیا گیا ہوگا'' جنت میں صاف شفاف اور خالص شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں جو ہر قسم کے میل کچیل اور موم سے پاک ہوگا۔

(13) ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ بلکہ قدرتی ہے۔ جنت کا شہد صاف شفاف خوش رنگ، خوش ذائقہ، خوشبودار ہے۔ (ابن کثیر، اشرف الحواشی)

(14) سیدنا حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت میں پانی، شہد، دودھ اور شراب کے دریا ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں۔'' (ترمذی:2571)

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی درجہ ہے اور جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے۔ اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں'' (بخاری:2790)

(16) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوثر کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک نہر ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے یعنی جنت میں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اس میں ایسی چڑیاں ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی سی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ تو بڑی نعمت میں ہیں۔'' (ترمذی:2542)

سوال2:﴿وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ﴾ ''اور اُن کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہے، کیا وہ اُس کی طرح ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اُن کو گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور اُن کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں'' جنت میں طرح طرح کے پھل ہوں گے جن کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ رب العزت کے فرمایا:﴿ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴾ ''اُن میں وہ ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے'' (الدخان:55)

(2)﴿فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ﴾ ''دونوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں'' (الرحمن:52)

(3)﴿وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ ''اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہے'' یعنی تمام گناہوں کے لئے مغفرت ہوگی جس سے خوف زدہ کرنے والے اور ڈرانے والے امور زائل ہو جائیں گے۔

(4)﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ﴾ ''کیا وہ اُس کی طرح ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اُن کو گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا'' کیا یہ لوگ ان کی طرح ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ آگ میں جھلسنے والے ہیں جس کی حرارت شدید ہوگی اور انہیں جہنم میں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ جائیں گی۔ رب العزت نے

فرمایا:﴿فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ (۶۶) ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ (۶۷)﴾ ”پس بلاشبہ وہ اُس میں سے یقینا کھانے والے ہیں پھر اُسی سے پیٹ بھرنے والے ہیں، پھر یقینا اس پر اُن کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی آمیزش ہے“ (الصّٰفّٰت:67,66)

(5)﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ (۵۱) لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ (۵۲) فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ (۵۳) فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيۡمِ (۵۴) فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ (۵۵) هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ (۵۶)﴾ ”پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو! یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو، پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو، پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو، یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن۔“ (الواقعۃ:51-56)

(6) پس پاک ہے وہ ذات جس نے دونوں گھروں یعنی جنت اور جہنم، دونوں قسم کی جزاؤں، دونوں قسم کے عمل کرنے والوں اور دونوں قسم کے اعمال میں تفاوت رکھا۔ (تفسیر سعدی:2546/3)

سوال3: جنت جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے کیا گیا ہے، اس کی کن صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

جواب: (1) جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بدبودار نہیں ہوگا۔ (2) جنت میں دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلے گا۔

(3) جنت میں شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے لذت ہے۔ (4) جنت میں صاف شہد کی نہریں ہیں۔

(5) جنت میں ہر طرح کے پھل ہیں۔ (6) جنت میں رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔

سوال4: کیا جنت میں جانے والا جہنم میں جانے والے جیسا ہوسکتا ہے؟

جواب: جنت میں جانے والے ہمیشہ کی نعمتوں میں ہوں گے اور جہنم میں جانے والوں کو کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا جو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ انجام کے اعتبار سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

سوال5: جہنمیوں کو اتنی سخت سزا کیوں دی جائے گی؟

جواب: جہنمی دنیا میں انتہائی سختی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دینے والے ہوتے ہیں۔ ان کا مقصدِ زندگی کھانے پینے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے سزا بھی سخت ہے۔

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ﴾

”اور اُن میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اُن سے جنہیں علم عطا کیا گیا کہتے ہیں: ”اُس نے ابھی کیا کہا تھا؟“ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے“ (16)

سوال1:﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ ''اور اُن میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اُن سے جنہیں علم عطا کیا گیا کہتے ہیں: ''اُس نے ابھی کیا کہا تھا؟'' یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے'' منافقوں کی حماقت کی وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) مومنین کے دنیا اور آخرت میں اوصاف حمیدہ اور کفار کے اوصاف قبیح کا تذکرہ کرنے کے بعد منافقین کے حالات و واقعات اور اعمال قبیح کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ منافقین کفار میں سے ہیں اور یہ جاہل ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو سننے کے باوجود بھی نہیں سمجھتے۔ یہ سنتے ہیں لیکن اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بیانات وارشادات معمولی چیزیں ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ مذاق اور تمسخر کے لائق ہیں۔ ان کے برعکس مومن ہدایت یافتہ ہیں، جو کچھ سنتے ہیں اسے سمجھتے ہیں اور جو سیکھ لیتے ہیں اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مخاطب کرتے ہوئے ہدایت کی ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ نصیحت اور عبرت حاصل کرلیں اور روز قیامت برپا ہونے سے قبل اپنا محاسبہ کرلیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ صحیح عقیدہ جس پر آپ مستقیم ہیں ثابت قدم رہیں اور اپنے مومنین اور مومنات کے لئے توبہ واستغفار کرتے رہیں۔ (تفسیر منیر:430/13)

(2)﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ ''اور اُن میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں'' ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: منافقین اور مومنین نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہوتے تھے۔ مومن جو چیز آپ ﷺ سے سنتے اسے یاد کرلیتے اور جو منافقین سنتے وہ اسے بھلادیتے۔ ان کا سب نسی منسی ہوجاتا۔ جب وہ باہر آتے تو منافقین صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کرتے آپ ﷺ نے ابھی ابھی کیا کہا ہے۔ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ﴾ (تفسیر منیر:429/13)

(3) منافقوں کی حماقت کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے پاس اگر سنتے بھی ہیں تو سمجھتے نہیں اس لیے کہ وہ قبول کرنے کی غرض سے نہیں سنتے۔

(4)﴿حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ تمہارے پاس سے نکلے تو انہوں نے اُن لوگوں سے کہا جنہیں علم عطا کیا گیا: ''اُس نے ابھی کیا کہا تھا؟'' پھر جب مجلس ختم ہوجاتی ہے تو اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً سیدنا عبداللہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے ہیں ابھی ابھی انھوں نے کیا کہا تھا یہ قول ان کی بدنیتی کا عکاس ہے کیوں کہ اگر وہ ایمان اور حب رسول ﷺ رکھتے تو انہیں پتہ ہوتا کہ ابھی ابھی آپ ﷺ نے کیا کہا۔

(5) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ان منافقین کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ لوگ دو قسم کے ہیں یا دو شخصوں کی طرح ہیں۔ (i) ایک وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ ناطہ جوڑلیا اور جو کچھ اس نے سماع کیا اس سے فائدہ اٹھایا۔ (ii) دوسرا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی اختیار کی یعنی کوئی چیز نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی تو پھر اس سے فائدہ بھی ایسا ہی حاصل کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ تین قسم کے ہیں۔ (i) سننے

والے اور اس پر عمل کرنے والے۔(ii) سننے والے اور اس پر غور وخوض کرنے والے۔(iii)غفلت سے سننے والے اور ترک کر دینے والے۔(جامع البیان:52/26)

(6)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہی لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔'' ان کی خواہش پرستی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

(7)﴿وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ ''اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی'' یعنی وہ ہدایت کی طلب نہیں رکھتے جس کی وجہ سے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

(8)لوگ اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اس لئے ہدایت نہیں پاتے۔

(9)دومتضاد اور مختلف اشیاء کا مقارنہ اور موازنہ کرنا قرآن کریم کا منہج اور اسلوب ہے تا کہ ان کے درمیان فرق واضح ہو سکے جیسے مذکورہ بالا آیات میں مومنین اور کفار کے اعمال کا موازنہ کیا گیا ہے یا مومنین اور فجار کا مقارنہ کیا گیا ہے۔ یہاں قابل ذکر جو چیز ہے وہ ہدایت یافتہ مومنین اور منافقین کا موازنہ اور مقارنہ ہے۔ منافقین وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مہریں لگا دی ہیں اور انہوں نے کفر کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی اتباع وپیروی کی اور مومن وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رشد وہدایت کے اعتبار سے بڑھا دیا۔ جو چیز وہ سنتے ہیں سمجھتے ہیں اور جس کو جان لیتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیزگاری سے نوازا ہے یعنی ان کو تقویٰ وعمل کی توفیق دی ہے جو ان پر فرض کیا گیا ہے۔(تفسیر منیر:434/13)

سوال2: منافق یہ کیوں پوچھتے تھے کہ ابھی انہوں نے یعنی نبی ﷺ نے کیا کہا تھا؟

جواب: منافق کند ذہن ہوتا ہے۔ وہ حق بات کو سمجھنا نہیں چاہتا۔ ان کی نیت درست نہیں ہوتی۔ اس لئے نبی ﷺ کی باتیں انہیں سمجھ نہیں آتی تھیں۔ اس لئے وہ مجلس سے باہر آ کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے تھے کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا کہا ہے؟

سوال3: اللہ تعالیٰ نے منافقوں پر کیا تبصرہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (1) ان کے دلوں پر رب نے ٹھپہ لگا دیا ہے۔(2) یہ لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾

''اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی، اس نے ان کو ہدایت میں بڑھا دیا اور انہیں اُن کو تقویٰ عطا کیا'' (17)

سوال1:﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی، اس نے ان کو ہدایت میں بڑھا دیا اور انہیں اُن کو تقویٰ عطا کیا'' ہدایت کے متلاشی ہدایت پا جاتے ہیں، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ ''اور جن لوگوں نے ہدایت قبول کی'' یعنی جو صحیح ایمان لا کر عمل صالح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق انہیں ہدایت میں بڑھا دیتے ہیں جیسا کہ وہ اشیاء کی نشوونماء کرتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں بڑھاتا ہے (ایسر التفاسیر 1477،1478)

(2) رہے وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے حق کی اتباع کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اے محمد ﷺ! ان کے سینوں کو ایمان اور کلام پاک سننے اور سمجھنے کے لیے کھول دیا ہے جو آپ ان پر تلاوت فرماتے ہیں وہ اس کو سنتے ہیں۔ (جامع البیان: 53/26)

(3)﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ سے مراد ہے حق کی اتباع کرنا اور دلائل و براہین کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ (تفسیر القاسمی: 49/15)

(4) ایک قول یہ ہے، ان کو حقیقت تقویٰ معلوم ہو جانا تقویٰ ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تقویٰ کو واضح اور عیاں کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو ان کی رشد و ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اس میں چار قول ہیں۔ (i) ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''ان کا علمی اضافہ مراد ہے'' (ii) ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کا سن کر اسے سمجھ لینا مراد ہے۔ (iii) کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے ''ان کا دینی لحاظ سے بصیرت و فہم میں اضافہ اور نبی ﷺ کی تصدیق مراد ہے'' (iv) ایک قول یہ ہے کہ ایمان کے لحاظ سے شرح صدر مراد ہے۔ (تفسیر قرطبی: 172/8)

(5)﴿وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ ''اور اُن کو ان کا تقویٰ عطا کیا۔'' اس کا معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ ان کو تقویٰ عطا کیا اور اس پر ان کی مدد و نصرت فرمائی ''تقویٰ'' کے بارے میں مفسرین کے کافی اقوال ہیں۔

(i) سیدنا ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''تقویٰ خوف و خشیت کا نام ہے۔''

(ii) سیدنا ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ تقویٰ آخرت کے ثواب کو کہا جاتا ہے۔

(iii) سیدنا مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تقویٰ سے مراد نیک عمل کی توفیق مل جانا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

(iv) ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ ناسخ پر عمل کرنے اور منسوخ کو ترک کر دینے کا نام ہے۔

(v) ایک قول یہ ہے کہ رخصت کو ترک کرتے ہوئے عزیمت کو اپنا لینا تقویٰ ہے۔ (فتح القدیر: 44/5)

سوال 2: اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت میں ترقی اور پرہیز گاری کیوں عطا فرماتے ہیں؟

جواب: جو لوگ ہدایت حاصل کرنے کی نیت رکھتے ہوں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت حاصل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ انہیں ثابت قدمی اور پرہیز گاری عطا فرماتا ہے۔ یوں انسان اگر ارادہ کرے، کوشش کرے تو رب رحمت کرتا ہے۔

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾

''سو وہ اپنے پاس قیامت ہی کے اچانک آنے کا انتظار کر رہے ہیں، بے شک اس کی علامات تو آ چکیں، پھر جب وہ ان کے پاس

آ جائے گی ان کے لیے نصیحت کیسے ممکن ہوگی؟'' (18)

سوال 1:﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ ''سو وہ اپنے پاس قیامت ہی کے اچانک آنے کا انتظار کر رہے ہیں، بے شک اس کی علامات تو آ چکیں، پھر جب وہ ان کے پاس آ جائے گی ان کے لیے نصیحت کیسے ممکن ہوگی؟'' اس کی وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً﴾ ''سو وہ اپنے پاس قیامت ہی کے اچانک آنے کا انتظار کر رہے ہیں'' یعنی کیا جھٹلانے والے منتظر ہیں کہ قیامت کی گھڑی اچانک بے شعوری کے عالم میں ان پر آئے اور انہیں پتہ ہی نہ چلے یعنی وہ قیامت کی گھڑی سے غافل ہوں۔

(2)﴿فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا﴾ ''بے شک اس کی علامات تو آ چکیں'' یعنی قرب قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (٥٦) اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (٥٧)﴾ ''یہ بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔ قریب آنے والی قریب آ گئی ہے۔'' (النجم:57,56)

(3)﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ ''بہت قریب آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا۔'' (القمر:1)

(4)﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ''لوگوں کے لیے اُن کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں منہ موڑنے والے ہیں۔'' (الانبیاء:1)

(5)﴿اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا سو اس کو تم جلدی طلب نہ کرو، وہ پاک ہے، اور بے حد بلند ہے اس سے جن کو وہ شریک بناتے ہیں۔'' (النحل:1)

(3) سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ہم باہم گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کس بات کا تذکرہ کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہرگز قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات دیکھ لو گے۔ پھر دھوئیں، دجال، دابۃ الارض، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے اور یاجوج و ماجوج اور تین جگہوں سے دھنسنے، ایک دھنسنا مشرق میں اور ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرۃ العرب میں ہونے اور آخر میں یمن سے آگ نکلنے کا ذکر فرمایا جو لوگوں کو جمع ہونے کی جگہ کی طرف لے جائے گی۔ (مسلم:7285)

(4) سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لوگ شراب پئیں گے لیکن اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے ان کی سرپرستی میں باجے بجیں گے گانے والیاں گائیں گی، اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔

(ابن ماجہ:3247/2)

(5)﴿فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ﴾ ”پھر جب وہ ان کے پاس آجائے گی تو اُن کے لیے نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں؟“یعنی جب قیامت آجائے گی تو نصیحت مان لینے سے کیا حاصل ہوگا! جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾ ”مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا“ (الغجر:23)

(7)﴿وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ ”اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں حالانکہ دور کی جگہ سے ان کے لیے (ایمان کو) حاصل کرنا کہاں ممکن ہے؟“ (سبا:52)

سوال 2: قیامت آنے پر نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں ہوگا؟ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت آ جانے کے بعد نصیحت حاصل نہیں کی جا سکے گی یعنی توبہ قبول نہ ہوگی۔ توبہ کرنے کا وقت اب ہے۔ قیامت آنے کے بعد کی گئی توبہ غیر مفید ہے۔

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾

”پس آپ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کی بخشش مانگیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے ٹھکانوں کو بھی“ (19)

سوال 1:﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾ ”پس آپ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کی بخشش مانگیں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے ٹھکانوں کو بھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ”پھر جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں“ یعنی اے محمد ﷺ آپ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر چیز کا مالک ہے۔

(2) علم میں اقرار قلب اور اس معنی کی معرفت، جو علم اس سے طلب کرتا ہے، لازمی امر ہے اور علم کی تکمیل یہ ہے کہ اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے اور یہ علم جس کے حصول کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا علم ہے اور ہر انسان پر فرض عین ہے اور کسی پر بھی، خواہ وہ کوئی بھی ہو، ساقط نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک کے لئے اس کا حصول ضروری ہے۔ اس علم کے حصول کا طریق کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، چند امور پر مبنی ہے: (i) سب سے بڑا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات اور افعال میں تدبر کیا جائے جو اس کے کمال اور اس کی

عظمت وجلال پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اسماء وصفات میں تدبر عبادت میں کوشش صرف کرنے اور رب کامل کے لئے تعبد کا موجب ہوتا ہے جو ہر قسم کی حمد ومجد اور جلال وجمال کا مالک ہے۔

(ii) اس حقیقت کا علم کہ اللہ تعالیٰ تخلیق وتدبیر میں منفرد ہے، اس کے ذریعے سے اس بات کا علم حاصل ہوگا کہ وہ الوہیت میں بھی منفرد ہے۔

(iii) اس امر کا علم کہ ظاہری اور باطنی، دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کرنے میں وہ منفرد ہے۔ یہ علم دل کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے، اس سے محبت کرنے، اس اکیلے کی عبادت کرنے کا موجب بنتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(iv) ہم یہ جو دیکھتے اور سنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لئے، جو اس کی توحید کو قائم کرتے ہیں، فتح ونصرت اور دنیاوی نعمتیں ہیں اور اس کے دشمن مشرکین کے لئے سزا اور عذاب ہے۔ یہ چیز اس علم کے حصول کی طرف دعوت دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تمام تر عبادات کا وہی مستحق ہے۔

(v) ان بتوں اور خود ساختہ ہمسروں کے اوصاف کی معرفت، جن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے اور انہیں معبود بنالیا گیا ہے، کہ یہ ہر لحاظ سے ناقص اور بالذات محتاج ہیں، یہ خود اپنے لیے اور اپنے عبادت گزاروں کے لئے کسی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے، ان کے اختیار میں زندگی ہے نہ موت اور نہ یہ دوبارہ زندگی ہی عطا کرسکتے ہیں، یہ ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کرسکتے جو ان کی عبادت کرتے ہیں، بھلائی عطا کرنے اور شر کو دور کرنے میں ان کے ذرہ بھر کام نہیں آسکتے کیونکہ ان اوصاف کا علم، اس حقیقت کے علم کا موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی عبادت کی مستحق نہیں، نیز یہ علم اللہ کے ماسوا کی الوہیت کے بطلان کا موجب ہے۔

(vi) حقیقت توحید پر اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں اتفاق کرتی ہیں۔

(vii) اللہ تعالیٰ کے خاص بندے، جو اخلاق، عقل، رائے، صواب اور علم کے اعتبار سے اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ کامل ہیں، یعنی انبیاء ومرسلین اور علمائے ربانی، اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔

(viii) اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دلائل فقیہ اور نفسیہ قائم کیے ہیں، جو توحید الٰہی پر سب سے بڑی دلیل ہیں، اپنی زبان حال سے پکار پکار کر اس کی باریک کاریگری، اس کی عجیب وغریب حکمتوں اور اس کی انوکھی تخلیق کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ وہ طریقے ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کثرت سے اس امر کی دعوت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، ان کو اپنی کتاب میں نمایاں طور پر بیان کیا ہے اور بار بار ان کا اعادہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض پر غور وفکر کرنے سے بندے کو علم اور یقین حاصل ہونا ایک لازمی امر ہے، تب بندے کو کیوں کر علم اور یقین حاصل نہ ہوگا جب دلائل ہر جانب سے مجتمع اور متفق ہو کر توحید پر دلالت کرتے ہوں۔ یہاں بندہ مومن کے دل میں توحید پر ایمان اور اس کا علم راسخ ہو کر پہاڑوں کی مانند بن جاتے ہیں، شبہات وخیالات انہیں متزلزل نہیں کرسکتے اور باطل شبہات کے بار بار وارد ہونے سے ان کی نشوونما اور ان کے کمال میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ اس عظیم دلیل اور بہت بڑے معاملے کو دیکھیں۔ اور وہ ہے قرآن عظیم میں تدبر اور اس کی آیات میں غور وفکر تو یہ علم توحید تک پہنچنے کے لئے بہت بڑا دروازہ ہے، اس کے ذریعے سے توحید کی وہ تفاصیل حاصل

ہوتی ہیں جو کسی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر سعدی:2547,2549/3)

(3)﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ ''اور معافی مانگو اپنے گناہ کے لیے بھی اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی'' اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں اور گناہوں کو چھوڑ کر مغفرت کے اسباب پر عمل کریں۔

(4) مومن مرد اور مومن عورتیں ایمان کی وجہ سے سب مسلمانوں پر زیادہ حق رکھتے ہیں، ان کے حقوق میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ ان کے گناہوں کی بخشش مانگی جائے۔

(5) جب آپ ان کے لیے استغفار پر مامور ہیں، جو ان سے گناہوں اور ان کی سزا کے ازالے کو متضمن ہے، تب اس کے لوازم میں سے ہے کہ ان کی خیر خواہی کی جائے، ان کے لیے بھلائی کو پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں، ان کے لیے برائی کو ناپسند کریں جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں، انہیں ان کاموں کا حکم دیں جن میں ان کے لیے بھلائی ہے اور ان کاموں سے روکیں جن سے ان کو ضرر پہنچتا ہے، ان کی کوتاہیوں اور عیبوں کو معاف کر دیں، ان کے ساتھ اس طرح اکٹھے رہنے کی خواہش رکھیں جس سے ان کے دل اکٹھے رہیں اور ان کے درمیان کینہ اور بغض زائل ہو جو عداوت اور ایسی مخالفت کا سبب بنتا ہے جس سے ان کے گناہ اور معاصی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ (سعدی:2549,2547/3)

(6) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میری خطا اور نادانی اور میرے کاموں میں زیادتی سے درگزر فرما اور اس گناہ سے بھی جس کا علم مجھ سے زیادہ تجھے ہے۔ اے اللہ! میری مغفرت فرما اس بات سے جس کو میں نے ارادے اور سنجیدگی سے کیا اور اس سے بھی جس کو ہنسی اور دل لگی میں کیا اور ان کاموں سے بھی جنہیں میں نے بھول چوک میں کیا اور ان سے بھی جنہیں میں نے دانستہ طور پر کیا'' (بخاری:6399)

(7) ''اے اللہ! تو میرے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر، تمام گناہ معاف فرما اور جو میں نے زیادتی کی اور وہ گناہ جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے وہ بھی معاف فرما تو ہی اپنی بارگاہ عزت میں آگے کرنیوالا اور اپنی بارگاہ جلال سے پیچھے کرنیوالا ہے۔ صرف تو ہی سچا معبود ہے۔'' (مسلم:1812)

(8) سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا تناول کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اپنے لیے بھی استغفار کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور تمہارے لئے بھی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری تمام تر سرگرمیوں سے باخبر ہے جو تم بیداری کی حالت میں سرانجام دیتے ہو اور تمہاری جائے استقرار سے بھی یعنی رات کو جہاں تم آرام کرتے ہو۔ اس پر تمہارے شب و روز کی کوئی سرگرمی مخفی نہیں ہے۔ وہ ان سب امور کے بارے میں تم کو بدلہ دے گا۔ (جامع البیان:55/26)

(9) امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیغمبر آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے علم پر ثابت قدم رہیے اسی طرح عاجزی وانکساری

کے اور اپنے گناہوں اور اپنے دین کے ماننے والوں کے گناہوں سے استغفار کے ساتھ تزکیہ نفس کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔"شرح التاویلات" میں ہے کہ ہوسکتا ہے آپ کی کوئی غلطی ہو جو ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن اللہ کے علم میں ہو اُس وجہ سے اُس نے آپ ﷺ کو استغفار کا حکم دیا ہے۔تاہم یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انبیاء کا گناہ، قباحت کا ارتکاب کرنے کی بجائے کسی افضل شے کے ترک کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ ہمارے گناہوں کو چھوٹی اور بڑی قباحتوں کے ارتکاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(الاساس:5324/9)

(10) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم کثرت سے "لا الہ الا اللہ" اور "استغفار" کا ورد کیا کرو کیونکہ شیطان کہتا ہے میں گناہوں کے ذریعے سے لوگوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہوں اور لوگ "لا الہ الا اللہ" اور "استغفار" کے ذریعے مجھے ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔(تفسیر مراغی:189/9)

(11) ایک حدیث سے یوں روایت کیا جاتا ہے: شیطان نے کہا: اے اللہ! مجھے تیری عزت وجلالت کی قسم! میں لوگوں کو تب تک بہکاتا رہوں گا جب تک اُن کی روحیں ان کے جسموں سے الگ نہیں ہو جاتیں۔تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: مجھے اپنے عزت وجلالت کی قسم! میرے بندے جب تک مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے میں تب تک ان کو معاف کرتا رہوں گا۔(تفسیر مراغی:189/9)

(12) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس صدقہ وخیرات کرنے کے لئے کوئی شے نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن پر ضروری ہے کہ وہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرے کیونکہ یہ صدقہ کے قائم مقام ہے۔(تفسیر الثعالبی:237/5)

(13)﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ﴾ "اور اللہ تعالیٰ تمہاری سرگرمیوں کو بھی جانتا ہے اور تمہارے ٹھکانوں کو بھی" یعنی اللہ تعالیٰ دن میں معاش کے لیے تمہاری سرگرمیوں کو جانتا ہے اور تمہارا لوٹنا اور بستروں پر آرام کرنا بھی اس لیے اس سے ڈرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو، رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ "اور وہی ہے جو تمہیں رات کو وفات دیتا ہے۔اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو وہ جانتا ہے۔پھر وہ اس میں تمہیں اُٹھا دیتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کی جائے۔پھر اس کی طرف تمہاری واپسی ہے۔پھر وہ تمہیں اس سے باخبر کردے گا جو تم کرتے رہے تھے۔(الانعام:60)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کو جان لینے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: یہی بنیادی عقیدہ ہے۔اسی کی وجہ سے انسان توحید پر کاربند رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

سوال 3: نبی ﷺ کو کس کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا؟

جواب: یہ حکم آپ ﷺ کے لیے بھی تھا اور مومنین کے لیے بھی۔

رکوع نمبر 7

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کر دی گئی؟ چنانچہ جب کہ ایک محکم سورت اتار دی جاتی ہے اور اس میں جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ایسے شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت سے غشی ڈال دی گئی ہو، پس اُن کے لئے بہت بہتر ہے'' (20)

سوال 1: ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کر دی گئی؟ چنانچہ جب کہ ایک محکم سورت اتار دی جاتی ہے اور اس میں جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ایسے شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت سے غشی ڈال دی گئی ہو، پس اُن کے لئے بہت بہتر ہے'' جہاد سے لوگوں کی گھبراہٹ کی وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اسلام میں، توحید، محشر، بعث اور اس کے علاوہ اصول عقیدہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سنتے وقت کافر، منافق اور ہدایت یافتہ لوگوں کے حالات و تاثرات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عملی معاملات یعنی جہاد، نماز، زکوٰۃ اور اس جیسے دوسرے اعمال سے متعلق نازل ہونے والی آیات سنتے وقت مذکورہ گروہوں کے تاثرات بیان فرمائے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ مومن ایسی آیات کے نزول کا انتظار کرتا ہے اور جب ایسے احکام مؤخر ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کیوں نہیں اللہ تعالیٰ عبادات میں سے کسی عبادت کو واجب کرتے تاکہ ہم اس کا تقرب حاصل کر سکیں جبکہ منافق جب ایسی آیات نازل ہوتی ہیں جسے بجا لانے میں وہ جسمانی و مالی مشقت سمجھتا ہے، ناپسند جانتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دونوں گروہوں میں علم اور عمل کے اعتبار سے تباین ہے، نہ تو منافق کے پلّے علم پڑتا ہے اور نہ ہی وہ عمل کرتا ہے جبکہ مومن علم بھی رکھتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے۔ (تفسیر منیر: 438,437/13)

(2) ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے ہیں'' یعنی مخلص مومن مشکل کاموں پر جلدی مچاتے ہوئے کہتے ہیں۔

(3) ﴿لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾ ''کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کر دی گئی؟'' یعنی کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل ہوتی جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو۔ (4) ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ ''چنانچہ جب کہ ایک محکم سورت اتار دی جاتی ہے'' یعنی اپنے بیان اور فرائض کے اعتبار

سے پختہ سورت نازل کی جاتی ہے جس پر عمل کو لازم ٹھہرایا گیا ہو اور اس میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہو۔

(5) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام وہ سورتیں جن میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے، پختہ ہیں اور منافقین کے اعتبار سے قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سے زیادہ سخت ہیں۔'' (غرائب القرآن:137/6)

(6) ﴿رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ ''آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں ایسے شخص کی طرح دیکھنا جس پر موت سے غشی ڈال دی گئی ہو'' یعنی قتال کی شدت اور اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کمزور ایمان والے ثابت قدم نہ رہے۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً﴾ ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پس جب اُن پر قتال لکھ دیا گیا تب ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا!'' (النساء:77)

(8) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ﴿یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿اِلَیْكَ﴾ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ﴿نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ یعنی اس خوف سے کہ آپ ان کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم دیں گے گویا کہ وہ دشمن کے ساتھ مقابلے سے ڈرے ہوئے ہیں اور آپ کی طرف وہ ڈرے ہوئے آدمی کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ﴿مِنَ الْمَوْتِ﴾ یعنی موت کے خوف سے۔ ایسا فعل (پہلے آرزو کرنا پھر دامن بچانا) منافق ہونے کی علامت ہے۔ (جامع البیان:55/26)

(9) ﴿فَاَوْلٰی لَهُمْ﴾ ''پس اُن کے لئے بہت بہتر ہے'' یعنی بزدلی اور نفاق بربادی لانے والا ہے۔

(10) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿فَاَوْلٰی لَهُمْ﴾ سے مراد ان کا بیان وعید ہے۔ (جامع البیان:55/26)

سوال 2: ایمان والے کیوں کہتے تھے کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی گئی؟

جواب: ایمان والے جہاد کی اجازت چاہتے تھے اور جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہتے تھے کہ کوئی سورت نازل کیوں نہیں کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہو۔

سوال 3: ﴿سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ ''پختہ سورت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ایسی سورت ہے جس کے احکامات منسوخ نہیں ہوتے۔

سوال 4: جہاد کا حکم کن لوگوں پر گراں گزرتا تھا؟

جواب: جہاد کا حکم منافقین پر گراں گزرتا تھا۔

سوال5: جہاد کے حکم پر منافقوں کی کیا حالت ہوگئی تھی؟

جواب: جہاد کے حکم پر منافق رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسے دیکھتے تھے جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔

﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۗ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۗ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾

''حکم ماننا اور بھلی بات کہنا، پھر جب حکم جہاد پختہ ہوجائے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سچے رہیں تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوگا'' (21)

سوال1: ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۗ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۗ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''حکم ماننا اور بھلی بات کہنا، پھر جب حکم جہاد پختہ ہوجائے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سچے رہیں تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ ''حکم ماننا اور بھلی بات کہنا'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ یہ آیت ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ نازل ہونے سے پہلے جب منافقین سے کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرنے والے ہیں تو یہ کہتے ہم سمع واطاعت کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے محکم سورۃ نازل فرما دی جس میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا تو ان پر یہ بہت گراں گزرا اور انہوں نے اسے ناپسند کیا۔ یعنی ان منافقین کے ہاں سمع واطاعت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھی جب فرض کر دیا گیا تو یہ اسے ناپسند جاننے لگے اور اسے اپنے لئے تکلیف دہ عمل سمجھنے لگے۔ (جامع البیان: 56/26)

(2) یعنی اب تو ان کے لیے حکم پر عمل کرنا واجب ہوگیا ہے اس لیے وہ حکم کی تعمیل کریں۔

(3) ﴿فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ﴾ ''جب حکم جہاد پختہ ہوجائے'' یعنی جب کوئی سخت اور واجب معاملہ آ گیا تو اس حال میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے اور اس کی اطاعت میں پوری کوشش کے ذریعے سے، اس کے ساتھ صدق کا معاملہ رکھتے۔ (تفسیر سعدی: 2551/3)

(4) ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ﴾ ''تو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے سچے رہیں'' یعنی اگر وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے۔

(5) ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوتا'' یعنی جہاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے نیک نیتی اور اخلاص کا ثبوت دیتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

سوال2: جہاد کے حکم پر لوگوں کے لیے کیسا رویہ اختیار کرنا بہتر تھا؟

جواب: جہاد کے حکم پر لوگوں کے لیے زیادہ مناسب تھا کہ وہ سنتے اور اطاعت کرتے۔

سوال3: بھلی بات کہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم ماننے کی بات کرتے۔

سوال4: ''پختہ فیصلہ ہونے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے جہاد کی تیاری مکمل ہو جائے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ سے سچے رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں کھوٹ کو دور کر لیں یعنی نفاق کو چھوڑ دیں اور خالص ہو جائیں۔

(2) اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑنے کے لئے جو رسول سے معاہدہ کیا ہے اس میں سچے رہیں۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ سے سچا رہنا کس کے مقابلے میں بہتر ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے سچا رہنا اس سے مخالفت اور کھوٹ کے مقابلے میں بہتر ہے (2) توبہ اور اخلاص نفاق سے بہتر ہے۔

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾

''پھر بلاشبہ تم سے توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کر دو گے اور اپنے رشتوں کو توڑ دو گے'' (22)

سوال 1: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ ''پھر بلاشبہ تم سے توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد برپا کر دو گے اور اپنے رشتوں کو توڑ دو گے'' فساد اور قطع رحمی کی ممانعت کی وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب (1): ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ''پھر بلاشبہ تم سے توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ'' اگر ﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾ کا معنی پھر جانا اور اعراض کرنا لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم جہاد سے بدک کر اسلام سے پھر جاؤ تو تمہارے متعلق یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ تم پر پھر اسلام سے ماقبل کی حالت عود کر آئے۔ انہی پہلی سی قبائلی جنگوں میں تم پڑ جاؤ جن سے نکلنے کی تمہیں کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ (تیسیر القرآن 4/231)

(2) ﴿اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ ''تو تم زمین میں فساد برپا کر دو گے'' یعنی زمین میں شرک اور نافرمانیاں کرو گے۔

(3) ﴿وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ ''اور اپنے رشتوں کو توڑ دو گے'' اور رشتہ داریوں کو کاٹیں گے قطع رحمی کر کے اپنی جاہلیت والی زندگی کی طرف لوٹ جاؤ گے یعنی یہ احتمال کرتے اگر تم جہاد نہ کرو تو ملک میں بدامنی پھیلاؤ گے۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کی تخلیق فرمائی تو جب اس کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ فارغ ہوئے تو رحم کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کوکھ یعنی پہلو سے تخلیق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے کیا ہے تو رحم نے کہا قطع رحمی کے بعد میرا لوٹنے کا یہی ٹھکانہ اور مکان ہے تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہے کہ جو تجھے کاٹے گا میں اسے کاٹ دوں گا اور جو تجھے قائم رکھے گا میں اس کو قائم رکھوں گا تو رحم نے کہا ہاں ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرے لیے ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر تمہیں پسند ہے تو یہ آیت کریم تلاوت فرما لیں۔ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا

أَرْحَامَكُمْ﴾(بخاری:4830)

(5)سیدنا ابی بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''سرکشی اور قطع رحمی دوسرے گناہوں کی بہ نسبت زیادہ لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے مرتکب کو دنیا میں بھی جلد سزا دے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اس کے لیے اس سزا کو ذخیرہ رکھے۔''(مسند احمد:20423)

(6)امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا''نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، بیت اللہ کا حج کر، والدین کے ساتھ نیکی کر، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر، مہمانوں کی توقیر کر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے اور جب تک تو زندہ ہے ہمیشہ حق کا ساتھ دینا۔''(تفسیر الدر المنثور:51/6)

(7)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں، مجھے کسی چیز کے بارے میں خبر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے، میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتایئے جو میں کروں تو جنت کا حقدار بن جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سلام کو عام کر، حاجت مندوں کو کھانا کھلا، صلہ رحمی کر، اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تو قیام کر، (تو ان امور کو بجالانے سے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوگا۔(بیہقی)

(8)طیالسی، حاکم اور بیہقی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے نسبوں کی پہچان رکھو، صلہ رحمی کیا کرو، جب آپس میں دوری بڑھ جائے تو اس وقت صلہ رحمی کرو اگرچہ وہ تمہارے قریبی ہی کیوں نہ ہوں، اور جو باہم ملے ہوئے ہیں ان کے درمیان دوری نہ ڈالو اگرچہ وہ تمہارے لئے اجنبی ہی کیوں نہ ہوں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا صلہ رحمی اللہ تعالیٰ کے عرش کے ساتھ معلق ہے جب رشتہ داری جوڑنے والا آتا ہے تو اسے اس کے ساتھ خوشخبری دی جاتی ہے اور جب رشتہ داری توڑنے والا آتا ہے تو اس سے اسے روک لیا جاتا ہے۔(الدر المنثور:51/6)

(9)سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ (صحیح معنوں میں) رشتے ناطے ملانے والا وہ ہے جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''(بخاری:5991)

(10)سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والے کو اللہ ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو اللہ خود توڑتا ہے۔''(ترمذی:1924)

سوال2:﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾''اگر تمہیں حکومت مل جائے'' آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر تمہیں حکومت مل جائے یعنی اقتدار اور اختیار مل جائے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے یعنی قتل وغارت گری کرو گے اور رشتے داری

کو کاٹو گے۔

سوال 3: رشتوں کو کیسے توڑا جاتا ہے؟

جواب: جب انسان اللہ تعالیٰ کے آگے رشتوں کے بارے میں جواب دہی کا احساس نہیں کرتا تو رشتوں کو توڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

سوال 4: رشتہ داری کیسے مضبوط کی جاسکتی ہے؟

جواب: (1) صلہ رحمی حُسنِ سلوک سے ہوتی ہے۔ (2) رشتے داروں کے ساتھ دُکھ سکھ میں شریک ہونے سے رشتہ داری جڑتی ہے۔

(3) رشتے داروں پر مال خرچ کر کے رشتہ داری جڑتی ہے۔

سوال 5: رشتہ دار کیسے مضبوط کی جاسکتی ہے؟

عقیدہ کو مضبوط کر کے رشتہ داری مضبوط کی جاسکتی ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾

''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے پس اُنہیں بہرا کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا'' (23)

سوال 1: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے پس اُنہیں بہرا کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے'' ایسے فساد کرنے والوں اور رشتہ داریاں توڑنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

(2) ﴿فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ﴾ ''پس اُنہیں بہرا کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا تو اب نہ وہ ایسی بات کو سنتے ہیں جو انہیں فائدہ دے، نہ وہ دیکھتے ہیں کہ دیکھنا انہیں نفع دے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ان کے کان پھوڑ دیے ہیں اور آنکھیں اندھی کر دی ہیں اس آیت میں فساد مچانے کی عموماً اور قطع رحمی کی خصوصیت سے ممانعت ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1886/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں پر لعنت کی ہے اُن سے کیا معاملہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے کانوں کو حق سننے سے بہرہ کر دیا۔ آنکھوں کو حق دیکھنے سے اندھا کر دیا۔

سوال 3: کانوں کے بہرہ کرنے اور آنکھوں کے اندھا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حواس کو معطل کر دیا ہے۔

(2) اس سے مراد ہے کہ ان کے حواس اپنا فرضِ منصبی ادا نہیں کر رہے۔

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾

''تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا کچھ دلوں پر ان کے تالے ہیں'' (24)

سوال 1: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ ''تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا کچھ دلوں پر ان کے تالے ہیں'' قرآن مجید میں غور کرنے کا حکم دیا گیا ہے وضاحت آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) منافقین کی بھلائی کے کاموں اور سماعتِ قرآن سے بے رخی کی حالتِ زار بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن میں غور وفکر کی دعوت پیش کی ہے اور قرآن سے بے رخی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ اس لئے کہ کہیں وہ ہلاکت خیز گناہوں کی دلدل میں نہ پھنس جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ان کے لئے درحقیقت اسلام اپنے تمام تر روشن دلائل و براہین کے ساتھ آشکار ہو چکا تھا۔ یا وہ صفات محمد ﷺ جو تورات میں موجود تھیں وہ بھی اُن کے لئے اپنے تمام تر روشن معجزات کے ساتھ واضح ہو چکی تھیں لیکن اس کے بعد بھی انہوں نے کفر وارتداد کی راہ اختیار کی ہے۔ بعدازاں اُن کے ارتداد کی وجہ بھی بیان کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کہا تھا کہ: ہم بعض معاملات وحالات میں تمہاری فرمانبرداری کریں گے۔'' (تفسیر المنیر: 445/13)

(2) ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ ''تو کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے'' یعنی وہ قرآن میں غور کر کے حق اور باطل کی پہچان کر لیتے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں پر واجب ہے کہ وہ قرآن میں تفکر وتدبر سے کام لیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اغراض و مقاصد سے معرفت حاصل کر سکیں۔ اور اس بات سے بھی آگاہ ہو سکیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام سے راہِ فرار اختیار کرنے والوں کے لئے کیسی کیسی سزائیں تیار کر رکھی ہیں۔ لہٰذا اگر وہ (یعنی مسلمان وغیر مسلم) قرآن کی فہم وتفہیم اور تفکر وتدبر کی راہ اختیار نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں کو کفر وعناد کے ایسے تالوں سے مقفل کر دے گا جس کے بعد وہ عقل وخرد سے عاری نظر آئیں گے۔ (تفسیر منیر: 450/13)

(3) کتاب اللہ سے روگردانی کرنے والے یہ لوگ کتاب اللہ میں تدبر اور غور وفکر کیوں نہیں کرتے، جیسا کہ غور وفکر کرنے کا حق ہے اگر انہوں نے اس میں اچھی طرح تدبر کیا ہوتا تو یہ بھلائی کی طرف ان کی راہ نمائی کرتی، انہیں ہر برائی سے بچاتی، ان کے دلوں کو ایمان سے اور ان کی عقلوں کو ایقان سے لبریز کر دیتی، وہ انہیں بلند مقاصد اور انمول عطیات تک پہنچاتی، ان کے سامنے وہ راستہ روشن کر دیتی جو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت تک پہنچاتا ہے نیز اس جنت کی تکمیل کرنے والے امور پر اور اس کو فاسد کرنے والے امور پر دلالت کرتی، انہیں وہ راستہ بھی دکھاتی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف جاتا ہے اور یہ بھی بتاتی کہ جس چیز کے ذریعے سے اس سے بچا جائے۔ وہ انہیں ان کے رب، اس کے اسماء وصفات اور اس کے احسان کی معرفت عطا کرتی، ان میں بے پایاں ثواب حاصل کرنے کا شوق پیدا کرتی

اور انہیں دردناک عذاب سے ڈراتی۔ (تفسیر سعدی: 2552/3)

(4) ﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ ''یا کچھ دلوں پر ان کے تالے ہیں'' سیدنا مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یعنی دل پر مہر لگا دی گئی ہے اور اقفال دل کے بند ہونے سے استعارہ لیا گیا ہے جو اسلام اور قرآن کی معرفت سے بند ہے۔ اور تنکیر القلوب کا معنی ہے دلوں کا یہ ارادہ فرمانا اور اسی طرح کی جو دوسری مثالیں ہیں۔ (تفسیر الوسیط: 127/4)

(5) سیدنا خالد بن معدان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص کی چار آنکھیں ہوتی ہیں دو آنکھیں اس کے سر میں ہیں جو وہ اپنی دنیا اور عیش و معیشت کے لئے بروئے کار لاتا ہے اور انہیں استعمال کرتا ہے۔ اور دو آنکھیں اس کے دل میں اس کے دین کی اصلاح کے لیے ہوتی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے اس سے غیب کا وعدہ فرمایا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی سے فلاح و کامیابی اور بھلائی کا ارادہ و قصد فرما لیتا ہے تو اس کے دل کی دونوں آنکھوں کو کھول دیتا ہے اور جب اس سے اس کے علاوہ کوئی ارادہ فرماتا ہے تو ان دونوں آنکھوں کو جکڑ دیتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ (تفسیر الطبری: 58/26)

(6) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ابن جریر ہشام سے اور وہ اپنے باپ عروہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اس آیت کریم کی تلاوت فرمائی ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ تو اہل یمن سے ایک نوجوان نے کہا بلکہ اس پر تالا لگ گیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا اور اس کو آزاد کر دیا تو وہ نوجوان اپنی پوری زندگی اسی طرح رہا یہاں تک کہ وہ ولی بن گیا اور اس سے مدد لیتا رہا۔ (الاساس فی التفسیر: 5326/9)

(7) یعنی کیا ان کی عقلوں پر تالے لگ گئے ہیں کہ وہ قرآن حکیم کی نصیحتوں اور دلائل کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ پڑھتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے دروازے کھول دیتا اور وہ ہدایت اور گمراہی کو پہچان جاتے۔ اب جب کہ ان کے دلوں پر تالے ہیں تو ہدایت دلوں میں کبھی داخل نہیں ہوگی۔

سوال 2: قرآنِ مجید پر کیسے غور و فکر کیا جا سکتا ہے؟

جواب: (1) غور و فکر کرنے کے لیے سنجیدگی ضروری ہے۔ اگر کسی بھی وجہ سے انسان کے اندر کوئی غلط جذبہ بیدار ہو جائے تو وہ غور و فکر نہیں کر سکتا خواہ قرآنِ مجید کو کتنے ہی اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہو۔

(2) قرآنِ مجید پر غورر و فکر کرنے کے لیے آنکھوں کے پردوں کا زائل ہونا ضروری ہے۔

(3) قرآنِ مجید پر غور و فکر کرنے کے لیے اس کو سننا ضروری ہے۔ جب کان سنتے ہیں تو قرآنِ مجید کی روشنی تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے، انسان کے شعور میں ہلچل پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قرآنِ مجید کے معانی اور مفاہیم سمجھ آنے لگتے ہیں۔

سوال 3: دل پر تالے لگنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد انسان کی وہ نفسیاتی حالت ہے جس میں وہ کچھ سننے، پڑھنے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ﴾

''یقیناً جولوگ اپنی پشتوں پر پھر گئے اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت واضح ہوگئی، اُن کے لیے شیطان نے (ان کا عمل) خوش نما بنا دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی۔'' (25)

سوال 1:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ﴾ ''یقیناً جولوگ اپنی پشتوں پر پھر گئے اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت واضح ہوگئی، اُن کے لیے شیطان نے (ان کا عمل) خوش نما بنا دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی'' اس آیت میں مرتد ہونے کی مذمت ہے وضاحت کریں؟

جواب: (1) شانِ نزول: کہا گیا ہے یہ منافقین کے بارے میں ہے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ اُن منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا پھر اُن کے دِل مردہ ہوگئے تھے۔ (تفسیر منیر:13/447)

(2) ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ ''یقیناً جولوگ اپنی پشتوں پر پھر گئے اس کے بعد کہ اُن کے لیے ہدایت واضح ہوگئی'' یعنی وہ اسلام سے جاہلیت کی طرف لوٹ گئے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: انہوں نے علیحدگی اختیار کی اور راہِ کفر پر گامزن ہوئے۔ (الاساس فی التفسیر:9/5315)

(3) یعنی جن کے دل کفر کی طرف لوٹ گے لیکن زبانیں نہیں لوٹیں اور وہ منافق ہیں۔ یہ معاملہ تب ہوا جب ان پر ہدایت واضح ہوگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ان کے دین اسلام کی صحت (ایسر التفاسیر:1480/1481)

(4) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں مروی ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى﴾ کہ ان سے مراد، اللہ تعالیٰ کے دشمن اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اچھی طرح واقف تھے لیکن اس کے باوجود بھی آپ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ (جامع البیان:26/59)

(5) ﴿الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَ اَمْلٰى لَهُمْ﴾ ''ان کے لیے شیطان نے (ان کا عمل) خوش نما بنا دیا اور ان کے لیے مہلت لمبی بتائی'' رب العزت نے آگاہ فرمایا ہے کہ ان کا کفر کی طرف لوٹنا کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے دشمن ابلیس نے انہیں گمراہ کیا اور برائیوں کی ترغیب دلائی۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ ''وہ اُنہیں وعدے دیتا ہے اور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے۔ اور شیطان ان سے دھوکہ کے سوا کوئی وعدہ نہیں کرتا۔'' (النساء:120)

سوال2: ایمان لانے کے بعد الٹے پاؤں پھرنے کا سبب کیا ہے؟

جواب: (1) شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالے۔ (2) شیطان نے انہیں لمبی آرزوؤں کے دھوکے میں مبتلا کیا۔

سوال3: شیطان نے کب لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی؟

جواب: شیطان نے ایمان لانے اور ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد وسوسہ اندازی کی۔

سوال4: شیطان کی وسوسہ اندازی کس بارے میں تھی؟

جواب: (1) شیطان کی وسوسہ اندازی جہاد کے بارے میں تھی۔

(2) شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا تھا کہ ابھی تمہاری اتنی عمر پڑی ہے کیوں جہاد میں اپنی جان گنواتے ہو۔

سوال5: شیطان کی وسوسہ اندازی کا کیا نتیجہ نکلا؟

جواب: شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجے میں منافق یہودی سازش میں شریک ہوگئے اور انہوں نے وعدہ کرلیا کہ جو منصوبہ بندی وہ کریں گے یہ ان کی اطاعت کریں گے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚۖ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾

''یہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں نے اُن لوگوں سے کہا، جنہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی کہ بعض معاملات میں ہم جلد ہی تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کے رازوں کو جانتا ہے'' (26)

سوال1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں نے اُن لوگوں سے کہا، جنہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی کہ بعض معاملات میں ہم جلد ہی تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کے رازوں کو جانتا ہے'' نفاق کی نحوست کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی یہ وبال (2) ﴿بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ﴾ ''اس وجہ سے کہ بے شک انہوں نے اُن لوگوں سے کہا، جنہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی'' انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے نفرت کرتے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحی کو برا جانا۔

(3) یہ نفاق کا وبال جو ان کے دلوں پر چھا رہا تھا جس کی وجہ سے ان کا ظاہر اور باطن ایک نہیں تھا۔

(4) ﴿سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ﴾ ''کہ بعض معاملات میں ہم جلد ہی تمہاری اطاعت کریں گے'' یعنی جو کام ان کی خواہشات کے مطابق ہیں ان کے بارے میں کافروں سے کہتے تھے عنقریب ہم کچھ باتوں میں تمہارا ساتھ دینے والے ہیں۔

(5)﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اُن کے رازوں کو جانتا ہے''رب العزت نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

سوال 2: کن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو بُرا سمجھا؟

جواب: مدینہ کے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو بُرا سمجھا۔

سوال 3: مدینہ کے یہودیوں نے کتاب کے نزول کو کیوں بُرا سمجھا؟

جواب: (1) یہودی یہ سمجھتے تھے کہ آخری رسول یہودی ہوگا۔ رسالت کا خاتمہ ان پر ہوگا۔

(2) یہودی یہ توقع رکھتے تھے کہ کافروں پر مکمل فتح آخری رسول کے دور میں ہوگی اور وہ پوری دنیا پر غالب ہوگا۔ اس طرح پوری دنیا پر یہودیوں کی حکومت قائم ہوگی۔ جبکہ اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ بنی اسرائیل سے آگئے۔ پھر وہ ہجرت کر کے جب مدینہ آئے تو یہودیوں کا اثر ورسوخ ختم ہوگیا اس وجہ سے یہ کتاب کے نزول کو بُرا سمجھتے تھے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے خفیہ سازشوں پر کیا تبصرہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ باتیں جانتا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ یہ دراصل دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت کے مقابلے میں کوئی قوت نہیں۔

﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾

''تو کیا ہوگا جب فرشتے ان کی ارواح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر ماریں گے''(27)

سوال 1:﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ ''تو کیا ہوگا جب فرشتے ان کی ارواح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر ماریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَكَيْفَ﴾ ''تو کیا ہوگا''یعنی ان کا بُرا حال آپ دیکھیں گے۔

(2)﴿اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''جب فرشتے ان کی ارواح قبض کریں گے''یعنی جب روح قبض کرنے والے مقررہ فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے۔

(3)﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ ''ان کے چہروں اور ان کی کمروں پر ماریں گے''یعنی جب روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی اور فرشتے انہیں مار مار کے نکالیں گے، جیسا کہ فرمایا:﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، وہ ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو''(الانفال:50)﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ

﴿أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَن قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ ''اوراس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟ یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ اس پر کچھ وحی نہ کیا گیا ہو اور جو کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جلد ہی میں بھی ویسا ہی اُتاروں گا، اور کاش آپ دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ ''نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کیا کرتے تھے'' (الانعام:93)

(4) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کیفیت کو بیان کیا ہے کہ جب فرشتے ان کی ارواح کو قبض کرنے آئیں گے، اپنی خواہشات کی پیروی اور اپنے رب کی ناراضگی کی وجہ سے وہ فرشتے ان کے چہروں پر تھپڑ ماریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ساتھ موت کے وقت اُن کے رسوا کن حالات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اور مکمل صراحت کے ساتھ اُن کے لئے اس بات کا اعلان کردیا ہے کہ دنیا، ایک امتحان گاہ ہے جس میں اوامر ونواہی کے ساتھ امتحان مقصود ہے جیسا کہ جہاد وغیرہ جیسے مشکل ترین امور ہیں۔ ان سب باتوں کا مقصد یہ تھا کہ ایک سچا مجاہد اپنے ایمان کے بارے میں اور ایک صابر جو مصائب وآلام پر صبر کرتا ہے اپنے ایمان کے بارے میں علم وآگاہی حاصل کرلیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ منافقین بھی اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا اور وہ باتیں جن کو وہ ادھر اُدھر پھیلا رہے ہیں۔ ان سب امور کا دنیا میں ہی موازنہ کرلیں۔ بصورت دیگر روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان سے اُن کے اعمال کا حساب وکتاب ضرور لے گا۔ (تفسیر منیر:446/13)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اُلٹے پاؤں پھرنے والوں کو ان کے انجام کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ربّ العزت نے موت کے منظر میں لے جا کر آج کے عمل کا انجام دکھایا ہے کہ جب فرشتے روحیں قبض کریں گے۔ اپنی موت کے وقت کیسے بے بس ہوں گے۔ فرشتے ان کی نئی زندگی کے آغاز پر اُن کے چہروں اور کمروں پر ماریں گے۔ اس وقت جب روح بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی پھرے گی، اِدھر اُدھر بھاگے گی تو فرشتے زور زور سے پکڑ پکڑ کر کھینچیں گے اور ماریں گے۔ موت کے اس دردناک منظر کو دکھا کر عبرت دلائی گئی ہے کہ دیکھو اُلٹے پاؤں پھرنے کی کیا سزا ہے۔

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾

''یہ اس وجہ سے کہ یقیناً اُنہوں نے اُس کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیا اور اُنہوں نے بھی اُس کی رضا کو بُرا جانا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال ضائع کردیے'' (28)

سوال 1: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ ''یہ اس وجہ سے کہ یقیناً اُنہوں نے اُس

کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا اور اُنہوں نے بھی اُس کی رضا کو بُرا جانا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی یہ عذاب جس کے وہ مستحق بن گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے۔

(2)﴿بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ﴾ ''اس وجہ سے کہ یقیناً اُنہوں نے اُس کی پیروی کی جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا'' کہ انہوں نے ہر کفر اور گناہ کا کام کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

(3)﴿وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾ ''اور اُنہوں نے بھی اُس کی رضا کو بُرا جانا'' یعنی انہیں ایسے کاموں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنتے ہیں مثال کے طور پر جہاد فی سبیل اللہ۔

(4)﴿فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیے'' اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ان امور کی پیروی کرنے والوں کی برائیاں دور کر دے گا اور انھیں کئی گنا ثواب عطا کرے گا۔

سوال 2: برے انجام کا سبب کیا ہے؟

جواب: (1) یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اس طریقے کی پیروی کی جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہے۔

(2) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیئے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا راستہ کون سا ہے؟

جواب: (1) نفاق، شرک، کفر اور نافرمانی کا راستہ۔

(2) اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دین کے دشمنوں کے ساتھ مل کر سازشیں تیار کرنا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ کس کو ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی رضا یعنی اسلام کا، محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ اُسی کو ملتا ہے جو اس کے لیے کوشش کرے۔

رکوع نمبر 8

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ﴾

''یا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے کینوں کو ہرگز باہر نہیں نکالے گا؟'' (29)

سوال 1: ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ﴾ ''یا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے کینوں کو ہرگز باہر نہیں نکالے گا؟'' اللہ تعالیٰ منافقوں کا پول کھول کر رہے گا، آیت کی روشنی

میں وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''یا ان لوگوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کیا ہے'' یعنی جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے کیا وہ گمان کرتے ہیں۔

(2)﴿اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ اُن کے کینوں کو ہرگز باہر نہیں نکالے گا'' کہ اللہ تعالیٰ ان کی منافقت کا پول نہیں کھولے گا اور ایمان والوں پر ان کے دلی بغض اور دلی حسد کی حقیقت کو ظاہر نہیں کرے گا۔

(3) ان کے دلوں میں اسلام اور اہلِ اسلام کے لئے اور جو اسلام کی اعانت کرتے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت کے کام کرتے ہیں ان کے خلاف جو کینہ اور دشمنی ہے اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سچ اور جھوٹ کو واضح کرتے ہیں۔ اس کے لئے امتحانی صورت حال پیدا کر دی جاتی ہے۔ جو امتحان میں کامیاب ہو وہ سچا مومن ہے اور جو کامیاب نہ ہو اس کے دل کا بغض اور کینہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

سوال 2: ﴿اَضْغَان﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد حسد، کینہ اور بغض ہے۔

سوال 3: منافقین مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو چھپانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا شعور دلایا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا کہ تمہارے دلوں کے اندر جو کینہ، بغض اور حسد ہے اور اوپر سے تم نے اسلام کا جھوٹا لبادہ اوڑھ رکھا ہے تو کیا وہ اسے ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ سارے راز کھول سکتا ہے اور مسلمانوں کو یہ بتا سکتا ہے کہ ان منافقوں کے دلوں میں کتنا بغض بھرا ہوا ہے۔

﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾

''اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ کو وہ سب دکھا دیں پھر اُن کے چہرے کی علامات سے آپ اُنہیں ضرور پہچان لیتے اور آپ انہی کے اندازِ کلام سے ضرور اُنہیں پہچان جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے'' (30)

سوال 1: ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ کو وہ سب دکھا دیں پھر اُن کے چہرے کی علامات سے آپ اُنہیں ضرور پہچان لیتے اور آپ انہی کے اندازِ کلام سے ضرور اُنہیں پہچان جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو جانتا ہے'' کیا نبی ﷺ کو منافقوں کی صورتیں دکھائی گئیں

ہیں آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ﴾ ’’اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ کو وہ سب دکھادیں پھر اُن کے چہرے کی علامات سے آپ اُنہیں ضرور پہچان لیتے‘‘ یعنی اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر ہم چاہیں تو منافقوں کی صورتیں آپ کو دکھادیں۔ آپ ان کی علامات سے انہیں پہچان لو گے۔

(2) منافقین کی جماعت کے بارے میں حدیث پاک سے ثابت ہے امام احمد عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:’’تم میں منافقین موجود ہیں جس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہوتا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا فلاں کھڑا ہو جائے، فلاں کھڑا ہو جائے، فلاں کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے 36 آدمیوں کا نام لیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم میں ابھی بھی منافق موجود ہیں اللہ سے ڈر جاؤ (تقویٰ اختیار کرلو)۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان منافقین میں سے ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ اس وقت اپنا چہرہ کپڑے سے لپیٹے ہوئے تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے۔ پوچھا کیا ہے؟ تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی اوپر والی حدیث بیان کی۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے غارت کرے۔ (مسند احمد 5/237، تفسیر المراغی: 9/196,197)

(3) جب غزوہ تبوک سے واپسی پر منافقوں نے آپ ﷺ کو ایک گھاٹی کی راہ پر ڈال کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی تو اس وقت سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اور آپ ﷺ کے کہنے پر ان منافقوں کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ڈھال سے پے در پے وار کر رہے تھے۔ بعد میں یہی منافق اہل عقبہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان چودہ پندرہ منافقوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام بھی بتادیئے تھے۔ تاہم آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی کردی تھی کہ ان ناموں کو دوسروں پر ہرگز ظاہر نہ کرنا۔ اسی لیے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو راز دان رسول ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/233,234)

(4)﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ ’’اور تم اُن کے اندازِ کلام سے ضرور اُن کو پہچان لو گے‘‘ یعنی آپ ان کے دل کی بات یعنی کینہ، حسد، بغض اور مسلمانوں کے بارے میں تو زبان کی لغزش سے پہچان لو گے۔

(5) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث اور امیر المومنین فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی پوشیدگی کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے چہرے پر اور اس کی زبان پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ (تفسیر المراغی: 9/196)

(6)﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جانتا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے خطاب کرکے فرمایا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے وہ تمہیں اس کے مطابق تمہیں جزا دے گا۔ اس پہ ایمان اور تقویٰ پر صبر کرو۔ (ایسر التفاسیر: 1482)

سوال 2: اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو تو وہ منافقوں کے بارے میں کیسے آگاہ کر سکتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم چاہیں تو (1) تمہیں آنکھوں سے دکھادیں۔ (2) تم اُن کو چہرے سے پہچان لو۔ (3) ایک ایک کی شخصیت

تمہیں بتا دیں۔(4) تم انہیں علامتوں سے پہچان لو۔

سوال 3: تمام منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ اللہ تعالیٰ کے ستار العیوب ہونے کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ پردہ پوشی فرماتے ہیں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ منافقین سے کیسا معاملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ منافقوں اور عام انسانوں کے ساتھ اُن کے ظاہر کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

(2) باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اُس کے سپرد کر دیا جائے۔

سوال 5: انسان دوسرے انسانوں کو کیسے پہچان جاتے ہیں؟

جواب: (1) انسان لہجے اور اندازِ گفتگو سے پہچان لیتے ہیں کیونکہ یہ دل کی عکاسی کرتے ہیں۔

(2) انسان دل کی باتیں چھپانا بھی چاہیں تو حرکات وسکنات اور مخصوص کیفیات اس کے دل کے حالات کو ظاہر کر دیتی ہیں۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾

''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں

اور تمہارے احوال کو جانچ لیں'' (31)

سوال 1: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تمہارے احوال کو جانچ لیں'' اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے انسان ممتاز ہو جاتا ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ ''اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے'' اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ ضرور اپنے بندوں کو آزماتا ہے اس لئے اس نے سب سے بڑے عمل پر اپنے بندوں کی آزمائش کی اور وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے اہل ایمان کا تذکرہ فرما رہے ہیں ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ﴾ ''اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہیں دشمن سے جہاد وقتال سے آزمائے گا'' (جامع البیان:62/26)

(3) رب العزت نے فرمایا ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے ﴿حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ ''یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں۔ اور ہم تمہارے احوال کی جانچ کر لیں'' یعنی تمہارے ایمان اور صبر کا امتحان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات اور ممانعتوں سے آزماتے ہیں۔ یہ مومن جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ کسی امر کے واقع

ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ مومنوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ مخلص کون ہے اور منافق کون ہے! جو مخلص ہو وہ اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لیے جہاد کرتا ہے اور جو سستی سے کام لیتا ہے اس کے ایمان میں کمزوری ہوتی ہے۔

(4) سیدنا ابراہیم بن اشعث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس آیت کریم کی تلاوت فرمائی تو رو پڑے۔ پھر فرمایا اے اللہ ہماری آزمائش نہ کرنا اگر ہم آزمائش میں ڈالے گئے تو ہماری برائیاں ظاہر ہو جائیں گی اور ہمارے پردے کھل جائیں گے۔ (تفسیر منیر 13/450)

(5) دنیا کی زندگی دارالامتحان اور دارالتوبہ ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے۔ اور اس طرح آزمائے کہ کون اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سلف صالحین کو مختلف امور کے انجام سے آزمایا۔ اور اسی طرح مجاہدین کی اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہادری دکھانا اور مختلف مصائب و آلام میں صابرین کا صبر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش تھی جس پر وہ پورا اترے ان کو ان کے غیر سے آزمایا گیا اور ملائکہ کے لئے ان کے امتحان کا اظہار کیا گیا جہاد ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ہر سچا اپنے ایمان کو جان لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اٰمَنَتْ﴾ وہ شخص جو ایمان کو ظاہر کرتا ہے اور کفر کو چھپائے ہوئے ہے اس کی پہچان ہو جائے گی۔ (تفسیر منیر: 13/452)

سوال 2: اللہ تعالیٰ آزمائش میں کیوں ڈالنا چاہتے تھے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ حالات کو جانچنا چاہتے تھے۔ (2) اللہ تعالیٰ مجاہد اور ثابت قدم لوگوں کو جانچنا چاہتے تھے۔

سوال 3: یہاں اللہ تعالیٰ کے علم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو سارے حالات کا پہلے سے علم ہے۔ وہ خفیہ حالات کو جاننے والا ہے۔ اس کے علم میں سبھی کچھ ہے۔ یہاں علم سے مراد اس کا واقع ہونا اور ظاہر ہونا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ہدایت اُن پر واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ضائع کر دے گا'' (32)

سوال 1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ہدایت اُن پر واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو ضائع کر

دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)اس سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین پھر منافقین کا تذکرہ فرمایا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ایک جماعت جو بنونضیر اور بنو قریظہ کے قبائل پر محیط تھی اس کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے پہلے تو خود کفر کیا پھر دیگر لوگوں کو ایمان و اسلام قبول کرنے سے روکا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مغلوب کرتے ہوئے ختم فرمادیا۔ کیونکہ انہوں نے حق کو جان لینے کے بعد اس کو ترک کردیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ صحابہ کا تذکرہ فرمایا۔ اور اس سے مراد بنوسعد قبیلہ کے صحابہ ہیں وہ اسلام قبول کرنے سے روکے گئے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نوازا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے بارے میں حکم نازل فرمایا جن کو کفر پر موت آئی تھی۔ ان کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی معاف نہیں فرمائے گا اور وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور کوئی بھی ان کی کمزوری و ضعف اور ذلت و رسوائی کی صدائیں بلند کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور مومن دنیا و آخرت میں مضبوط قوت و غلبہ اور فوقیت و برتری کے حامل ہوں گے۔ (تفسیر منیر:455/13)

(2)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' یعنی اللہ تعالیٰ ،اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور جو وہ دینِ حق میں سے لے کر آئے۔ (ایسر التفاسیر:1481,1482)

(3)﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا'' یعنی جو لوگوں کو اسلام سے پھیرتے ہیں۔

(4)اس کا مطلب ہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور لوگوں کو ہدایت و ارشاد کے راستے سے روکا۔ (صفوۃ التفاسیر:198/3)

(5)﴿وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى﴾ ''اور رسول کی مخالفت کی جب کہ ہدایت اُن پر واضح ہو چکی تھی'' یعنی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی ان سے دشمنی رکھی۔ ہدایت پا جانے کے بعد بھی انہوں نے دشمنی جاری رکھی۔

(6)﴿لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـــًٔا﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

(7)﴿وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اور جلد ہی وہ (اللہ تعالیٰ) اُن کے اعمال کو ضائع کر دے گا'' قیامت کے دن انہیں ناکامی اور دیوالیہ پن کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ اس دن خالی ہاتھ ہوں گے۔

(8)یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے لیے نہایت سخت وعید ہے جن میں ہر قسم کا شر جمع ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر' مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا' جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہنچانے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے۔ (تفسیر سعدی:2555/3)

(9)ارتداد سے پہلے کے نیک عمل مرتد ہونے کی وجہ سے برباد کر دیے جائیں گے اور انہیں ان کے اعمال کا مچھر کے برابر بھی ثواب نہیں ملے گا۔ جس طرح نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اسی طرح ارتداد اور کفر نیکیوں کو مٹا سکتا ہے۔ سیدنا ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خیال تھا کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں جس طرح شرک کے ساتھ کوئی نیک عمل مفید نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری پھر صحابہ رضی اللہ عنہم ڈرنے لگے

کہ کہیں گناہ نیکیوں کو نہ کھا جائیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ہمارا یہ خیال تھا کہ ہر نیکی مقبول ہے یہاں تک کہ یہ آیت اتری۔

سوال 2: یہاں کافروں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: اس سے مراد مشرکینِ مکہ ہیں۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کن اعمال کا تذکرہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے اور رسول کی مخالفت کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔

سوال 4: کافروں نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لیے کیا کیا؟

جواب: (1) کافر اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لیے سچائی کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے والے بن کر بیٹھ گئے۔

(2) انہوں نے حق بات سے روکنے کے لیے کوششیں کیں۔

(3) انہوں نے اپنی قوت اور وسائل جھونک دیے تاکہ اسلام کا پیغام پھیلنے نہ پائے۔

سوال 5: کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کیسے کی؟

جواب: (1) کافروں نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت کی۔ (2) انہوں نے اسلامی شریعت کی مخالفت کی۔

(3) انہوں نے اسلامی نظام کی مخالفت کی۔ (4) انہوں نے سنتِ رسول ﷺ کی مخالفت کی۔

(5) انہوں نے دعوت دینے والوں کی مخالفت کی۔

سوال 6: ہدایت واضح ہو جانے کے بعد لوگوں نے کیوں مخالفت کی؟

جواب: (1) ہدایت واضح ہو جانے کے بعد لوگوں نے ضد اور تعصب کی وجہ سے مخالفت کی۔ (2) انہوں نے خواہشات میں اندھا ہو جانے کی وجہ سے مخالفت کی۔ (3) انہوں نے دنیوی مفادات اور مصلحتوں کی وجہ سے مخالفت کی۔

سوال 7: کافروں کے اعمال کیوں برباد ہو جائیں گے؟

جواب: اسلام کا راستہ روکنے اور رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوٓا أَعْمَالَكُمْ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو“ (33)

سوال 1: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو'' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مراد ہے اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی کرتے ہوئے احکامات پر عمل کرنا اور نواہی سے اجتناب کرنا۔

(2)﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ﴾ کا مطلب اور مفہوم ہے کہ قرآن کریم کے احکام کو بجالاؤ﴿وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ سے مراد ہے کہ احکامات وزندگی میں آپ ﷺ کی اطاعت کرنا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت کی اتباع و پیروی کرنا۔(الاساس:5327/9)

(3)﴿وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ ''اور اپنے اعمال ضائع نہ کرلو'' یعنی اپنے اعمال کو شرک، ریا کاری اور نافرمانیوں سے باطل نہ کرلو۔(ایسر التفاسیر:1483)(4) یعنی اپنے اعمال کا ثواب ضائع نہ کرو۔

(5) اس کا مطلب ہے کہ اپنے اعمال حسنہ کو معصیات کا ارتکاب کر کے ضائع نہ کرو۔ یہ قول سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کبائر کا ارتکاب کر کے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ سیدنا مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی پر احسان جتلا کر اور کسی کو اذیت اور تکلیف پہنچا کر اپنے عملوں کو برباد نہ کرو۔ سیدنا عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: منافقت اور شرک کا ارتکاب کر کے اپنے عمل ضائع نہ کرو۔ سب سے اچھا اور اولیٰ قول یہ ہے کہ ہر اس سبب سے اور ہر اس چیز کے ارتکاب سے اجتناب کرنا جس سے عمل باطل ہو جاتے ہوں۔(تفسیر المراغی:199/9)

(6) یعنی اپنے اعمال کو ریا کاری اور منافقت سے باطل نہ کرلو۔

(7) اللہ تعالیٰ کے فرمان میں نہی عمل کو بجالانے کے بعد اس کو فاسد کرنے والے امر کے ذریعے سے اس کے باطل کرنے کو شامل ہے، مثلاً نیکی کرنے کے بعد احسان جتلانا، تکبر، فخر اور شہرت کی خواہش کرنا وغیرہ، نیز ایسے گناہوں کا ارتکاب جو نیک اعمال کو مضمحل کر کے ان کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتے ہیں۔ نیز یہ نہی عمل کے وقوع کے وقت، اس کو فاسد کرنے کو بھی شامل ہے، مثلاً عمل کو مکمل کیے بغیر چھوڑ دینا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب کرنا جو اس عمل کی مفسدات میں شمار ہوتا ہے۔ پس نماز، روزہ اور حج کو باطل کرنے والے امور اسی زمرے میں آتے ہیں اور ان سے روکا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے فقہاء بغیر کسی موجب کے فرض کو منقطع کرنے کی تحریم اور نفل کو منقطع کرنے کی کراہت پر استدلال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اعمال کو باطل کرنے سے روکا ہے تو اس نے گویا اعمال کی اصلاح، اس کی تکمیل و اتمام اور ان کو اس طرح بجالانے کا حکم دیا ہے جو علم و عمل کے اعتبار سے درست ہو۔(تفسیر سعدی:2555/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے حکم سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

(2) اُس دور میں ایسے لوگ موجود تھے جو مکمل اطاعت نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو قربانیاں ضرورت سے زیادہ لگ رہی تھیں۔ بعض

لوگوں کو رشتے برادری کے تعلقات کو کاٹنا مشکل لگ رہا تھا۔

سوال 3: اعمال کیسے باطل ہو جاتے ہیں؟

جواب: کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر عمل کیوں نہ لگے اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو وہ باطل ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے دراصل کس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے استقامت کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے اللہ تعالیٰ اُن کو ہر گز نہیں بخشے گا'' (34)

سوال 1: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا پھر اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے اللہ تعالیٰ اُن کو ہر گز نہیں بخشے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا'' یعنی جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا اور مخلوق کے سامنے باطل کو مزین کر کے اس کی دعوت دے کر حق سے دور کیا۔ مخلوق کو دین سے شریعت اور اس کی دعوت سے دور کیا۔

(2) ﴿ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ ''پھر اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے اللہ تعالیٰ اُن کو ہر گز نہیں بخشے گا'' یعنی وہ اس حال میں مر گئے کہ انہوں نے کفر سے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔ جہنم میں ان کا ہمیشہ رہنا لازم ہو گیا۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۶۱) خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ (۱۶۲)﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے'' (البقرہ: 162,161)

(4) آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ اپنی موت سے پہلے توبہ کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا، ان پر رحم کر کے جنت میں داخل کر دے گا خواہ انہوں نے اپنی عمریں کفر، اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیوں نہ گزاری ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے، اس نے کسی شخص پر، جب تک وہ زندہ ہے اور توبہ

کرنے پر قادر ہے، اپنی رحمت کے دروازوں کو بند نہیں کیا۔ اور پاک ہے وہ ذات جو نہایت حکم والی ہے، جو گناہ گاروں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتی، بلکہ ان کو معاف کرتی ہے اور انہیں رزق عطا کرتی ہے، گویا انہوں نے کبھی اس کی نافرمانی کی ہی نہیں، حالانکہ وہ ہستی ان پر پوری قدرت رکھتی ہے۔ (تفسیر سعدی:2556/3)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور توبہ کا دروازہ کب تک کھلا ہے؟

جواب: گناہ گاروں کے لیے مغفرت اور توبہ کا دروازہ سکراتِ موت تک کھلا رہے گا۔

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾

''چنانچہ تم کمزور نہ بنو اور نہ تم صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں کمی نہ کرے گا'' (35)

سوال: ﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ ''چنانچہ تم کمزور نہ بنو اور نہ تم صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں کمی نہ کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ﴾ ''چنانچہ تم کمزور نہ بنو اور نہ تم صلح کی طرف بلاؤ'' یعنی اپنے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں سستی کا اظہار نہ کرو، کمزور بن کر صلح کی درخواست نہ کرو، نہ خوف کھاؤ، صبر کرو اور ثابت قدم رہو۔

(2) ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ ''اور تم ہی سب سے بلند ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے'' یعنی تم غالب رہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو'' (ال عمران:139)

(4) ﴿وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ ''اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں کمی نہ کرے گا'' وہ تمہارے اعمال کے اجر کو کم نہیں کرے گا بلکہ تمہیں پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔ (ایسر التفاسیر:1483)

(5) اس آیت کے مفہوم سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام صلح پسندی کے خلاف ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں صلح جوئی جائز نہیں ہے جب اسے کمزوری پہ محمول کیا جائے اور دشمن اور زیادہ دلیر ہو جائیں بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوالیں اور پھر صلح کے لئے بات چیت کریں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ (ترجمان القرآن:387/3)

سوال2:امن اور صلح کون لوگ چاہتے تھے؟

جواب:(1) جو لوگ جہاد کی مسلسل مشقتوں کو بوجھ محسوس کر رہے تھے، جن کے ارادوں میں کمزوری تھے، وہ امن چاہتے تھے تاکہ جنگ سے بچ کر آرام میں رہیں۔(2) کچھ لوگوں کی مشرکین کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں اور مالی معاملات میں حصہ داری تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ صلح اور امن کو پسند کرتے تھے۔

سوال3:مسلمانوں کو صُلح کرنے سے کیوں روکا گیا؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ کا دین سربلند ہونے کے لیے ہے۔اس لیے وہ چاہتا ہے کہ دین سربلند ہو، غالب اور برتر ہو، اس لیے صلح کرنے سے روکا گیا ہے۔(2) مسلمان غالب اور برتر ہوں تو ایسی صورت میں صلح فقط کمزوری کا اظہار ہوا کرتی ہے۔اس لیے کفر پر کاری ضرب لگانے کا حکم ہے۔(3) کفر کے ساتھ مصالحت کا مطلب اس کا اثر ونفوذ بڑھانا ہے اور یہ ایک جرم ہے۔

سوال4: کیا اسلام کافروں کے ساتھ صُلح کی اجازت نہیں دیتا؟

جواب: اسلام اجازت دیتا ہے لیکن اس وقت جب مسلمان تعداد میں کم ہوں اور وسائل میں کمی ہو۔ایسے حالات میں لڑائی کی نسبت صلح میں فائدہ ہے تاکہ مسلمان موقعے سے فائدہ اٹھا کر تیاری کر لیں جیسے نبی ﷺ نے کفارِ مکہ سے جنگ نہ کرنے کا دس سالہ منصوبہ کیا تھا۔

﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾

''بلاشبہ دنیا کی زندگی صرف کھیل اور دل لگی ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ وہ تمہارے اجر تمہیں دے گا اور وہ تمہارے تمام مال تم سے نہیں مانگے گا'' (36)

سوال:﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔـلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ ''بلاشبہ دنیا کی زندگی صرف کھیل اور دل لگی ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ وہ تمہارے اجر تمہیں دے گا اور وہ تمہارے تمام مال تم سے نہیں مانگے گا'' دنیا میں نہ عزت وعظمت ہے نہ پائیداری ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم اور دشمنانِ اسلام سے صلح جوئی اور آمنے سامنے ہو کر اُن سے مقابلہ بازی کرنے میں کمزوری اور بزدلی اور بزدلی دکھانے سے منع کرنے کے بعد، جان ومال کے ساتھ جہاد کرنے پر انفاق فی سبیل اللہ پر، اہل ایمان کی آنکھوں میں دنیا کی بے ثباتی پر اور ایمان وتقویٰ پر ترغیب دلائی ہے تاکہ اہل ایمان کو مذکورہ اعمال کا فائدہ حاصل ہو جائے۔اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اختتام کی اس بات کے ساتھ حد بندی کر دی ہے کہ اگر تم نے ایمان، جہاد اور تقویٰ سے بے رخی اختیار کی تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایسی قوم کو لائے گا جو اس کے دین کی اقامت اور اس کی دعوت کی نصرت کے لئے تم سے زیادہ افضل ترین اور موزوں ترین ہوں

گے۔(تفسیر منیر:461/13)

(2)﴿اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ ''بلاشبہ دنیا کی زندگی صرف کھیل اور دل لگی ہے'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو اس دنیا کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہ دنیا محض لہو ولعب ہے یعنی بدن کے لیے لعب اور قلب کے لئے لہو، اس میں زہد کی ترغیب ہے۔ پس بندہ اپنے مال ومتاع، اولاد، اپنی زیب وزینت، اپنی بیویوں، ماکولات مشروبات سے حصول لذت، اپنے مساکن ومجالس، مناظر اور ریاست میں مگن ہو کر غافل اور ہر بے فائدہ عمل میں کھیلتا رہتا ہے بلکہ وہ بے کاری، غفلت اور گناہوں کے دائرے میں گھرا رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنی دنیا کی زندگی کو مکمل کر لیتا ہے اور اس کی اجل آجاتی ہے۔ جب یہ تمام چیزیں منہ موڑ کر بندے سے جدا ہو جاتی ہیں اور بندے کو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا خسارہ اور محرومی واضح ہو جاتی ہے اور اس کا عذاب آموجود ہوتا ہے تو یہ چیز خردمند شخص کے لیے، دنیا میں زہد، عدم رغبت اور اس کے معاملے میں اہتمام کی موجب ہے۔(تفسیر سعدی:2558/3)

(3) رب العزت نے دنیا کی حقارت اور ناپائیداری کو بیان فرمایا ہے کہ نہ تو اس میں عزت ہے، نہ عظمت اور نہ پائیداری ہے اس کی مثال بچوں کے گھروندے کی سی ہے کہ کھیلا تو کھیل لیا اور اکتا گئے تو توڑ دیا۔ وہ دنیا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جائے عظمت والی ہے۔ اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہو گا جو عظیم ہو گا۔ اس لئے فرمایا۔

(4)﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ﴾ ''اور اگر تم لوگ ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہارے اجر تمہیں دے گا'' یعنی گر تم ایمان لا کر گناہوں سے بچتے رہے تو قیامت کے دن تمہیں تمہاری نیکیوں کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

(5) یہ دنیا، لہو ولعب اور شغل وشہوت کی جگہ ہے۔ سعادت مند وہی ہے جو اس دنیا کو آخرت کے لئے اچھا استعمال کرلے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ضرورت وحاجت کے مطابق اس دنیا سے اپنے حق کو پس پشت نہیں ڈالتا۔ لہٰذا جس شخص نے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور فرائض کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب کے ساتھ اپنے رب سے تقویٰ اختیار کیا، تو وہ ابدی گھر یعنی آخرت میں بہت بڑے ثواب سے ہمکنار ہو گا۔(تفسیر منیر:464/13)

(6)﴿وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ﴾ ''اور تمہارے مال تم سے نہ مانگے گا'' یعنی وہ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ تمہارے مال لے کر تمہیں چھوڑ دے جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔ وہ تمہارے مال سے بے نیاز ہے جو تمہارے پاس ہے وہ بھی اس کا دیا ہوا ہے۔ جو تم صدقہ کرتے ہو وہ بھی اس کو نہیں چاہیے۔ وہ تو تمہارے محتاج بہن بھائیوں کی ہمدردی کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ قیامت کے دن تمہیں اس کا پورا پورا اجر ملے گا۔

سوال 2: دنیا کی زندگی کے ﴿لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ (کھیل تماشا) ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ دنیا کی زندگی ایک دھوکہ ہے، فریب ہے۔ (2) اس سے مراد ہے دنیا میں کسی چیز کو ثبات نہیں۔

(3) اس سے مراد ہے دنیا میں کسی چیز کی نہ کوئی بنیاد ہے نہ کسی چیز کا کوئی اعتبار ہے۔

سوال 3: ﴿لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ یعنی کھیل تماشے سے کیا چیز نکالتی ہے؟

جواب: لھوولعب سے ایمان اور تقویٰ نکالتا ہے۔

﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾

”اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال مانگے اور اصرار کے ساتھ مانگے تو تم بُخل کرنے لگ جاؤ گے اور وہ تمہارے دلوں کے کینوں کو باہر نکال دے گا“ (37)

سوال 1: ﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ ”اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال مانگے اور اصرار کے ساتھ مانگے تو تم بُخل کرنے لگ جاؤ گے اور وہ تمہارے دلوں کے کینوں کو باہر نکال دے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا﴾ ”اگر وہ تم سے اسے (تمہارے مال) مانگ لے، پھر وہ تم سے اصرار کر کے مانگے تو تم لوگ بخل کرنے لگو گے“ ﴿يُحْفِكُمْ﴾ حفا کا لغوی معنی کسی چیز کی طلب میں مبالغہ اور اصرار ہے پھر اسی مبالغہ اور اصرار سے بعض دفعہ تنگ کرنے کے معنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تم سے سارے ہی مال کا مطالبہ کر لیتا کیونکہ یہ مال اسی کا دیا ہوا تھا تو اکثر لوگ ایسے ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی کا ثبوت دیں گے۔ (تیسیر القرآن: 236/4)

(2) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ: درحقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کل مال کے سوال سے اسلام کے خلاف کینہ پروری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے وہ اس لیے کہ مال سے محبت انسانی فطرت وجبلت میں راسخ ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی شخص کی محبوب ترین چیز بھی مال کو اس طرح تقسیم کریں گے یعنی کل مال کا مطالبہ کریں گے تو وہ فوراً اسلام کے خلاف اپنے بغض وعناد کا اظہار کر دے گا۔ (تفسیر المراغی: 201/9)

(3) ﴿وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ﴾ ”اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے شدید کینے کو باہر نکال دے گا“ یعنی اگر وہ تم سے تمہارے مال کا مطالبہ کرتا اور تمہیں مجبور کرتا تو تمہارے دلوں کے کینے ظاہر ہو جاتے۔

(4) اس آیت میں ان لوگوں کے لیے دو درس درس ہے جو جہاد میں مصروف عمل ہوتے ہیں کہ وہ لوگوں کو زیادہ مال خرچ کرنے کا مکلف نہ بنائیں کیونکہ یہ روش انکی بخیلی وعدوات پر منتج ہوگی۔ اس آیت میں ایک دوسرا درس بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں مخفی نفاق کو جاننے کے لیے مال کثیر کے مطالبے کے ساتھ اس کا امتحان لیا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں ایک نیا درس یہ بھی ہے کہ منافق آدمی کی اس کی قولی غلطی کی وجہ سے معرفت ہو جاتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے فیصلے کے بارے میں اپنے طریقے کی وضاحت کر دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کبھی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا جو مال و دولت کی کمی کا باعث بن سکے۔ تاہم یہ بات بھی تمہارے علم میں ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو اپنے اموال اللہ کے

راستے میں خرچ کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہ اس لیے کہ جہاد، مال کا محتاج ہوتا ہے۔ (تفسیر الاساس:5329/9)

سوال 2: اگر اللہ تعالیٰ کل مال کا مطالبہ اصرار کے ساتھ کرے تو انسان کا کیا ردّ عمل ہوسکتا ہے؟

جواب: انسانی فطرت میں بخل ہے۔ اگر کل مال کا مطالبہ ہو تو انسان بخل بھی کرسکتا ہے اور اسلام کے خلاف غم وغصے کا اظہار بھی کرسکتا ہے۔

سوال 3: انسان کے دل کا کینہ کیسے ظاہر ہوسکتا ہے؟

جواب: اگر اللہ تعالیٰ سارا مال مانگ لے تو انسان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوجائیں اور دلوں کا کینہ ظاہر ہوجائے۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾

''سنو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے بس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو بدل لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے'' (38)

سوال: ﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ ''سنو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے بس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''سنو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو'' یعنی جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور نیکی کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' (البقرہ:195)

(2) ﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ﴾ ''تو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں'' تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو سکڑنے اور بخل کرنے لگتے ہیں۔ یہ دراصل اپنی جان کے لئے سکڑنا اور بخل کرنا ہے۔

(3) ﴿وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ''اور جو بخل کرتا ہے تو یقیناً وہ اپنے آپ سے ہی بخل کرتا ہے'' کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ثواب سے محروم کرلیا اور اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی۔ وہ انفاق فی سبیل اللہ کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان

نہیں پہنچا سکتا۔ (تفسیر سعدی:2595/3)

(4) رب العزت نے فرمایا ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''تم پر فرض کیا گیا جب تم میں سے کسی ایک کو موت آئے اگر اُس نے کچھ مال چھوڑا تو والدین اور رشتے داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرنا ہے، یہ متقی لوگوں پر لازم ہے'' (البقرہ:180)

(5) ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اور تم لوگ محتاج ہو'' انسان محتاج ہے اور رب بے نیاز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خرچ کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ اسے تمہارے مال کی ضرورت ہے۔ وہ تو انسانوں کے نفع کے لیے حکم دیتا ہے تاکہ ان کے نفس پاک ہوں اور پھر ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوں۔ تم اپنے دشمن پر غالب اور برتر رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں، تم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کے محتاج ہو۔

سوال 2: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ ''اور اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ ''اور اگر تم منہ موڑو گے'' یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیا۔ تم نے ایمان اور نیک اعمال سے منہ موڑ لیا تم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔

(2) ﴿يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا دوسری قوم کو بدل کر لے آئے گا۔ پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے'' وہ عزت کا مالک تمہاری جگہ ایسی قوم لے آئے گا جو نافرمان اور سرکش نہیں ہوگی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سنیں گے، ان کو جانیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے ہوں گے، جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، وہ مومنوں پر بہت نرم اور کافروں پر بہت سخت ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' (المائدہ:54)

(3) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کو اس نزول کی بہت خوشی ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کا نزول دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ (تفسیر منیر:465/13)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کے لیے بلائے جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے زکوٰۃ کے طور پر مال خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو۔

(2) کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو۔

سوال 3: بخیلی کرنے والا دراصل کیا کام کرتا ہے؟

جواب: (1) بخیلی کرنے والا خود کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے محروم رکھتا ہے۔ یوں اس کے اجر سے بھی محروم رہتا ہے۔

(2) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں دراصل اپنے لیے ہی آخرت کا سرمایہ جمع کرتے ہیں۔ یہ اس دن ان کے کام آئے گا جب ان کو زمین سے اٹھایا جائے گا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر ہو اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خرچ کی ترغیب اس لیے نہیں دیتا کہ اسے تمہارے مال کی ضرورت ہے۔ وہ تو انسانوں کے نفع کے لیے حکم دیتا ہے تاکہ ان کے نفس پاک ہوں اور پھر ضرورت مندوں کی ضروریات پوری ہوں۔ تم اپنے دشمن پر غالب اور برتر رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں، تم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کے محتاج ہو۔

سوال 5: منہ پھیرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سے مراد ہے کہ اگر تم اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف پھر جاؤ۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منہ موڑنے کی صورت میں کیا خوفناک دھمکی دی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم منہ موڑ دو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ یعنی

(i) اللہ تعالیٰ کے زیادہ اطاعت گزار ہوں گے۔ (ii) رسول اللہ ﷺ کے زیادہ فرمانبردار ہوں گے۔

(iii) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خوب خرچ کرنے والے ہوں گے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اگر خیرِ اُمت ہونے کی ذمہ داری نہ نبھائی، دعوت اسلامی کا کام نہ کیا، عظیم امانت کا حق ادا نہ کیا تو تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئیں گے۔

سوال 7: ایمان کے چھن جانے کا نقصان کون محسوس کر سکتا ہے؟

جواب: ایمان کے چھن جانے کا نقصان وہی محسوس کر سکتا ہے جس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا ہو۔ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ اس کا کوئی بدل پوری کائنات میں نہیں۔ اس لیے یہ بہت بڑی دھمکی ہے جو ایمان والوں کو دی گئی۔

اٰيَاتُهَا ٢٩ | ٤٨ سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ١١١ | رُكُوْعَاتُهَا ٤

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے۔ اس میں 4 رکوع اور 29 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 48 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 111 ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ سورت فتح صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (بخاری: 4834)

(2) سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن سورۂ فتح خوب خوش الحانی سے پڑھی سیدنا معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ تمہارے سامنے نبی ﷺ کے اس موقع پر طرز قرأت کی نقل کروں تو کر سکتا ہوں۔ (بخاری: 4835)

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔'' (بخاری)

رکوع نمبر 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾

''یقیناً ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی ہے'' (1)

سوال1: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی ہے'' سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم غزوہ حدیبیہ سے واپس لوٹے اور ہمیں ادائیگی عمرہ سے روک دیا گیا۔ تو ہم انتہائی رنجیدہ اور پریشان تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر دیں ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ (جامع البیان: 71/26)

(2) اس فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جب مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کو عمرہ کرنے سے روک دیا اور رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے

ساتھ دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرلیا اس شرط پر کہ آئندہ سال عمرہ کریں گے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ حالت امن میں دعوت دین کا دائرہ وسیع ہوگا۔اس مدت کے دوران لوگ فوج درفوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوں گے۔رب العزت نے اس صلح کو فتح مبین کے نام سے موسوم کیا۔

(3) مسلمانوں کو جب یہ سورت سنائی گئی تو وہ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ ایسی صلح ''فتح مبین'' ہوسکتی ہے؟

(4) یہ صلح اللہ تعالیٰ کی وحی اور ارادے کے مطابق ہوئی۔آپ ﷺ ہجرت مدینہ کے 6 سال بعد تک ہنگامی حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔آپ ﷺ کے دشمنوں میں سب سے بڑے قریش تھے۔آپ ﷺ چاہتے تھے ان کی طرف سے امن نصیب ہوتا کہ دوسرے دشمنوں سے نمٹا جاسکے۔یہاں سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے بنونضیر کی سرکوبی کی اور خیبر فتح ہوا۔

(5) اس صلح کے بعد آپ ﷺ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے۔(6) صلح حدیبیہ نے یہ ثابت کردیا کہ مسلمان امن پسند ہیں اس کے بعد بڑے بڑے سردار ایمان لائے مثلاً سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

(7) مشرکوں کے شہر فتح کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کا اعزاز اور مسلمانوں کی نصرت ہے اور یہ مقصد اس فتح سے حاصل ہوگیا۔(تفسیر سعدی:2560/3)

(8) سیدنا ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ صفین کے دن سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اپنے نفسوں کو متہم کرو۔میں نے صلح حدیبیہ کے دن محسوس کیا اگر لڑائی کرنا بہتر ہوتا تو ہم ضرور لڑتے۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین شہدا جنت میں نہیں ہیں؟ کیا ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر ہم انہیں اپنے دین میں سے کیوں کچھ دیں اور ہمارے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوئے بغیر ہی لوٹ جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔راوی کہتا ہے۔چنانچہ سورت الفتح نازل ہوئی۔نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور سورت الفتح پڑھ کر سنائی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (بخاری:3182)

(9) اس آیت مبارکہ کے بارے میں سیدنا عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وہیں اپنے قربانی کے جانور کو ذبح کردیا اور سر کا حلق کروالیا۔(جامع البیان: 70/26)

(10) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم غزوہ حدیبیہ سے واپس لوٹے اور ہمیں ادائیگی عمرہ سے روک دیا گیا۔تو ہم انتہائی رنجیدہ اور پریشان تھے۔چناچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کردیں ''﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا لِّيَـغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا﴾'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی

ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے''۔(جامع البیان:71/26)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو کھلی فتح کیوں قرار دیا؟

جواب: صلح حدیبیہ فتحِ مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اس لیے اسے فتحِ مبین قرار دیا۔اس کے دو سال بعد مکہ فتح ہو گیا تھا اور مسلمان فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے۔اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ آپ لوگ فتحِ مکہ کو فتح شمار کرتے ہیں لیکن ہم حدیبیہ کی صلح کو فتح شمار کرتے ہیں۔

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾

''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بخش دے آپ کا کوئی گناہ، جو پہلے ہو چکا اور جو بعد میں ہوا اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرے''(2)

سوال 1: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ ''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بخش دے آپ کا کوئی گناہ، جو پہلے ہو چکا اور جو بعد میں ہوا اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ ''تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بخش دے''یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے سبب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرما دے۔

(2) ﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ ''آپ کا کوئی گناہ جو پہلے ہو چکا اور جو بعد میں ہوا''یعنی جو فتح سے پہلے ہوئے اور فتح کے بعد ہوئے۔(ایسر التفاسیر:1485)

(3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں میں ورم آ جاتا میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں آپ کے تو اللہ نے پہلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''(مسلم:7126)

(4) ﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ ''اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے''یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح نصیب کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو غلبہ عطا فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرے۔(ایسر التفاسیر:1485)

(5) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمے کو وسعت عطا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمت پوری کرے۔

(6) ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''آج میں نے تمہارے لیے

تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کیا ہے۔" (المائدہ:3)

(7) (i) صلح حدیبیہ کی وجہ سے جس دین کی طرف نبی ﷺ دعوت دے رہے تھے وہ غالب آ گیا۔ اس طرح غلبہ دین کی نعمت کی تکمیل کا سبب بنا۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کر کے نعمت کو مکمل کیا۔ (iii) مغفرت، ہدایت اور استقامت یہ نعمت کی تکمیل ہے۔

(8) ﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ "اور آپ ﷺ کی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرے" یعنی دین کے ایسے طریقے کی طرف راہ نمائی کرے جس میں کوئی کجی نہیں اور آپ ﷺ کو رب تک پہنچا دے۔

(9) یعنی آپ ﷺ کو عظیم شریعت اور دین قیم عطا کرے۔ (الاساس:5348/9)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے کھلی فتح عطا کرنے کے کیا اسباب بتائے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (1) تاکہ وہ آپ ﷺ کی اگلی پچھلی سب کوتاہیاں معاف کر دے۔ (2) آپ ﷺ پر اپنی نعمت پوری کرے۔ (3) آپ ﷺ کو سیدھا راستہ دکھا دے۔ (4) آپ ﷺ کی زبردست مدد کرے۔

سوال 3: رسول اللہ ﷺ کے گناہوں یا کوتاہیوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد وہ معاملات ہیں جنہیں آپ ﷺ نے اپنے فہم و اجتہاد سے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں کیا۔ اگرچہ وہ کام گناہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان کی وجہ سے انہیں کوتاہیاں شمار کیا۔

سوال 4: صلح حدیبیہ گناہوں کی معافی کا سبب کیسے بنی؟

جواب: (1) صلح حدیبیہ گناہوں کی معافی کا سبب اس لیے بنی کہ اس صلح کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا جس سے آپ ﷺ کے اجرِ عظیم میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ (2) نیکیاں گناہوں کے کفارے کا سبب بنتی ہیں۔

سوال 5: سیدھے راستے پر چلانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے ہدایت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجات تک پہنچانا۔ (2) اس سے مراد ہے استقامت نصیب فرمانا۔

﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾

"اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا زبردست مدد" (3)

سوال 1: ﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ "اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا زبردست مدد" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ "اور اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا زبردست مدد" نصر عزیز سے مراد ایسی مدد ہے جو بظاہر دشمن کو اپنی فتح نظر آ رہی ہو مگر اس کی جڑ کاٹ دینے والی اور اس کو مغلوب کرنے والی ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمن کے مقابلے میں آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ ﷺ کی دعوت کے پھیلاؤ میں آپ ﷺ کی ایسی مدد کی جس میں اس دین کی، نبی ﷺ کی عزت ہے ذلت نہیں۔

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی عزت ہی میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرما دیتا ہے۔'' (مسلم:6592)

سوال 2: اس فتح مبین کے نتیجے میں نبی ﷺ کو کیا انعامات کیے گئے؟

جواب: اس فتح مبین کے نتیجہ میں چار چیزیں عطا فرمائیں۔

(1) سابقہ اور آئندہ لغزشوں کی معافی (2) اتمام نعمت، نعمت سے مراد یہ ہے کہ آئندہ اب مسلمانوں پر ہنگامی فضا مسلط نہ رہ سکے گی اور وہ اپنی جگہ ہر طرح کے خوف اور بیرونی مداخلت سے محفوظ و مامون رہ کر پوری طرح اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی قوانین واحکام کے مطابق آزادنہ زندگی بسر کر سکیں گے اور اعلانیہ کلمۃ اللہ کا فریضہ بجالا سکیں گے۔

(3) اس مقام پر آپ کو سیدھا راستہ دکھانے کا مطلب آپ کو فتح وکامرانی کی راہ دکھانا ہے۔ یعنی فتح مبین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے وہ راہ ہموار کردی جس سے تمام اسلام دشمن طاقتیں مغلوب ہوتی جائیں۔ (4) ﴿نَصۡرًا عَزِیۡزًا﴾ سے مراد ایسی مدد ہے جو بظاہر دشمن کو اپنی فتح نظر آرہی ہے مگر حقیقت میں وہی اس کی جڑ کاٹ دینے والی اور مغلوب کرنے والی ہے۔ (تیسیر القرآن:243/3)

سوال 3: یہ فتح مبین کن چیزوں کے نتیجے میں مرتب ہوئی؟

جواب: یہ فتح چار چیزوں کی وجہ سے مرتب ہوئی۔ (1) گناہوں کی مغفرت (2) بادشاہت اور نبوت کا اجتماع (3) صراط مستقیم کی ہدایت (4) عزت (تفسیر مراغی: 210,211/9)

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی زبردست مدد سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی زبردست مدد سے مراد فتح کا مکمل ہونا ہے اور لوگوں کا جوق در جوق اسلام قبول کرنا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا﴾

''وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' (4)

سوال 1: ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ﴾ ''وہی ہے جس نے مومنوں کے

دلوں میں سکینت نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں''صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل سکون سے لبریز تھے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾''وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل کی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں''رب العزت نے اپنے احسان سے آگاہ فرمایا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی۔رب العزت نے ان کے دل سکون، اطمینان، رحمت اور وقار سے لبریز کردیئے۔(مختصر ابن کثیر:2/ 1894)

(2)سکینت سے مراد وہ سکون، اطمینان اور ثبات ہے جو مضطرب کردینے والے مصائب ومحن اور ایسے مشکل امور کے وقت بندہ مومن کو حاصل ہوتا ہے، جو دلوں کو تشویش میں مبتلا کرتے ہیں، عقل کو سوچنے سمجھنے کی قوت سے عاری اور نفس کو کمزور کردیتے ہیں۔پس اس صورت حال میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کے لیے نعمت ہے کہ وہ اس کو ثابت قدم رکھتا ہے، اس کے قلب کو مضبوط کرتا ہے تاکہ وہ ان مصائب کا سامنا کرسکے اور اس حال میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قائم کرنے کے لیے مستعد رہے، اس سے اس کے ایمان میں اضافہ اور اس کے ایقان کی تکمیل ہو۔(تفسیر سعدی:3/2561,2560)

(3)﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾''تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور بڑھ جائیں''اس آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے پر استدلال کیا ہے۔

(4)جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکوں کے مابین، صلح کی یہ شرائط طے ہوئیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے بظاہر ذلت آمیز اور ان کے مرتبے سے فروتر تھیں، تو ان شرائط پر ان کے نفوس صبر کرنے کی قوت نہیں پا رہے تھے۔جب انہوں نے ان شرائط کو صبر کے ساتھ قبول کرلیا اور اپنے نفوس کو ان کی قبولیت پر آمادہ کرلیا تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔

سوال 2: مومنوں کو کن چیزوں کی وجہ سے کامیابی ملی؟

جواب:(1)طمانیت اور وقار(2)ایمان میں اضافہ(3)جنت میں داخلہ(4)گناہوں کی معافی(تفسیر مراغی:9/211,210)

سوال 3:﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾''اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾''اور اللہ تعالیٰ کے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر''اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں کمی نہیں آتی۔آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔اس کا ایک فرشتہ سب کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے مگر اس نے اپنی خاص رحمت سے مومنوں پر جہاد فرض کیا ہے۔

(2)﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جانتا ہے۔ وہ اپنے اولیاء کے لیے اپنی تدابیر میں حکمت والا ہے۔(3) اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان دنوں کو گھمایا پھرایا جاتا رہے۔(4) اس کا کوئی کام علم اور حکمت سے خالی نہیں۔

سوال 3: یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بات کس حکمت کے تحت کی ہے کہ آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ کے ہیں؟

جواب: یہ بات اللہ تعالیٰ نے اس لیے کی ہے کہ وہ چاہے تو اپنے کسی لشکر سے مثلاً فرشتوں سے کافروں کو ہلاک کروادے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں۔ وہ اپنے پیغمبر اور اپنے دین کی مدد کا کام کسی سے بھی لے سکتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات علیم اور حکیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے لشکروں کی موجودگی میں بھی مومنوں کو قتال کا حکم دے کر اپنی صفت حکیم کا شعور دلایا ہے کہ یہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ فرشتوں سے یا دیگر مخلوقات سے کافروں کو ہلاک نہ کروائے۔

(2) اللہ تعالیٰ ایک کافر گروہ کو دوسرے کافر گروہ پر مسلط کر کے مسلمانوں کی مدد کی صورت نکالتا ہے۔ یقیناً وہ علیم ہے۔

﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

''تا کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ اُن کی برائیاں اُن سے دور کردے اور ہمیشہ ہی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے'' (5)

سوال 1: ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ ''تا کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ اُن کی برائیاں اُن سے دور کردے اور ہمیشہ ہی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے'' جہاد کی فرضیت کی حکمتوں کو آیات کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔۔ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ اس وقت آپ ﷺ صلح حدیبیہ سے واپس آرہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ غمگین اور افسردہ تھے اور آپ ﷺ نے حدیبیہ ہی میں ہدی کو نحر کردیا تھا کیونکہ کافروں نے آپ ﷺ کو مکہ میں ہی جانے سے روک دیا تھا تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔'' اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو مبارک باد دینے لگے اور کہا اے

اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو ہوئی آپ کے لیے ہمارے لیے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ‌ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا﴾ ''تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور وہ اُن کی برائیاں اُن سے دور کردے اور ہمیشہ ہی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے'' (مسلم:4637، بخاری:4172)

(2) ﴿لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ''تاکہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' جہاد کو فرض کرنے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ اہل ایمان کو جنت کی بہاریں اور ایسے باغات مل جاتے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَـنَّةَ فَقَدۡ فَازَ﴾ ''چنانچہ جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا'' (آل عمران:185)

(3) ﴿وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ﴾ ''اور وہ اُن کی برائیاں اُن سے دور کردے'' جہاد کو فرض کرنے کی دوسری مصلحت یہ ہے کہ اس بہانے ان کے گناہ مٹ جائیں۔ انسان کے گناہوں کا مٹایا جانا بہت بڑی کامیابی ہے اس لیے فرمایا:

(4) ﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا﴾ ''اور ہمیشہ ہی سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے'' یعنی جنت میں داخلہ اور گناہوں کا مٹایا جانا فوزِ عظیم ہے۔

سوال 2: مومن مردوں اور عورتوں کے لیے کیا خوشخبری ہے؟

جواب: مومن مردوں اور عورتوں کے لیے خوشخبری ہے کہ: (1) انہیں ان جنتوں میں لے جایا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ (2) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (3) اللہ تعالیٰ ان سے ان کے گناہ دور کردے گا۔ (4) اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے۔

﴿وَّيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ‌ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ‌ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾

''اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان رکھنے والے ہیں، بُرا گمان، بُرائی کا چکر دراصل اُن ہی پر ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ غصے ہوا اور اُس نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے لیے جہنم تیار کردی ہے اور بہت ہی بُرا وہ ٹھکانہ ہے'' (6)

سوال 1: ﴿وَّيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ الظَّآنِّيۡنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوۡءِ‌ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ

ۙوَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ ''اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان رکھنے والے ہیں، بُرا گمان، بُرائی کا چکر دراصل اُن ہی پر ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ غصے ہوا اور اُس نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے لیے جہنم تیار کردی ہے اور بہت ہی بُرا وہ ٹھکانہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ﴾ ''اور تا کہ اللہ تعالیٰ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے'' جہاد کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب ملے۔

(2)﴿الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں گمان رکھنے والے ہیں بُرا گمان'' یعنی عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے بدگمان ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ ''بلکہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے'' (الفتح: 12)

(3) رہے منافق مرد اور منافق عورتیں، مشرک مرد اور مشرک عورتیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو اس فتح مبین کے ذریعے سے عذاب دے گا، انہیں ایسے ایسے امور دکھائے گا جو ان کے لیے نہایت تکلیف دہ ہوں گے، چونکہ مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ مومنین بے یار و مددگار رہ جائیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ برا گمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد کرے گا نہ اپنے کلمہ کو بلند کرے گا اور اہل باطل کو اہل حق پر غلبہ عطا کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو الٹ دیا اور دنیا ہی میں ان پر برا وقت آ گیا۔ (تفسیر سعدی 3/2562)

(4)﴿عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ﴾ ''بُرائی کا چکر اُن ہی پر ہے'' یعنی منافق تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے تو یہ سارا ہنگامہ ختم ہو جائے گا تو رب العزت نے فرمایا ''ان کی بدگمانی ان پر ہی لوٹ آئے گی ان کا دنیا سے نام و نشان مٹا دیا جائے گا ان کے لیے ذلت اور عذاب ہے۔''

(5)﴿وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور اُن پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوا'' ان پر اللہ تعالیٰ کا قہر اور عتاب ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی رکھی۔

(6)﴿وَلَعَنَهُمْ﴾ ''اور اُس نے اُن پر لعنت کی'' اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا۔

(7)﴿وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ ''اور اُن کے لیے جہنم تیار کردی ہے اور بہت ہی بُرا وہ ٹھکانہ ہے'' جہنم ان کی منتظر ہے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

سوال 2: کفار کی جزا کن چار چیزوں پر مرتب ہوئی؟

جواب: (1) عذاب (2) غضب (3) لعنت (4) جہنم میں داخلہ (تفسیر مراغی: 3/211,210)

سوال3: منافق مرد اور منافق عورتیں، مشرک مرد اور مشرک عورتیں اللہ تعالیٰ سے برے گمان کیوں رکھتے ہیں؟

جواب: منافق اور مشرک اللہ تعالیٰ کے احکامات کی وجہ سے اس سے برے گمان رکھتے ہیں۔

سوال4: منافق اور مشرک اللہ تعالیٰ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا برے گمان رکھتے تھے؟

جواب: منافق اور مشرک یہ گمان رکھتے تھے کہ: (1) اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (2) مسلمان مغلوب ہو جائیں گے۔

(3) رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم قتل ہو جائیں گے۔

سوال5: منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے کیا وعید سنائی ہے؟

جواب: منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی ہے کہ: (1) اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دوزخ تیار کی ہے جو بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

''اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' (7)

سوال1: ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں'' آسمان اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ (2) فرشتے، انسان، جن، شیاطین وہ رب العزت سب کے معاملات کی جیسے چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے بعض کو بعض پر مسلط کرتا ہے اور بعض کو بعض کے ذریعے سے گھیر لیتا ہے۔ (فتح القدیر: 56/5)

(3) اللہ تعالیٰ اپنے لشکروں سے جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1487)

(4) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتکرار آگاہ فرمایا ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے اندر موجود لشکر، اسی کی ملکیت ہیں، تاکہ بندے اس حقیقت کو جان لیں کہ وہی عزت عطا کرنے والا اور وہی ذلت سے دوچار کرنے والا ہے۔ وہ عنقریب اپنے ان لشکروں کو فتح و نصرت سے ہم کنار کرے گا جو اس کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ ''بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب آ کر رہے گا'' (تفسیر سعدی: 2563/3)

(5) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ طاقت ور زبردست اور ہر چیز پر غلبہ رکھتا ہے وہ اپنی قوت اور غلبہ کے باوجود اپنی تخلیق اور تدبیر میں حکمت والا ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مہارت کے مطابق فعل انجام دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2563/3)

سوال 2: ''زمین وآسمان کے لشکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں'' یہ بات اللہ تعالیٰ نے کس وجہ سے ارشاد فرمائی ہے؟

جواب: یہ بات اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور مشرکوں پر ناراضگی کے اظہار کے لیے ارشاد فرمائی ہے کہ تمہاری ہلاکت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان وزمین کے لشکر ہیں لیکن اس نے اپنی حکمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز اور حکیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عزیز کا شعور اس بات سے دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کے لشکروں کا مالک ہے۔ قوت والا ہے، غالب ہے۔ اسلام کے دشمن مشرک، منافق اور کافر اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور مشرکوں کی پوشیدہ سرگرمیوں سے شعور دلایا ہے کہ وہ علیم ہے۔ اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔

﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾

''یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (8)

سوال 1: ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے'' یعنی اے نبی ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو اپنی امت پر شاہد بنایا۔ (جامع البیان: 75/28)

(2) یعنی آپ کی امت جو نیکی یا بدی کرتی ہے، ہم نے آپ کو اس پر گواہ بنا کر بھیجا نیز تمام حق اور باطل مقالات اور مسائل پر، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ہر لحاظ سے اس کے اپنے کمال میں منفرد ہونے پر آپ کو گواہ بنا کر مبعوث کیا۔ (تفسیر سعدی: 2563/3) رب العزت نے فرمایا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا﴾ ''پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔'' (النساء: 41)

(3) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سیدنا نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: لبیک وسعدیک یا رب! اللہ رب العزت فرمائے گا: کیا تم نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ سیدنا نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ ''پہنچا دیا تھا۔'' پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: ''کیا انہوں نے میرا پیغام تمہیں پہنچایا تھا؟'' وہ لوگ کہیں گے کہ ''ہمارے یہاں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔'' اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائے گا کہ ''آپ علیہ السلام کے حق میں کوئی گواہی بھی دے سکتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہ ہے۔ چنانچہ محمد ﷺ کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا اور رسول یعنی نبی ﷺ اپنی امت

کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے سچی گواہی دی ہے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے:﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں افضل ترین اُمت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں'' (بخاری:4487)

(4)﴿وَّمُبَشِّرًا﴾ ''اور بشارت دینے والا'' جو دین کی دعوت قبول کرلیں انہیں جنت کی خوشخبری دینے والا ہے (جامع البیان:75/26)

(5)﴿وَّنَذِيْرًا﴾ ''اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' یعنی کفر اور نافرمانی سے بچا کر جہنم سے ڈرانے والا (6) رب العزت نے فرمایا﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''اے نبی ﷺ! یقیناً ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (الاحزاب:45)

(7) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت جو قرآن میں ہے ''اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' تو نبی ﷺ کے متعلق یہی اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی فرمایا تھا ''اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور بشارت دینے والا اور ان پڑھوں عربوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے ہیں اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا، آپ نہ بدخو ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ وہ کج قوم (عربی) کو سیدھا نہ کر لیں یعنی جب تک وہ ان سے﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا اقرار نہ کرڈالیں پس اس کلمہ توحید کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔'' (بخاری:4838)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کے شاہد ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سب پر گواہ ہیں جن کی طرف آپ ﷺ کو بھیجا گیا۔

(2) آپ ﷺ ان پر گواہی دیں گے کہ جو پیغام آپ ﷺ کو دیا گیا تھا آپ ﷺ نے لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔

(3) یہ گواہی بھی دیں گے کہ آپ ﷺ کا پیغام ملنے پر لوگوں کا ردِّ عمل کیا رہا ہے۔ کون کافر بنے؟ کون منافق؟ اور کون مومن؟

سوال 3: رسول اللہ ﷺ کے مبشر ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خوشخبری دینے والے ہیں اچھے انجام کی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی، ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔

سوال 4: رسول اللہ ﷺ کے نذیر ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کافروں، منافقوں اور مشرکوں کو برے انجام سے ڈرانے والے ہیں کہ ان کے لیے لعنت

اور سخت سزا ہے۔

﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾

''تاکہ تم سب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو'' (9)

سوال 1: ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ ''تاکہ تم سب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''تاکہ تم سب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ'' یعنی یہ رسالت بھیجنے کی علت ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1488،1487) (2) یعنی نبی ﷺ آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور ان کی اطاعت کرو (3) ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ ''اور اُس کی مدد کرو'' تاکہ آپ نبی کی تعظیم کرو (4) تاکہ تم ان کی مدد کرو (ایسر التفاسیر: 1487)

(5) ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ تعزیر سے مشتق ہے (معارف: 71/8)

(6) ﴿وَتُوَقِّرُوْهُ﴾ ''اور اُس کی تعظیم کرو'' تاکہ آپ نبی ﷺ کا ادب واحترام کرو آپ کو مرتبے میں بڑا تسلیم کرو اور ان کے حقوق ادا کرو کیونکہ ان کا آپ پر بہت احسان ہے۔

(7) ﴿وَتُسَبِّحُوْهُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو'' اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ تسبیح اور تقدیس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ سبحان اللہ کہنے سے تسبیح ہوتی ہے۔ اور نماز اور ذکر سے ''لا الہ الا اللہ'' کہنے سے اور اللہ وحدہ سے دعا کرنے سے

(8) ﴿بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ ''اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو'' یعنی صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو۔

(9) آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ حق بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان مشترک ہے، یعنی ان دونوں پر ایمان۔ ایک حق وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مختص ہے اور وہ ہے آپ کی تعظیم وتوقیر اور ایک حق وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہے اور وہ ہے نماز وغیرہ کے ذریعے سے اس کی تسبیح وتقدیس۔ (تفسیر سعدی: 2564،2563/3)

(10) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ایمان لانا ان کا ادب احترام تعظیم وتوقیر اور ان کے حقوق ادا کرنا واجب ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1488)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''بلاشبہ وہ لوگ جو تم سے بیعت کر رہے ہیں، درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، اُن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، چنانچہ جس نے عہد توڑا تو وہ اپنے نفس کے خلاف ہی توڑے گا اور جو پورا کرے گا اس عہد کو جو اُس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے تو بہت

جلد اللہ تعالیٰ اُس کو اجر عظیم عطا فرمائے‘‘(10)

سوال 1:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ’’بلاشبہ وہ لوگ جو تم سے بیعت کر رہے ہیں، درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، اُن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، چنانچہ جس نے عہد توڑا تو وہ اپنے نفس کے خلاف ہی توڑے گا اور جو پورا کرے گا اس عہد کو جو اُس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اُس کو اجر عظیم عطا فرمائے‘‘ بیعت رضوان کی وضاحت اس آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ﴾ ’’بلاشبہ وہ لوگ جو تم سے بیعت کر رہے ہیں‘‘ یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر جن لوگوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر ہی بیعت کی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ ’’اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔‘‘ (النساء:80)

(2) اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ کہ وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر فرار نہیں ہوں گے خواہ تھوڑے لوگ باقی رہ جائیں۔

(3) یہ ایک خاص معاہدہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ’’اُن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے‘‘ یعنی وہ ہر وقت ان کی باتیں سنتا اور جانتا ہے۔ اور انہیں ان کی جگہ دیکھتا ہے۔ اس لیے رسول کے ہاتھ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ’’یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں، یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ذمے پکا وعدہ ہے، اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے؟ تو اپنے اس سودے پر خوشیاں مناؤ جو تم نے اللہ تعالیٰ سے سودا کیا ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ (التوبۃ:111)

(4) اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرنے والوں نے گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مصافحہ کیا ہے۔ یہ زیادہ تاکید اور اس بیعت کو پورا کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے فرمایا۔ (5) سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر مکہ والوں کے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی عزت والا اور بااثر ہوتا تو نبی ﷺ اسی کو ان کی جگہ وہاں بھیجتے۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ نبی ﷺ نے قریش سے باتیں کرنے کے لیے مکہ بھیج دیا تھا اور جب بیعت

رضوان ہورہی تھی تو عثمان رضی اللہ عنہ مکہ جا چکے تھے اس موقع پر نبی ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا تھا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور پھر اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔(بخاری:3699)

(6) سیدنا یزید بن ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابو مسلم! اس دن تم لوگ کس چیز پر بیعت کر رہے تھے؟ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا موت پر۔(بخاری:2960)

(7) سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے درخت والے دن اپنے آپ کو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ جب لوگوں سے بیعت لے رہے تھے تو میں درخت کی ٹہنیوں میں ایک ٹہنی کو آپ کے سر سے اوپر اٹھائے ہوئے تھا اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی، ہم نے یہ بیعت موت پر نہیں کی تھی بلکہ ہم نے یہ بیعت اس بات پر کی تھی کہ میدان جنگ سے بھاگیں گے نہیں۔(مسلم:4817)

(8) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا گھوڑا لانے کے لیے بھیجا جو ایک انصاری شخص کے پاس تھا، انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا، پس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی، پھر گھوڑا لینے گئے اور اس کو لے کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور وہ زرہ پہنے ہوئے تھے ہتھیار پہن رہے تھے تو سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے ہیں پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ وہ قصہ ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔(بخاری:4186)

(9) رسول اللہ ﷺ بیعت لے رہے تھے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ہاتھ کو سہارا دیے ہوئے تھے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چودہ سو آدمی تھے ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور یہ بیعت کیکر کے ایک درخت کے نیچے کی جا رہی تھی۔(مسلم:4807)

(10) سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ پہنچے ہم چودہ سو آدمی تھے اور وہاں ہمارے پاس پچاس بکریاں تھیں جن کو کنویں کا پانی سیر نہیں کر سکتا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے آپ نے دعا کی یا کنویں میں تھوکا تو کنواں پانی سے ابلنے لگا ہم نے جانوروں کو پانی پلایا اور خود بھی پیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیعت کے لیے ایک درخت کے نیچے بلایا میں نے لوگوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ سے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ﷺ بیعت لیتے رہے یہاں تک کہ آدھے آدمیوں نے بیعت کر لی۔ اس وقت آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے سلمہ! بیعت کرو۔'' میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! میں تو لوگوں سے پہلے ہی آپ سے بیعت کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر سہی۔'' آپ ﷺ نے دیکھا تو آپ ﷺ نے ایک بڑی یا چھوٹی ڈھال مجھے دے دی۔ پھر آپ ﷺ بیعت لینے لگے یہاں تک کہ لوگ ختم ہونے لگے اس وقت

آپ ﷺ نے پھر مجھ سے فرمایا: ''اے سلمہ رضی اللہ عنہ کیا تم مجھ سے بیعت نہیں کرو گے؟'' میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میں تو آپ ﷺ سے شروع میں بھی بیعت کر چکا ہوں اور درمیان میں بھی کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر سہی۔'' غرض کہ یہ میں نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ سے بیعت کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمہ! تمہاری وہ بڑی یا چھوٹی ڈھال کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟'' میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے چچا عامر مجھے ملے تو وہ بے ہتھیار تھے چنانچہ میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی یہ سن کر آپ ہنسے اور فرمایا: ''تمہاری مثال تو اس اگلے شخص کی سی ہے جس نے دعا کی تھی یا اللہ! مجھے ایسا دوست دے جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو۔'' (مسلم:4678)

(11) ام مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہوئے سنا ''ان شاء اللہ اصحاب شجرہ میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں داخل نہ ہوگا جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی''۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں نہیں؟ تو آپ ﷺ نے انہیں جھڑکا تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر پیش نہ کیا جائے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تحقیق! اللہ رب العزت نے نے فرمایا ہے ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ﴾ ''پھر ہم پرہیزگاروں کو جہنم سے نجات دے دیں گے اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل اس میں چھوڑ دیں گے۔'' (مسلم:6404)

(12) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاطب کی شکایت کرنے کے لیے حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حاطب تو جہنم میں داخل ہو جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے جھوٹ کہا، وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا۔'' (مسلم:6403)

(13) ﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ ''چنانچہ جس نے عہد توڑا تو وہ اپنے نفس کے خلاف ہی توڑے گا'' یعنی جس نے عہد توڑا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ یعنی جو کوئی رسول اللہ اور مومنوں کے ساتھ جہاد نہیں کرے گا تو اس نقض عہد کا بدلہ دیا جائے گا۔ (ایسر التفاسیر:1487)

(14) رب العزت نے فرمایا ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ‎(٧٦)‏ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ‎(٧٧)‏﴾ ''کیوں نہیں؟ جو بھی اپنا عہد پورا کرے اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نہ اُن سے بات کرے گا اور نہ ہی قیامت کے دن اُن کی طرف دیکھے گا اور نہ ہی اُن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' (آل عمران:77,76)

(15) ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اور جو پورا کرے گا اس عہد کو جو اُس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے تو بہت

جلد اللہ تعالیٰ اُس کو اجرِ عظیم عطا فرمائے‘‘یعنی جو معاہدے پر کامل طور پر عمل پیرا ہوگا۔تو اسے جنت جیسا اجرِ عظیم دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے بڑھ کر کوئی اجر نہیں۔

سوال 2: ’’ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے‘‘ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اس معاہدے میں دوسرا فریق اللہ تعالیٰ ہے۔وہ اپنے علم کی وجہ سے سب کچھ جانتا ہے۔ان کی باتیں سنتا ہے۔ان کے ظاہر اور باطن سے آگاہ ہے اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں۔ان کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہیں۔یوں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت دراصل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت تھی۔

سوال 3: عہد توڑنے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سے مراد بیعت کو توڑ دینا ہے۔

سوال 4: بیعت کو توڑ دینے کا کیا مطلب تھا؟

جواب: بیعت کو توڑ دینے کا مطلب تھا کہ اب عہد کے مطابق لڑائی میں حصہ نہیں لینا۔

رکوع نمبر 10

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

’’دیہاتیوں میں سے جو پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اب جلد ہی تم سے کہیں گے: ’’ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے ہمیں مشغول کر دیا تھا سو آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کریں۔‘‘ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔آپ کہہ دیں کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے؟ اگر وہ تمہارے ساتھ کسی نقصان کا ارادہ کرے یا تمہارے ساتھ کسی نفع کا ارادہ کرے؟ بلکہ جو اعمال تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے‘‘ (11)

سوال 1: ﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ’’دیہاتیوں میں سے جو پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اب جلد ہی تم سے کہیں گے: ’’ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے ہمیں مشغول کر دیا تھا سو آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کریں‘‘ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں

میں نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) صلح حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں کے واقعات ہیں۔ رب العزت نے ضعیف الایمان بدویوں کی مذمت کی ہے۔

(2) ﴿سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾ ''دیہاتیوں میں سے جو پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اب جلد ہی تم سے کہیں گے'' ان پیچھے رہ جانے والوں سے مراد عرب دیہات کے باشندے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خروج کرنے سے اس لئے باز رہے کہ ان کو شکست ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں۔ انہوں نے حدیبیہ سے پیچھے رہنے کے بعد عذر اور حیلہ یہ کیا کہ وہ اپنے اہل و عیال اور اپنے مالوں میں مشغول تھے اس لئے شرکت نہیں کر سکے اور غزوۂ خیبر اور اس کے غنائم میں شرکت کا مطالبہ کرتے تھے۔ اور وہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ سخت جنگجو قوم سے قتال کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عذر کرنے والوں کو ترک جہاد کی بنا پر مستثنیٰ قرار دے دیا۔ (تفسیر منیر: 495/13)

(3) یہ غفار، مزینہ، جہینہ اور اشجع والے دیہاتی تھے۔ (4) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کرتے ہوئے کہا ﴿شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا﴾ ''ہمارے اموال اور ہمارے گھر والوں نے ہمیں مشغول کر دیا تھا سو آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کریں'' ہمارے مال اور اہل و عیال کی مصروفیات نے ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلنے سے روکا۔ اصل بات یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کی اور گھروں میں رہنا پسند کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کریں۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ ''پیچھے چھوڑ دیے گئے لوگ، اللہ تعالیٰ کے رسول کے پیچھے اپنی بیٹھنے کی وجہ سے خوش ہو گئے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیں کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے!'' (التوبہ: 81)

(6) رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرنا دراصل اپنے گناہ کا اقرار کرنا ہے جس کے لئے توبہ اور استغفار کی ضرورت تھی۔

(7) ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے'' یعنی ان کے دلوں میں توبہ نہیں تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی جو درخواست کی تھی وہ جھوٹ تھا۔ وہ اپنے بچاؤ کے لئے جھوٹا عذر پیش کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی تھی۔ اس لئے جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ ورنہ دل سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے لیے استغفار کرتے تو ان کے لیے ضرور نفع مند ہوتا۔

سوال 2: ﴿قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خَبِیْرًا﴾ ''آپ کہہ دیں کون ہے جواللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے؟اگر وہ تمہارے ساتھ کسی نقصان کا ارادہ کرے یا تمہارے ساتھ کسی نفع کا ارادہ کرے؟ بلکہ جو اعمال تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا﴾آپ کہہ دیں کون ہے جواللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے کسی چیز کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہے؟اگر وہ تمہارے ساتھ کسی نقصان کا ارادہ کرے یا تمہارے ساتھ کسی نفع کا ارادہ کرے؟'' اللہ تعالیٰ نے ہر طرف سے گھیراؤ کر کے کھوٹے لوگوں کو بے بس کیا ہے۔

(2) رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ ان سے پوچھیں نفع اور نقصان کا مالک کون ہے؟ان کی اصل خرابی ان کے ایمان میں تھی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مالک نہیں سمجھا۔انھوں نے قوت اور اختیار کا مالک کسی اور کو سمجھا۔ان کے اوپر کافروں کا رعب تھا۔ان کا گمان تھا کہ کفر کی طاقتیں مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیں گی۔

(3) رب العزت نے ان کی بیماری پر چوٹ لگوانے کے لئے نبی ﷺ کو سوال کرنے کا حکم دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچانے یا نفع کا ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کون ہے جو تمہیں نقصان سے بچائے گا یا نفع چھیننے کا کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟

(4) ﴿بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا﴾ ''بلکہ جو اعمال تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے'' اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے رازوں سے باخبر ہے۔اللہ تعالیٰ کو آپ کا سب حال معلوم ہے۔استغفار کی درخواست کر کے مسلمانوں کو ظاہری ایمان سے دھوکہ دینا چاہتے ہو تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے تمہیں ان کی جزادے گا۔

سوال3: دیہاتی پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے جب عمرہ پر جانے کا ارادہ کیا تو عام منادی کرادی۔دیہاتی قبائل نے یہ سوچا کہ یہ وقت مکہ جانے کے لیے مناسب نہیں۔ابھی کافروں کا غلبہ ہے۔مسلمان کمزور بھی ہیں اور ہتھیار بھی نہیں لے جاسکتے۔خالی ہاتھ مقابلہ نہیں ہوسکتا اس لیے وہ پیچھے رہ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کے لیے نہ گئے۔

سوال4: دیہاتیوں نے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کیسے کوشش کی؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کی کوششوں کے بارے میں یہ واضح کیا کہ یہ آپ ﷺ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مال واولاد میں لگے رہ گئے۔(2) آپ ﷺ ہمارے لیے مغفرت طلب کیجئے۔

سوال5: کیا مال واولاد میں مشغول ہونا معقول عذر ہے؟

جواب: مال واولاد میں مشغولیت معقول عذر نہیں۔ سبھی کے مال واولاد تو ہوتے ہی ہیں۔

سوال6: اگر سب لوگ مال واولاد کی مشغولیت کا عذر سامنے رکھیں تو کیا اسلام کی دعوت کی ذمہ داریوں کو کوئی ادا کر پائے گا؟

جواب: اگر سب لوگ مال واولاد کی مشغولیت کا عذر سامنے رکھیں تو دعوت کی ذمہ داریوں کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کی رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست کے بارے میں کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ یہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔

سوال8: دیہاتیوں کے دلوں میں کیا تھا؟

جواب: دیہاتیوں کے دلوں میں موت کا خوف اور نفاق تھا۔

سوال9: اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کے دلوں کے کھوٹ کا کیا علاج کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کے کھوٹ کا علاج اپنی تقدیر سے کیا ہے۔

(1) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اُس کی تقدیر کو کوئی نہیں روک سکتا، نہ جنگ سے پہلے نہ بعد میں۔

(2) اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ (3) اگر نفع پہنچانا چاہے تو اس کا اختیار ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے ہر طرف سے گھیراؤ کر کے کھوٹے لوگوں کو بے بس کیا ہے۔

سوال10: سچے مومن کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: (1) سچے مومن کو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے۔

(2) سچے مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل فوراً کرنی چاہیے۔ (3) سچے مومن کو عذر پیش نہیں کرنے چاہئیں۔

(4) اسلام کی دعوت کے میدان میں اپنی ذمہ داریاں آگے بڑھ کر ادا کرنی چاہئیں۔

﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا﴾

"بلکہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا گیا اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا تھا اور تم برباد ہونے والے لوگ تھے" (12)

سوال1: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ "بلکہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ

تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا گیا اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا تھا اور تم برباد ہونے والے لوگ تھے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ "بلکہ تم سب نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں کی طرف کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے" یعنی تم نے جہاد چھوڑنے کے لئے برا گمان کیا اور گھر بیٹھے رہے۔ تم نے سمجھا کہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کافر طاقتیں نیست و نابود کر دیں گی، ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ وہ اس پر مطمئن ہو گئے حتیٰ کہ یہ بدگمانی ان کے دلوں میں جڑ پکڑ گئی۔

(2) ﴿وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ "اور یہ تم لوگوں کے دلوں میں خوش نما بنا دیا گیا اور تم سب نے بہت برا گمان کیا" یعنی شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ خیال اس طرح مزین کر دیا کہ تم اسے حقیقت میں دیکھتے تھے۔ تم نے بہت ہی برا گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور مومن قریش سے نجات نہیں پائیں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ "اور تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے ربّ کے متعلق کیا تھا، اُسی نے تمہیں برباد کر دیا، چنانچہ تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔" (فصلت:23)

(3) ﴿وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا﴾ "اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے" تم اس بدگمانی کی وجہ سے برباد ہونے والے لوگ تھے۔ اب تم میں کوئی خیر باقی نہیں۔

(4) اس کی تفسیر یہ ہے کہ تم نے اپنے آپ، اپنے دلوں اور اپنی نیتوں میں فساد برپا کر لیا ہے اور ان کا استعمال بھی غلط کر رہے ہو، تم سے خیر اور بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ تم اللہ کے ہاں ہلاک و تباہ و برباد ہونے والے ہو اور تم اللہ کے عذاب و عتاب کے مستحق ہو۔ (الاساس:5362/9)

(5) ان کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے دین کی نصرت اور اس کے کلمے کی بلندی کے بارے میں یقین کمزور ہے۔

سوال 2: منافقوں کی بدگمانی کا سبب کیا تھا؟

جواب: منافقوں کی بدگمانی کا سبب دو امور ہیں: (i) وہ ﴿قَوْمًا بُوْرًا﴾ ہلاک ہونے والے لوگ ہیں، ان میں کوئی بھلائی نہیں، اگر ان میں کسی قسم کی بھلائی ہوتی تو ان کے دلوں میں یہ بدگمانی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے، دین کے لئے اس کی نصرت اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے بارے میں ان کا ایمان اور یقین کمزور ہے۔ (ii) دوسرا سبب اللہ تعالیٰ کے وعدے، اس کے اپنے دین کی مدد کرنے اور اپنے کلمے کو بلند کرنے پر ان کے ایمان اور یقین کا کمزور ہونا ہے۔ (تفسیر سعدی:2565,2566/3)

سوال 3: دیہاتیوں کی بدگمانیوں کو علیم و خبیر نے کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: (1) رب العزت نے فرمایا کہ تمہارا یہ گمان تھا کہ پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کا گھروں کی طرف لوٹ کر آنا قطعاً ناممکن ہے۔

(2) یہ خیال تمہارے دلوں میں رَچ بس گیا تھا۔ یہی تمہاری بدگمانی تھی۔

سوال4: دیہاتیوں کی یہ بدگمانی کس بنیاد پر تھی کہ پیغمبر ﷺ اور مسلمان گھر نہیں آسکیں گے؟

جواب: دیہاتیوں کی یہ بدگمانی اس بنیاد پر تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کرے گا۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے بدگمان دیہاتیوں کے بارے میں کیا فیصلہ دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بدگمان دیہاتیوں کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ وہ ہیں ہی برباد ہونے والے۔ یعنی ان کی تقدیر میں ہلاکت ہے۔ اگر دنیا میں بچ بھی گئے تو آخرت میں پکڑے جائیں گے۔

سوال6: بُور کسے کہتے ہیں؟

جواب: بُور ہلاک ہونے والوں کو کہتے ہیں۔ ایسی زمین جو بنجر ہو جہاں کوئی پھل، پھول، سبزی، ہریالی نہ ہو۔

سوال7: منافقوں کو کیوں کہا گیا: وَ كُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا؟

جواب: منافقوں کو اس لیے قَوْمًا بُوْرًا کہا گیا کہ ان کے دلوں میں کوئی سرسبزی نہیں ہوتی، نہ اُمید، نہ حسنِ ظن۔ بنجر دل مردہ اُمیدیں۔ آخر انہوں نے برباد ہی ہونا ہے۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ہم نے کافروں کے لیے بلاشبہ بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے'' (13)

سوال1: ﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾ ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تو ہم نے کافروں کے لیے بلاشبہ بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے'' نفاق کے انجام کو آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان نہیں لایا'' یعنی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے یعنی ظاہری اور باطنی طور پر خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کے لئے عمل نہیں کرتے تھے۔

(2) ﴿فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾ ''تو ہم نے کافروں کے لیے بلاشبہ بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے'' یعنی رب العزت نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

(3) امام عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں ''وہ شخص جس کا ظاہری اور باطنی عمل اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ دہکتی ہوئی آگ کا عذاب دیں گے اگرچہ وہ ظاہری طور پر لوگوں کی طرح عمل کرتا ہو (یعنی ریاکاری کا مرتکب ہو) اور حقیقت حال اس کے برعکس اور خلاف ہو۔ (الاساس: 5362،5363/9)

سوال2: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانے کے نتیجے میں کیا وعید سنائی گئی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جہنم کی آگ کی تیاری کی وعید سنائی ہے اوراس طرح یہ شعور دلایا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد نے تمہیں یہاں تو مصروف رکھا۔ یہ بتاؤ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے تو مال اور اولاد جہنم میں تمہارے کس کام آئیں گے۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾

''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بے حد بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے''(14)

سوال 1: ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بے حد بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہر چیز ہے۔ وہ اکیلا زمین و آسمان کے اقتدار کا مالک ہے جیسے چاہے اپنے احکامات نافذ کرتا ہے۔

(2) ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ ''جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ معافی پر قادر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرتا ہے وہ اسے بخش دیتا ہے۔

(3) ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ ''اور جسے وہ چاہتا ہے سزا دیتا ہے'' وہ عذاب پر قدرت رکھتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ اسے عذاب دیتا ہے۔ (4) امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے سے پیچھے رہنے والوں کو توبہ اور انابت الی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ترغیب دے رہا ہے وہ ان سے فرماتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے سے رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے فوری توبہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشش سے نوازتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں اور معصیات سے توبہ و مغفرت کرتے رہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور رحمت ہے کہ وہ ان کو معصیات اور نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب و عتاب کرنے کی بجائے بخشش و مغفرت سے نوازے۔ (تفسیر قاسمی: 80/15)

(5) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون شخص مرار کی گھاٹی پر چڑھ جاتا ہے کہ اس کے گناہ ایسے معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہو گئے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے پہلے اس گھاٹی پر ہمارے گھوڑے چڑھے یعنی قبیلہ خزرج کے لوگوں کے، پھر لوگوں کا تار بندھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی بخشش ہوگئی مگر لال اونٹ والے کی نہیں۔

ہم اس شخص کے پاس گئے اور ہم نے کہا کہ چل رسول اللہ ﷺ تیرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ وہ بولا کہ اللہ کی قسم! میں اپنی گمشدہ چیز پاؤں تو مجھے تمہارے صاحب کی دعا سے زیادہ پسند ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ شخص اپنی گمشدہ چیز ڈھونڈھ رہا تھا (وہ منافق تھا تبھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بخشش نہیں ہوئی اور یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے آپ ﷺ نے جیسا فرمایا تھا وہ شخص ویسا ہی نکلا) (مسلم 7038)

(6) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے'' اس کا وصف لازم ہے جس کی بنا پر مغفرت اور رحمت کبھی اس سے جدا نہیں ہوتے۔ وہ ہر وقت گناہ گاروں کے گناہ بخشتا ہے، خطا کاروں کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس کی بے پایاں بھلائی رات دن نازل ہوتی رہتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2566/3)

(7) جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کے آنسو بہائے خالص توبہ کرے وہ اپنی رحمت اور مغفرت سے اسے معاف کر دیتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت اور اپنے اختیارات کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین پر اپنی بادشاہت سے اپنے اختیارات کا شعور دلایا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔

(2) وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے۔ اس نے اپنی مطلق العنان بادشاہت اور اختیارات کا شعور دلایا ہے۔

﴿سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡكُمۡ‌ ۚ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ‌ ؕ قُلْ لَّنۡ تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ‌ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ تَحۡسُدُوۡنَنَا‌ ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا﴾

''جب تم مالِ غنیمت کی طرف چلو گے تاکہ تم اُسے حاصل کرو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہہ اُٹھیں گے: ''ہمیں بھی اجازت دو ہم بھی تمہارے پیچھے آئیں۔'' وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں کہہ دو: تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں آؤ گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے، تو جلد ہی وہ کہیں گے: ''بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو۔'' بلکہ یہ لوگ کم ہی بات کو سمجھتے ہیں'' (15)

سوال 1: ﴿سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡكُمۡ‌ ۚ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''جب تم مالِ غنیمت کی طرف چلو گے تاکہ تم اُسے حاصل کرو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہہ اُٹھیں گے: ''ہمیں بھی اجازت دو ہم بھی تمہارے پیچھے آئیں'' وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں'' جہاد میں شامل نہ ہونے والے مالِ غنیمت کی تقسیم پر نادم ہوں گے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَيَقُوۡلُ الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا نَتَّبِعۡكُمۡ﴾ ''جب تم مالِ غنیمت کی طرف چلو گے

تا کہ تم اُسے حاصل کرو پیچھے رہ جانے والے جلد ہی کہہ اُٹھیں گے: ''ہمیں بھی اجازت دو ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آئیں'' غنائم سے مراد جنگ خیبر کی غنیمتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ 5 ہجری ذوالحج کے مہینے میں حدیبیہ سے واپس پلٹے اور اس مہینے کے باقی ایام اور محرم الحرام کے ابتدائی ایام مدینہ میں قیام فرمایا۔ پھر جو صحابہ رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کیا جس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو فتح نصیب ہوئی اور غنیمت میں بہت زیادہ مال ملا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس مال کو حدیبیہ والوں کے لئے خاص فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اور کلام میں تبدیلی سے مراد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کو خیبر کے مال غنیمت میں شامل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے کلمے کی مدد و نصرت کرنا کلام اللہ کی تبدیلی کے دائرہ میں نہیں آتا۔ (تفسیر المراغی:216/9)

(2) رب العزت نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کو دنیا میں سزا دی اس بارے میں فرمایا کہ جب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غنیمتوں کے لئے آگے بڑھیں گے۔ جس میں جنگ نہیں ہوگی۔ تو یہ درخواست کریں گے کہ مالِ غنیمت جمع کرنے میں شامل کر لیا جائے۔

(3) ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کو بدل دینا چاہتے ہیں جو اس نے اہل حدیبیہ کے لئے کیا کہ خیبر کی غنیمتیں خاص ان کے لئے ہوں گی۔

سوال 2: ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ''کہہ دو: تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں آؤ گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے، تو جلد ہی وہ کہیں گے: ''بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو'' بلکہ یہ لوگ کم ہی بات کو سمجھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دو'' رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ کہہ دیں۔

(2) ﴿لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ ''تم ہمارے پیچھے ہرگز نہیں آؤ گے'' یعنی آپ لوگ ہمارے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک نہیں ہو سکتے۔

(3) ﴿كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی یہ فرما دیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ہمیں پہلے ہی اطلاع دے دی تھی لہٰذا اس جرم کی پاداش میں کہ تم نے پہلی بار جہاد کو ترک کیا۔ تم لوگوں کو غنیمتوں سے محروم کیا جاتا ہے۔

(4) ﴿فَسَیَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا﴾ ''تو جلد ہی وہ کہیں گے: ''بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو'' یعنی انہیں جب جنگ میں شریک ہونے سے روک دیا گیا تو وہ کہیں گے مال غنیمت کے بارے میں آپ ہم سے جلتے ہو اور حسد کرتے ہو اور ہمیں اس لئے شریک نہیں کرنا چاہتے۔ (5) ﴿بَلْ كَانُوْا لَا یَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ ''بلکہ یہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں'' اگر وہ سمجھ رکھتے تو انہیں پتا چلتا کہ مال غنیمت سے محرومی کا سبب ان کی نافرمانی ہے۔

(6) اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ امور دینیہ کو نہیں جانتے یعنی جہاد و قتال اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو کر کرنا اور اپنی نیتوں کی اصلاح

کرنا اور اپنے ایمانوں کو بیچ کر دکھانا اور اگر چہ وہ اپنے دنیوی امور جانتے اور سمجھتے ہوں۔ (تفسیر منیر:13/499)

سوال 3: مالِ غنیمت کی طرف چلنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) مالِ غنیمت کی طرف چلنے سے مراد غزوۂ خیبر کے لیے جانا ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے سنائی۔

(2) مالِ غنیمت کی طرف چلنے سے مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں جو آسانی سے ہاتھ آئی تھیں۔

سوال 4: منافقین غزوۂ خیبر میں کیوں شامل ہونا چاہتے تھے؟

جواب: منافقین غنیمتوں کے حصول کے لیے غزوۂ خیبر میں شامل ہونا چاہتے تھے۔

سوال 5: منافقین اللہ تعالیٰ کی کون سی بات بدلنا چاہتے تھے؟

جواب: (1) منافقین مالِ غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو بدلنا چاہتے تھے۔

(2) مالِ غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا کہ خیبر کا مال حدیبیہ والوں کے لیے ہے۔ یہ منافق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بدلنا چاہتے تھے۔

سوال 6: منافقوں کو غزوۂ خیبر سے کیسے روکا گیا؟

جواب: منافقوں سے کہا گیا کہ تم ہمارے ساتھ ہرگز نہیں چل سکتے۔

سوال 7: پیچھے رہنے والے منافقوں نے غزوۂ خیبر سے روکے جانے پر کس ردِّ عمل کا اظہار کیا؟

جواب: منافقوں نے کہا کہ تم حسد کی وجہ سے ہمیں لے جانا نہیں چاہتے۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں کی اصل خرابی کو کیسے واضح کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پابندی حسد کی وجہ سے نہیں ناسمجھی کی وجہ سے لگائی جارہی ہے۔

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾

"آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دو عنقریب تمہیں ایک انتہائی سخت جنگجو قوم کی طرف بلایا جائے گا تم اُن سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام لائیں گے پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر دے گا اور اگر تم منہ موڑو گے جیسا کہ تم اس سے

پہلے منہ موڑ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا، دردناک عذاب'' (16)

سوال 1: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دو عنقریب تمہیں ایک انتہائی سخت جنگجو قوم کی طرف بلایا جائے گا تم اُن سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام لائیں گے پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر دے گا اور اگر تم منہ موڑو گے جیسا کہ تم اس سے پہلے منہ موڑ گئے تھے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے گا، دردناک عذاب'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ ''آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دو عنقریب تمہیں ایک انتہائی سخت جنگجو قوم کی طرف بلایا جائے گا'' رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ پیچھے بیٹھ رہنے والے بدوی عربوں سے کہہ دیں جو معذرتیں پیش کرتے ہیں کہ عنقریب ان لوگوں کو جہاد کے لئے بلایا جائے گا جو سخت لڑاکا قوم ہوگی۔ وہ اہل فارس، اہلِ روم اور ان جیسی قومیں ہوں گی۔

(2) ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ ''تم اُن سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام لائیں گے'' تم ان کے خلاف جنگ کرو یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ (3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی، ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ سیدنا سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ترکی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی۔ (تفسیر ابن کثیر: 127/5)

(4) مسیلمہ کذاب کے قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ ہوازن غطفان وغیرہ قبائل جن سے حنین وغیرہ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا یا وہ مرتدین جن پر نبی ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی اکثر مفسرین نے اس سے مراد بنو حنیفہ کو لیا ہے کیونکہ وہ جنگجو بھی تھے اور ان سے معرکہ بھی اس واقعہ کے بعد جلد ہی پیش آیا۔ (شوکانی، اشرف الحواشی)

(5) ﴿فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا﴾ ''پھر اگر تم سب اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا اجر دے گا'' یعنی اگر تم رسول اللہ ﷺ کی بات مانتے اور جہاد کر لیتے تو تمہیں اچھا بدلہ ملتا۔

(6) ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''اور اگر تم سب منہ موڑو گے جیسا کہ پہلے منہ موڑ گئے تھے تو (اللہ تعالیٰ) تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا'' اگر جہاد کے حکم کی اطاعت نہیں کرو گے اور رسول اللہ ﷺ سے منہ موڑ لو گے جیسا کہ حدیبیہ جانے پر تم نے منہ موڑا تھا تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔

سوال2: دیہاتیوں کوان کے ردّعمل کی وجہ سے اجر پانے کے لیے کیا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہا گیا؟

جواب: دیہاتیوں سے کہا گیا کہ: (1) عنقریب تمہیں سخت طاقت ور قوم کی طرف بلایا جائے گا۔ پھر تم ان سے جنگ کرو گے یا وہ اسلام لائیں گے۔ (2) اگر تم اطاعت کرو گے تو اچھا اجر ہے۔ (3) اگر منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔

سوال3: پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کیا کہا گیا ہے؟

جواب: پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہا گیا ہے کہ جلد ہی تمہیں ایک طاقت ور قوم سے مقابلے کے لیے بلایا جائے گا۔ اگر وہ قوم مسلمان نہ ہوئی تو تمہاری اور ان کی جنگ ہوگی۔

سوال4: ''اگر تم اطاعت کرو گے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ خلوصِ دل کے ساتھ فرمانبرداری کرو گے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑو گے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ کے اجر سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد دنیا و آخرت کا اجر ہے۔

(2) دنیا میں مالِ غنیمت دے گا۔ (3) آخرت میں گناہوں کی معافی اور جنت دے گا۔

سوال6: منہ پھیر لینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد اطاعت سے منہ پھیرنا ہے۔ یہاں خاص مراد جنگ سے منہ پھیرنا ہے جیسے مکہ جانے سے تم نے گریز کیا اسی وجہ سے حدیبیہ کے اجر سے محروم رہے۔

سوال7: منہ پھیر لینے کی صورت میں کس چیز کی دھمکی دی گئی؟

جواب: منہ پھیر لینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا جو اُس نے تیار کر رکھا ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

''نہ اندھے پر کوئی تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو منہ موڑے گا اُسے وہ دردناک عذاب دے گا'' (17)

سوال1: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''نہ اندھے پر کوئی تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو منہ موڑے گا اُسے وہ دردناک عذاب دے گا'' ترک جہاد کے شرعی عذر کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس آیت میں رب العزت نے ترک جہاد کے شرعی عذر واضح فرمائے ہیں۔ یہ عذر دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ بیماری جس کے کچھ دن بعد انسان صحت مند ہو جاتا ہے اور دوسرے وہ عذر جو لازمی ہیں جیسے پیدائشی اندھا پن یا لنگڑا پن وغیرہ۔ تو اپنے عذر کی بنا پر اگر یہ لوگ جہاد کے لئے نکلنے سے معذور ہوں تو ان پر کوئی حرج نہیں۔

(2) اس سے مراد یہ ہے جن لوگوں میں یہ عذر پائے جاتے ہیں ان پر (جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے) کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ ان میں جو لازمی اور دائمی عذر ہیں وہ اندھا پن اور لنگڑا ہونا ہے۔ یا کوئی ایسا مریض جس کو شفایاب ہونے کی امید نہیں تو وہ جہاد سے مستثنیٰ رہے گا حتیٰ کہ وہ شفایاب ہو جائے ان پر جہاد میں عدم شرکت کا گناہ اور حرج اس لئے نہیں ہے کیونکہ اس کی طاقت اور استطاعت نہیں رکھتے۔ اس آیت کریمہ میں اندھے کو لنگڑے پر مقدم اس لئے رکھا گیا ہے۔ (تفسیر منیر: 501/13)

(3) سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرماتے ہیں'' ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ﴾ '' جہاد فی سبیل اللہ کے بارے ان پر کوئی حرج نہیں (دیگر امور تمام کے لئے اپنی حقیقت پر قائم ہیں (جامع البیان: 86/26)

(4) فقہاء نے اس سے مزید استدلال کیا ہے کہ: ''﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ '' میں معذوروں پر فرضیت جہاد عائد کرنے سے معاف اور مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ اور اس حکم میں اندھا اور دائمی لنگڑا اور دیر تک باقی رہنے والی بیماری یا عارضی اور وقتی بیماری جو جہاد میں شرکت سے روک دے حتیٰ کہ وہ شفایاب ہو جائے (تمام معذور اسی کے حکم میں آتے ہیں) (یعنی مذکورہ بالا تمام معذوروں کو جہاد میں عدم شرکت کی اجازت ہے) نص قرآنی نے ان تین اصناف اور اقسام اقتصار کیا ہے۔ کیونکہ عذر یا تو قوت و طاقت ختم ہونے اور دھوکہ دینے یا عضو کے کٹ جانے کے سبب سے ہوتا ہے اور جو بھی ان کے معنی میں اور ان کے مشابہ ہوگا وہ عذر انہی کے ضمن میں آئے گا جیسے فقیری، تطوع اور نفلی جہاد کے وقت اسلحہ حاضر کرنے سے روکتی ہے۔ اور صاحب حاجت اور ضعیف و کمزور کا مشغول ہو جانا بچے اور مریض کے زمرے میں آتا ہے اور اسی طرح جو بھی غور و فکر کرنے سے معلوم ہوگا۔ اور فقہاء نے جہاد سے روکنے والے اعضاء کو نقل کیا ہے اگر چہ وہ مانع اور روکنے والی اشیاء حسی ہوں یا حکمی ہوں۔ (تفسیر منیر: 505/13)

(5) ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی'' یعنی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کرے اور نواہی سے اجتناب کرے ان اطاعت گزاروں کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ جس کی نفس خواہش

کریں گے۔

(6)﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اور جو منہ موڑے گا اُسے وہ دردناک عذاب دے گا“ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے منہ موڑے تو اللہ تعالیٰ جہاد میں شامل ہونے کی بجائے کاروبار میں مصروف ہونے والوں کو دنیا میں ذلیل فرمائے گا اور آخرت میں آگ میں جھونک دے گا۔

(7) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن دوزخ والوں میں سب سے ہلکا عذاب اس آدمی کو ہوگا جس کے پاؤں کے نیچے آگ کے دو انگارے ہوں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (مسلم:516)

رکوع نمبر 11

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو جو ان کے دلوں میں تھا وہ جان گیا تو اس نے ان پر سکینت نازل کردی اور بدلے میں انہیں قریبی فتح عطا فرمائی“ (18)

سوال 1:﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو جو ان کے دلوں میں تھا وہ جان گیا تو اس نے ان پر سکینت نازل کردی اور بدلے میں انہیں قریبی فتح عطا فرمائی“ بیعت رضوان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی بشارت دی ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوگیا“ اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو اپنی رضا کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے۔

(2) حدیبیہ والے سال پیچھے رہنے والے لوگوں کی صورتحال کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور سابقہ چیزوں کا تذکرہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کہا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی دینی اور اخروی جزا کو واضح کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام خیبر سے بہت زیادہ مال غنیمت سے سرفراز کیا تھا اور آخرت میں ان اہل بیعت کے لیے اپنی خوشنودگی کا اظہار کردیا ہے۔ اسی طرح بیعت میں ان کے سچے ایمان

اوراخلاص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان پرطمانیت نازل کی اوران کے دلوں اورقدموں کوثابت قدمی عطا کی۔خلاصہ کلام: جب اللہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جنھوں نے رسول ﷺ کی معیت میں سفر کرنے سے راہ فرار اختیار کی تو اللہ نے مخلص مومنین کا بھی تذکرہ کردیا جنھوں نے آپ کی معیت میں رخت سفر باندھا چنانچہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی واجب ہوگئی ہے اس وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہا گیا ہے۔(تفسیر منیر:508,509/13)

(3)﴿اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ ''جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے''یعنی جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پرایسی بیعت کررہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوئے،جس کی وجہ سے اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔اسے بیعت شجرہ بھی کہتے ہیں۔

(4)حدیبیہ کے دن نبی ﷺ اوراہل مکہ کے درمیان بات چیت شروع ہوئی۔نبی ﷺ نے قریش کے پاس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کوسفیر بنا کر بھیجا یہ پیغام دے کر کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے بیعت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔اس دوران آپ ﷺ کے پاس سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ مشرکوں نے انہیں قتل کردیا ہے،اس پر آپ ﷺ نے مومنوں کو جمع کیا اور ایک درخت کے نیچے مشرکوں کے خلاف قتال پر بیعت لی کہ وہ مرتے دم تک فرار نہیں ہوں گے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔

(5)سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کوخبر دی گئی کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ(بیعت رضوان)میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد پندرہ سو تھی۔توسیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھول ہوگئی بلکہ انہوں نے تو مجھ سے کہا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ سو تھی۔(بخاری:4153)

(6)سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن ہم سے فرمایا:(آج)تم تمام زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔(بخاری:4154)(7)سیدہ ام مبشر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کوسیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ بیان کرتے ہوئے سنا:''ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والے لوگوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا''۔(مسلم:6404)

(8)طارق بن عبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حج کو گیا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز ادا کررہے ہیں۔پوچھا،یہ مسجد کیسی ہے؟جواب ملا کہ یہ وہی درخت ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کی تھی۔میں نے واپس آکر یہ قصہ سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا توانھوں نے فرمایا،میرے والد بھی ان بیعت کرنے والوں میں تھے۔ان کا بیان ہے کہ بیعت کے دوسرے سال ہم وہاں گئے،لیکن ہم وہ جگہ بھول گئے اوروہ درخت ہمیں نہ ملا۔پھر سیدنا سعید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے،تعجب ہے کہ اصحاب رسول ﷺ(یعنی بیعت کرنے والے)تو اس جگہ کو نہ پاسکیں اور انھیں معلوم نہ ہو،لیکن تم لوگ جان لو،گویا تم اصحاب رسول ﷺ سے بھی زیادہ جاننے والے ہو۔(بخاری:4163)

(9)﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''تو جو ان کے دلوں میں تھا وہ جان گیا''﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ صحابہ کے دلوں میں جو سچائی اور وفا تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا؛یہ فراء کا قول ہے۔ابن جریج رحمہ اللہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا:معنی ہے بیعت کے حکم پر ان کے راضی ہونے کو جان لیا کہ وہ

راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی بیعت کی ناپسندیدگی کو جان لیا کہ وہ موت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ کرتے رہیں گے۔ (قرطبی 200،199/8)

(10) یعنی اللہ تعالیٰ نے جب ان کے دلوں میں موجود ایمان، صدق و وفا، اخلاص و تقویٰ اور جذبہ سمع و اطاعت کو جان لیا تو ان پر طمانیت نازل کر کے ان کے نفسوں کو سکون باہم پہنچایا مزید براں حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد ان کو خیبر کی فتح، مکہ کی فتح، تمام شہروں اور صوبوں کی فتح یابی سے ہم کنار کیا۔ (تفسیر منیر: 510،509/13)

(11) ﴿فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ﴾ ''تو اس نے ان پر سکینت نازل کر دی'' اللہ رب العزت نے ان کے دلوں کے ایمان کی قدردانی کے لیے سکینت نازل فرمائی۔ جس کی وجہ سے انہیں سخت غم اور بے چینی میں بھی ثبات اور اطمینان نصیب فرمایا۔

(12) ﴿وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ ''اور بدلے میں انہیں قریبی فتح عطا فرمائی'' یعنی تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان صلح کرا دی جس کی وجہ سے دائمی خیر و برکت حاصل ہوئی اس کا سلسلہ خیبر کی فتح سے شروع ہوا پھر مکہ فتح ہوا پھر تمام ممالک کی فتوحات کے دروازے کھل گئے اور مسلمان دنیا و آخرت میں سرخرو ہوئے۔

سوال 2: بیعت رضوان کیا ہے؟

جواب: (1) بیعت رضوان حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے ہوئی۔

(2) یہ اس بات کی بیعت تھی کہ مسلمان قریشِ مکہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لئے لڑیں گے اور فرار کا راستہ اختیار نہیں کریں گے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی رضا کی مومن کی زندگی میں کیا اہمیت ہے؟

جواب: (1) مومن کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ (2) وہ اسی لئے جیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

(3) وہ اسی رضا کے حصول کے لئے مر جانا چاہتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کے اعلان کی مومنوں کی زندگی میں کیا حیثیت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا اعلان مومن کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے کیونکہ یہ اس کی سچائی، اِخلاص، استقامت اور شفاف کردار کا سرٹیفکیٹ ہے۔

سوال 5: قریبی فتح سے کیا مراد ہے؟

جواب: قریبی فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جس کو مسلمانوں نے حدیبیہ سے واپسی پر فتح کر لیا تھا۔

سوال 6: قریبی فتح عطا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ خیبر یہودیوں کا گڑھ تھا جو مسلمانوں سے شدید دشمنی رکھتے تھے۔ مسلمانوں کا اُن پر قابو پانا اللہ تعالیٰ کی مدد

سے ممکن ہوا اس لئے خیبر کی فتح کو قریبی فتح عطا کرنا کہا گیا۔

﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

''اور بہت سے اَموالِ غنیمت بھی، جنہیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' (19)

سوال 1: ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ''اور بہت سے اَموالِ غنیمت بھی، جنہیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ ''اور بہت سے اَموالِ غنیمت بھی، جنہیں وہ حاصل کریں گے'' چنانچہ حدیبیہ کے تین ماہ بعد ہی رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ خیبر فتح کرایا، بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اس کے علاوہ بہت سے باغ بھی ملے اللہ تعالیٰ کا یہ انعام تھا ان مسلمانوں پر جنہوں نے حدیبیہ کی کٹھن مہم میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا تھا۔

(قرطبی، اشرف الحواشی: 612/1)

(2) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اور کمال حکمت والا ہے اپنی زمین پر انہیں غلبہ عطا فرماتا ہے جو مالک ارض وسماوات کے فرامین کو جاری کریں۔

(3) یعنی طاقت اور قدرت کا وہی مالک ہے، جس کی بنا پر وہ تمام اشیاء پر غالب ہے، اگر وہ چاہے تو ہر اس معرکے میں، جو کفار اور مسلمانوں کے درمیان برپا ہوتا ہے، کفار سے انتقام لے سکتا ہے، مگر وہ حکمت والا ہے وہ ان کو ایک دوسرے کے ذریعے سے آزماتا ہے اور مومن کا کافر کے ذریعے سے امتحان لیتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2570/3)

سوال 2: غنیمت کسے کہتے ہیں؟

جواب: غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ میں فاتح قوم کے ہاتھ آئے۔

سوال 3: یہاں غنیمتوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں غنیمتوں سے مراد خیبر سے حاصل ہونے والی غنیمتیں ہیں۔

سوال 4: خیبر سے کتنا مالِ غنیمت ملا؟

جواب: خیبر سرسبز وشاداب علاقہ تھا۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کو کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

سوال 5: خیبر کا مالِ غنیمت کن لوگوں میں تقسیم ہوا؟

جواب: خیبر کا مالِ غنیمت حدیبیہ والوں میں تقسیم کیا گیا اسی لئے رب العزت نے انہیں خوش خبری دی تھی کہ تم کثیر مالِ غنیمت حاصل کرو گے۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز اور حکیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے خیبر کے کثیر مالِ غنیمت کے حصول سے اپنے عزیز ہونے کا شعور دلایا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے معاہدے سے اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے جس کی وجہ سے صلح کا معاہدہ ہوا۔

(3) مسلمانوں نے صلح کی مدت میں عرب قبائل کو فتح کر لیا۔

(4) دعوتِ اسلام کا کام تیزی سے ہوا۔

(5) اللہ تعالیٰ نے فتحِ مکہ کا راستہ ہموار کروایا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہت سے اَموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کرو گے چنانچہ اُس نے جلدی تمہیں یہ (فتح) دے دی اور اُس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی بن جائے اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر تمہیں چلا دے'' (20)

سوال 1: ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہت سے اموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کرو گے چنانچہ اُس نے جلدی تمہیں یہ (فتح) دے دی اور اُس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی بن جائے اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر تمہیں چلا دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس سے مراد بہت زیادہ اموالِ غنیمت، فتوحاتِ اسلامیہ اور اہلِ ایمان کے لیے ان کے علاوہ اور بہت سی نعمتیں ہیں۔ (تفسیر منیر 511/13)

(2) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیبیہ سے خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ کیا اور اس کے علاوہ دیگر بہت سارے انعامات کا جو یہ ہیں۔ (i) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح اور غنیمت کے مال کی صورت میں انعام دیا تھا یہ مکمل نہیں تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت ساری نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا جن میں سے کچھ یہ تھیں باقی تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہیں۔ (ii) ان مسلمانوں سے ہوازن، فارس اور روم جو عنقریب فتح ہونے والے تھے کی غنیمتوں کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔ (iii) مسلمانوں کی مدد اور کفار کی ذلت و شکست جو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے۔ (iv) حدیبیہ کے مشرکین کے حملوں سے مسلمانوں کا تحفظ؟ (تفسیر منیر: 514,515/13)

(3) ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بہت سے اَموالِ غنیمت کا وعدہ کیا ہے جسے تم حاصل کرو

گے'' یہ ان تمام غنیمتوں کو شامل ہے جو قیامت کے روز تک مسلمانوں کو حاصل ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:2570/2)

(4)﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ﴾ ''چنانچہ اُس نے جلدی تمہیں یہ (فتح) دے دی'' یعنی خیبر کی غنیمت۔

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خیبر فتح کیا تو مال غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا، بلکہ بیل، اونٹ، سامان اور باغات بطور غنیمت حاصل ہوئے۔ (بخاری:4234)

(6)﴿وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ ''اور اُس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے'' یعنی تمہارے دشمنوں نے تم سے جنگ کرنے کے لئے جو کچھ سوچا اس سے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ مکہ میں گھرے ہوئے تمہارے بیوی بچوں سے بھی تمہارے دشمنوں کے ہاتھ روک دیئے اور مدینہ کے منافقوں کے شر سے بھی تمہیں بچالیا۔

(7)﴿وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور تاکہ مومنوں کے لیے یہ ایک نشانی بن جائے'' اس سے مراد اہل ایمان کی نصرت واعانت پر علامت ہے (الثعالبی:256/5)

(8)﴿اٰيَةً﴾ یعنی اہل ایمان کے لیے ایسی علامت بن جائے جس کے ذریعے سے وہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کو پہچان سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحراست کو بھی اچھی طرح جان سکیں۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اہل ایمان کی، اُن کی حاضری اور غیر حاضری میں نگرانی کرتا ہے۔ مزید ان اہل ایمان کی بھی معرفت حاصل کر سکیں جو اس کے بعد آئیں گے اور جن کا یہ خیال ہوگا کہ وہ جتنی دیر تک میدان میں برسر پیکار رہیں گے اللہ تعالیٰ کی حفاظت وحراست ان کے شامل حال رہے گی۔ (المراغی:222/9)

(9) اللہ تعالیٰ یہ بات بطور احسان مسلمانوں سے فرمارہے ہیں کہ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہاری پوزیشن اتنی مضبوط نہ تھی کہ کفر کے سب سے بڑے مرکز میں تم دشمن کی تاب لاسکتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جنگ کی صورت ہی پیدا نہ ہونے دی۔ اور یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی مدد تھی۔ دوسرے یہ کہ تم مدینہ کا مرکز چھوڑ کر بہت دور نکل آئے تھے۔ جنگ کی صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ تمہارے دوسرے دشمن تمہاری غیر حاضری میں مدینہ پر چڑھ آتے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی تم سے روک دیا۔ (تیسیر القرآن:256/4)

(10)﴿وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سیدھی راہ پر تمہیں چلا دے'' یعنی توکل علی اللہ کے راستے پر اور کھلے چھپے ہر حال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے ایسے راستے پر چلا دے گا جس میں کوئی کجی نہیں۔ (ایسر التفاسیر:1493)

سوال 2: یہاں اللہ تعالیٰ نے کن غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری دی ہے۔

سوال 3: کیا چیز اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر عطا فرمادی؟

جواب: (1) فتح خیبر (2) صلح حدیبیہ۔

کیونکہ فوری طور پر یہی مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں سے روک دیئے تھے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں کافروں کے ہاتھ مسلمانوں سے روک دیئے تھے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے خیبر میں یہودیوں کے ہاتھ مسلمانوں سے روک دیئے تھے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں سے کیسے روک دیئے تھے؟

جوا: (1) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمتیں توڑ دی تھیں۔

(2) وہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکے تھے۔

سوال6: مومنوں کے لئے صلح حدیبیہ کس چیز کی نشانی ہے؟

جواب: (1) مومنوں کے لئے صلح حدیبیہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی نشانی تھی کہ وہ اسباب، وسائل اور تعداد کی کمی کے باوجود مومنوں کی مدد فرماتے ہیں۔ (2) مومنوں کے لئے صلح حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی ہے۔

سوال7: سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشنے سے مراد استقامت عطا کرنا ہے اور ہدایت میں اضافہ کرنا ہے۔

﴿وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَاؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾

''اور کئی اور (غنیمتیں) بھی جس پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اُن کو گھیر رکھا ہے اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' (21)

سوال1: ﴿وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَاؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾ ''اور کئی اور (غنیمتیں) بھی جس پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اُن کو گھیر رکھا ہے اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا﴾ ''اور کئی اور (غنیمتیں) بھی جس پر ابھی تک تم قادر نہیں ہوئے'' رب العزت نے قیامت تک کی فتوحات کی بشارت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں آسان فرمائے گا۔

(2) یعنی ان غنیمتوں کا بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے جس پر مسلمان ابھی قادر نہیں تھے اور وہ روم اور فارس کی غنیمتیں ہیں۔

(3) ﴿قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اُن کو گھیر رکھا ہے'' اللہ تعالیٰ ان ساری غنیمتوں پر پوری طرح قدرت رکھنے والا

ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں،اس کی تدبیر کے تحت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کا پورا ہونا لازم ہے کیونکہ وہ ایسے اقتدار کا مالک ہے جو بہت قوت والا،وسعت والا کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔

(4)﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾ ''اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے''یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری قلیل تعداد کے باوجود اس وقت کی دو بڑی قوموں فارس اور روم کی غنیمتیں دلوانے پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات کو کیسے گھیر رکھا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھنے سے یہ تصوّر دیا ہے کہ گویا اُس نے قید کر کے قابو میں کر رکھا ہے۔اگرچہ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ ابھی اُن لوگوں تک وسیع نہیں ہوا لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قابو میں ہیں۔اللہ تعالیٰ جب چاہے گا غلبہ عطا کر دے گا۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قدیر کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے غنیمتوں اور فتوحات کے عطا کرنے سے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

(2)اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات کو جو ابھی مسلمانوں کے دائرۂ اختیار میں نہیں،اُن کو گھیر رکھنے سے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔

(3)اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا کرنے سے اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے۔وہ جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ وہ قدرت رکھتا ہے۔

﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾

''اور اگر تم سے لڑتے وہ جنہوں نے کفر کیا تو ضرور وہ پیٹھیں پھیر جاتے پھر کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار پاتے''(22)

سوال1:﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ ''اور اگر تم سے لڑتے وہ جنہوں نے کفر کیا تو ضرور وہ پیٹھیں پھیر جاتے پھر کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار پاتے''مسلمان کافروں سے مرعوب نہ ہوں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا،آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ﴾ ''اور اگر تم سے لڑتے وہ جنہوں نے کفر کیا تو ضرور وہ پیٹھیں پھیر جاتے'' رب العزت نے ایمان والوں کو خوش خبری دی ہے کہ اگر مشرک ان کے مقابلے پر آئیں گے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا۔کافر بدحواس ہو کر بھاگیں گے اور شکست کھائیں گے۔

(2)﴿ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا﴾ ''پھر کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار پاتے''اس لئے ایمان والے کافروں سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔وہ تنہا اور مغلوب چھوڑ دیے جائیں گے۔

(3)کافر اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور ایمان والوں سے لڑ رہے ہیں۔تمہارے خلاف جنگ میں کوئی ان کی مدد نہیں کرے گا۔اللہ تعالیٰ کی

سنت ہے اس کے لشکر ہی غالب آئیں گے۔

سوال 2: حدیبیہ میں جنگ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جنگ ہونے کی صورت میں قریش پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور کوئی ان کا حامی و مددگار نہ ہوتا۔

سوال 3: قریش اپنا کوئی حامی و مددگار کیوں نہ پاتے؟

جواب: (1) کافروں کا کوئی حامی کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

(2) کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد کرتا ہے۔ پھر کافر کیسے مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر سکتے ہیں!

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

''اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے ہی سے گزر چکا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے''(23)

سوال 1: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ ''اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے ہی سے گزر چکا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے'' اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کرتے ہیں آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے جو پہلے ہی سے گزر چکا ہے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں میرا طریقہ کار یہ ہے کہ میں اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہوں اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہوں۔ (الوسیط: 141/4)

(2) اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار ہے جب کفر اور ایمان، حق اور باطل، روشنی اور اندھیرا ٹکرائیں تو اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر غالب کر دیتا ہے جیسا کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

(3) ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ ''اور آپ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے'' اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی نہیں آتی کیونکہ وہ قادر ہے۔ اُس پر کوئی قدرت حاصل کر کے اُس کے طریقہ کار کو بدل نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق مسلمانوں کی ہر جگہ مدد کی گئی جیسے بدر میں، اَحزاب میں، حدیبیہ میں اور فتحِ مکہ کے موقع پر۔

سوال 2: پہلے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی کیا سُنت چلی آ رہی ہے؟

جواب: پہلے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ جب ایمان اور کفر کی جنگ ہو تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی مدد کرتے ہیں اور حق کو سربلند کرتے ہیں۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾

''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے اس کے بعد کہ وہ تمہیں اُن پر فتح عطا کر چکا تھا اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو'' (24)

سوال 1: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے اس کے بعد کہ وہ تمہیں اُن پر فتح عطا کر چکا تھا اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو'' اللہ رب العزت نے مشرکوں کے ہاتھ مومنوں تک پہنچنے نہیں دیے۔ اس کے عظیم احسان کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے اس کے بعد کہ وہ تمہیں اُن پر فتح عطا کر چکا تھا'' اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ میرا احسان نہ بھولو میں نے مشرکوں کے ہاتھ تم تک نہیں پہنچنے دیے اور ان سے کوئی ایذا تمہیں نہ ہونے دی اور تم کو بھی حرمت والی جگہ جنگ کرنے سے روک دیا اور دونوں میں صلح کرا دی جس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں خیر و برکت ہے۔ صلح کی برکتوں کا ظہور امن و ایمان اور عافیت و سلامتی کے سبب میں ہوا جو مسلمانوں کے لیے خیر کثیر کا سبب بنا۔ (مختصر ابن کثیر: 1902/2)

(2) تمہیں ان پر قدرت حاصل ہوگئی تو کسی معاہدے کے بغیر وہ تمہاری ولایت میں آگئے۔ تقریباً اسّی لوگ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر انہوں نے مسلمانوں کو باخبر پایا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی کہ مسلمانوں نے گرفتار کرنے کے باوجود انہیں چھوڑ دیا اور قتل نہیں کیا۔

(3) ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾ ''اور ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو'' اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے مقام پر ہونے والے ایک ایک واقعے سے جیسے کافروں کو مسلمانوں سے بچانا، مسلمانوں کو کافروں سے بچانا، کافروں کا صلح کے لئے آنا، بیعتِ رضوان، دلوں کے حالات سے واقفیت اور اپنی رضا سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔ گویا زمین پر ہونے والے ایک ایک واقعے کو نظر میں رکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے حالات کا رخ جس طرف پھیرنا چاہ رہے تھے پھیر رہے تھے۔

(4) اللہ تعالیٰ بصیر ہے وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیسے کافروں کو روک دیا تھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی اور مسلمانوں سے کافروں کو روک دیا۔ حدیبیہ میں 80 افراد ہتھیاروں سے

پس اس نیت سے کافروں نے بھیجے کہ دھوکے سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کوئی کاروائی کریں۔ چنانچہ یہ مسلح گروہ تنعیم کی طرف سے حدیبیہ میں آیا۔ مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے ان افراد کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اُن کا جرم ایسا تھا کہ شدید سزا دینی چاہیے تھی لیکن سزا کی صورت میں جنگ ناگزیر ہو جاتی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ صلح چاہتے تھے اس لئے مسلمانوں کے مفاد میں انہیں معاف کر کے چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم)

سوال 3: مکہ کی وادی سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد حدیبیہ ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مسلمانوں کو کیوں روک دیا تھا؟

جواب: حدیبیہ کے موقع پر صلح میں مسلمانوں کا مفاد تھا۔ اس لئے غلبہ حاصل کر لینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روک دیا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے غلبہ حاصل کرنے کے باوجود مسلمانوں کو کافروں سے روک کر کس چیز کا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنی قدرت، اپنے غلبے کا یقین دلایا ہے کہ اس کائنات میں ہر کام اُس کے ارادے، اُس کی قدرت اور اجازت سے انجام پاتا ہے۔

﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾

''وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو جو اس سے روکے ہوئے تھے کہ وہ اپنی قربان گاہ پر پہنچیں اور اگر کچھ مومن مرد اور کچھ مومن عورتیں (مکہ میں) موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے، یہ کہ تم بے خبری میں ہی انہیں کچل ڈالو گے تو اُن کی وجہ سے بے خبری میں تمہیں تکلیف پہنچتی تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اور اگر وہ الگ الگ ہوتے تو اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ہم اُن کو لازماً دردناک عذاب دیتے'' (25)

سوال 1: ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو جو اس سے روکے ہوئے تھے کہ وہ اپنی قربان گاہ پر پہنچیں اور اگر کچھ مومن مرد اور کچھ مومن

عورتیں (مکہ میں) موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے، یہ کہ تم بے خبری میں ہی انہیں کچل ڈالو گے تو اُن کی وجہ سے بے خبری میں تمہیں تکلیف پہنچتی تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اور اگر وہ الگ الگ ہوتے تو اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ہم اُن کو لازماً دردناک عذاب دیتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے مشرکوں کی مذمت کرتے ہوئے ان امور کا ذکر فرمایا جو مشرکوں کے خلاف جنگ کا باعث بنیں۔

(2) ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا'' یعنی قریش کے مشرک اور ان کا ساتھ دینے والے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پیدا کرنے والے، اپنے رب کا انکار کیا۔

(3) ﴿وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''اور تمہیں مسجدِ حرام سے روک دیا'' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا حالانکہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔

(4) ﴿وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ﴾ ''اور قربانی کے جانوروں کو جو اس سے روکے ہوئے تھے کہ وہ اپنی قربان گاہ پر پہنچیں'' یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو حرم پر اپنا حق ثابت کرتے ہیں اور حرم کی طرف آنے والے قربانی کے جانوروں کو مکہ مکرمہ جہاں قربانیوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اپنی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے قربانی کے ستر اونٹوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔

سوال 2: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ﴾ ''اور اگر کچھ مومن مرد اور کچھ مومن عورتیں (مکہ میں) موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ﴾ ''اور اگر کچھ مومن مرد اور کچھ مومن عورتیں (مکہ میں) موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے'' یعنی اگر مکہ میں مومن مرد اور عورتیں گھرے ہوئے نہ ہوتے۔ جو ایمان کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ جو اپنی جانوں کے خوف سے ایمان کو ظاہر نہیں کرتے۔ ان کی وجہ سے تمہیں جنگ کی اجازت نہیں دی گئی۔

(2) اگر تمہیں ان پر مسلط کر دیا جاتا تو تم بے خبری میں ان کا نام و نشان تک مٹا دیتے۔ تم انہیں قتل کرتے اور تمہیں خبر تک نہ ہوتی۔

(3) یعنی تم لاعلمی میں مسلمانوں کو بھی شہید کر ڈالتے اور گناہ اور دیت تمہارے سر آجاتا اور مشرکوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ مسلمان تو اپنے بھائیوں کو بھی مار ڈالتے ہیں۔

(4) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ کفار اور مسلمانوں کو آپس میں مڈبھیڑ سے بچائے رکھا اور ان کے درمیان میثاقِ صلح حدیبیہ کروایا اور اس معاہدے کے اسباب اور مصلحتیں بھی ذکر کی ہیں، اس آیت میں ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ﴾ کہ ان مسلمانوں کی حفاظت مطلوب تھی، دین اسلام کی نشر و اشاعت مقصود تھی، اسی طرح کفار کو اسلام کی طرف لانا، جاہلی آثار و حمیت کو ختم کرنا جو عقل معقول کے لیے ناقابل قبول تھی، اطمینان و سکون کا نزول، رسول اللہ ﷺ کے دل کی ثابت

قدمی، مومنوں کا ان کی اتباع کرنا اور وعدہ وعہد کو ہمیشہ وفا کرنا، اس دن اور میثاق کی حکمتوں اور مصلحتوں میں سے ہوئے۔ (تفسیر منیر:521/13)

سوال3:﴿لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے اور اگر وہ الگ الگ ہوتے تو اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، ہم اُن کو لازماً دردناک عذاب دیتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کر دے'' یعنی تمہیں قتال کی اجازت نہیں دی گئی تو ان لوگوں کو موقع دے دیا گیا جو ایمان لانا چاہتے ہیں وہ ایمان لے آئیں۔

(2)﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''اگر وہ الگ الگ ہوتے تو اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہم اُن کو لازماً دردناک عذاب دیتے'' یعنی اگر وہ ہٹ جاتے یا ان کی اور کافروں کی پہچان ہوتی تو ہم کافروں کو دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے، یعنی تمہیں ان پر مسلط کر دیتے اور تم ان میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ (مختصر ابن کثیر:2190/3)

(3) اس آیت کے نزول﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ﴾ کے بارے میں طبرانی اور ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ میں ابو جمعہ جنید بن سبع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں دن کے شروع میں کفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لڑا اور دن کے آخری حصے میں اسلام کی حالت میں آپ ﷺ کی معیت میں لڑا۔ ہم تین آدمی اور سات عورتیں تھیں اور ہمارے بارے میں یہ آیت:﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ﴾ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ ہم تین آدمی اور نو عورتیں تھیں اور ہمارے بارے میں یہ آیت﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ﴾ نازل ہوئی اسے طبرانی، ابو یعلیٰ اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر منیر:521/13، المراغی:228/9)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کی صُلح کے بارے میں کیا واضح کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اُس نے تمہاری ان لوگوں سے صلح کروائی ہے جنہوں نے کفر کیا، تمہیں مسجدِ حرام سے روکا، تمہارے قربانی کے جانور روکے۔ اب ان ہی کو اللہ تعالیٰ صُلح کے لئے تمہارے پاس لایا ہے۔

سوال5: ھدی کسے کہتے ہیں؟

جواب: ھدی قربانی کے جانور کو کہتے ہیں جو حاجی یا عمرہ کرنے والا مکہ لے جاتا تھا۔

سوال6: مَحِلّه سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد قربان گاہ ہے۔ یہ عمرہ کرنے والوں کے لیے مروہ پہاڑی کے پاس اور حاجیوں کے لیے منیٰ تھا۔ یہیں پر جانور ذبح کیے جاتے تھے۔

سوال 7: حدیبیہ میں عمرے کے لیے آنے والوں کو اور ہدی کے جانوروں کو کافروں نے کیوں روکا تھا؟

جواب: (1) کافروں نے مسلمانوں کے خوف سے انہیں روکا تھا۔

(2) کافروں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے صدیوں کی روایت کو توڑا تھا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر تک اور ان کی قربانیوں کو ذبح ہونے کے لیے نہیں پہنچنے دیا تھا۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں اور مسلمانوں کو روکنے کی کیا وجہ بتائی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ہدی اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی حکمت سے، اس کے ارادے سے روکے گئے۔

(2) اس میں حکمت یہ تھی کہ مومن مرد اور عورتیں مکہ میں موجود تھے جنہوں نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا تھا۔ انہیں بچانا مطلوب تھا۔

(3) اگر مسلمان مکہ پر چڑھائی کرتے، خون ریزی ہوتی تو مسلمانوں پر بے خبری میں مسلمانوں کو قتل کرنے کا الزام آتا۔

(4) حدیبیہ کی صلح اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔ کفار کے ساتھ لڑائی کی صورت میں امکان تھا کہ مومنینِ مکہ بھی مارے جاتے اور آپ ﷺ کو بھی نقصان پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں نقصان سے بچالیا۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کردے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا کردے۔ جیسے اہلِ مکہ کو مہلت دی گئی کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔

سوال 10: ''اگر یہ الگ الگ ہوتے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ مکہ میں آباد مومن اگر کافروں سے الگ رہائش پذیر ہوتے۔

سوال 11: اگر مومن اور کافر الگ الگ ہوتے تو حدیبیہ میں آنے والے مسلمانوں کو کیا حکم دیا جاتا؟

جواب: اگر مومن اور کافر الگ الگ ہوتے تو اہلِ مکہ سے لڑنے کی اجازت دے دی جاتی۔ مسلمانوں کے ہاتھوں کافر قتل ہوتے۔ انہیں دردناک سزا دی جاتی۔

سوال 12: عذابِ الیم سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں عذابِ الیم سے مراد قتل کرنا، قیدی بنانا ہے۔

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾

''جب اُن کافروں نے اپنے دلوں میں ضد رکھ لی اور وہ بھی جاہلیت کی ضد تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر سکینت نازل کی اور اُنہیں تقویٰ کی بات کا پابند رکھا اور وہ اُس کے زیادہ حق دار اور اس کے زیادہ اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' (26)

سوال 1: ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ ''جب اُن کافروں نے اپنے دلوں میں ضد رکھ لی اور وہ بھی جاہلیت کی ضد تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر سکینت نازل کی اور اُنہیں تقویٰ کی بات کا پابند رکھا اور وہ اُس کے زیادہ حق دار اور اس کے زیادہ اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' جاہلیت کی حمایت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ﴾ ''جب اُن کافروں نے اپنے دلوں میں ضد رکھ لی اور وہ بھی جاہلیت کی ضد'' جاہلیت کی حمایت یہ تھی کہ سہیل نے صلح نامے کی دستاویز پر'' ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾'' لکھنا گوارا نہیں کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے لفظ کا لکھنا بھی ناپسند کیا اس پر مسلمان مشتعل ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں صبر و تحمل پیدا کر دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 1904/2)

(2) قریش نے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ اس قسم کے تمام امور جاہلیت کے ہیں جو ان کے دلوں میں موجود تھے اور بے شمار گناہوں کا باعث بن رہے تھے۔

(3) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کے نزدیک گھیر لیا گیا تو اہل مکہ نے آپ ﷺ سے ان باتوں پر صلح کر لی کہ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہو کر صرف تین دن قیام کریں گے اور مکہ میں تلواروں کے ساتھ داخل نہ ہوں گے سوائے اس کے کہ تلواریں نیاموں میں ہوں اور اہل مکہ میں سے کسی کو بھی آپ ﷺ لے کر نہ جائیں گے اور (مسلمانوں میں سے) جو مکہ میں ٹھہرنا چاہے اسے منع بھی نہ کریں گے جو آپ ﷺ کے ساتھ آئے ہوں۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان شرائط کو ہمارے درمیان تحریر کر دو۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یہ وہ شرائط ہیں جن کا فیصلہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ آپ ﷺ سے مشرکین نے کہا: اگر ہم آپ ﷺ کو رسول اللہ جانتے ہوتے تو آپ ﷺ کی اتباع کر لیتے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھو۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اسے مٹانے کا حکم دیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: نہیں! اللہ کی قسم میں تو اسے نہ مٹاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس لفظ کی جگہ مجھے دکھاؤ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس لفظ کی جگہ دکھائی تو آپ ﷺ نے خود اسے مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھ دیا گیا۔ (مسلم: 4631)

(4) یعنی مراد سہیل بن عمرو ہے کہ جب یہ جاہلی غیرت میں آ گیا تھا معاہدے کے دوران بسم اللہ الرحمن الرحیم اور محمد رسول اللہ ﷺ لکھتے ہوئے اور اسی طرح قریش مکہ مراد ہیں جو اس سال مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر غیرت میں آ گئے تھے۔ (جامع البیان: 105/26)

(5) زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کی حمیت جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ میں ذکر کیا ہے وہ یہی تھی کہ انہیں ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھنا نہ تھا اور وہ مسلمانوں اور بیت اللہ کے درمیان حائل تھے۔ (جامع البیان:105/26)

(6) ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر سکینت نازل کی'' رب العزت نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون پیدا کیا۔ اس طرح کفار کے برتاؤ کی وجہ سے ان پر غصہ غالب نہ آسکا، انہوں نے صبر کیا۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم تھی۔

(7) یہاں ﴿سَكِيْنَتَهٗ﴾ سے مراد اطمینان، وقار اور بردباری ہے اور یہ وہی سکینت ہے جو انہوں نے کفار کی جاہلی غیرت کے مقابلے میں دکھائی۔ (الاساس:5370/9)

(8) (i) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں پر اس لیے سکون نازل کیا کیوں کہ خطرہ تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں شدت نہ آجائیں اور وہ بھی اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر مکہ جانے کے لیے اصرار نہ کریں۔ اگر ایسا ہوتا تو جنگ چھڑ جاتی اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرناک ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ نے سکون نازل فرما دیا۔ انہیں صبر و تحمل کی توفیق دی جس کی وجہ سے انہوں نے مکہ جانے کی کوشش نہیں کی۔ (ii) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس وقت بھی حوصلہ دیا جب قریش مکہ نے صلح کے معاہدے کے وقت ناقابل برداشت رویہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو برداشت کرنے کا ظرف اس سکون کی وجہ سے عطا فرمایا۔

(9) ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ ''اور انہیں تقویٰ کی بات کا پابند رکھا'' اس سے مراد کلمہ (لا الہ الا اللہ) اور اس کے حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لازم ٹھہرایا کہ کلمہ اور اس کے حقوق کو ادا کریں۔ پس اہل ایمان نے ان حقوق کا التزام کر کے ان کو قائم کیا۔ (سعدی: 2573/2)

(10) تقویٰ والا کلمہ لا الہ الا اللہ ہے سیدنا ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔

(11) ﴿وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ ''اور وہ اُس کے زیادہ حق دار اور اس کے زیادہ اہل تھے'' یعنی کلمہ توحید اور کلمہ تقویٰ کے مسلمان زیادہ اہل ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1495)

(12) علی ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ اور منیٰ کے درمیان مازمین کے مقام پر تھا کہ انہوں نے لوگوں کو ''لا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' کہتے ہوئے سنا تو فرمانے لگے، یہی یہی، میں نے کہا کیا مراد ہے؟ تو فرمایا یہی ہے وہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی (اللہ) اس کا زیادہ حق دار اور اہل ہے۔ (جامع البیان:108/26)

(13) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لوگوں سے تب تک قتال کروں گا جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں اور جس نے اس بات کا اقرار کرلیا تو اس کا مال اور جان مجھ سے محفوظ ہوگئی الا یہ کہ کوئی شرعی تقاضا ہو، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

(14)﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' یعنی بندوں کے امور کو اللہ تعالیٰ پوری طرح جانتا ہے۔ وہ مومنوں کی اہلیت کو بھی خوب جانتا ہے اور ان کے کلمہ تقویٰ کا زیادہ حق دار ہونے کا پورا علم رکھتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:1495)

سوال 2: کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو کیسے جگہ دی؟

جواب: کافروں نے مسلمانوں کے لیے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو جگہ دی۔ انہوں نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم! ہم ان کو یہاں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے ہمارے باپ بیٹے قتل کیے۔ یوں انہوں نے اسے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنا لیا۔

سوال 3: کیا بیت اللہ میں عبادت کے لیے آنے والوں کو روکنے کا کسی کو حق تھا؟

جواب: بیت اللہ میں عبادت کے لیے آنے والوں کو روکنے کا حق کسی کو نہیں تھا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ کے کلمے پر کیسے جمائے رکھا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر سکون نازل کر کے انہیں صبر و وقار عطا کیا جس کی وجہ سے انہوں نے معاہدے کو پورا کیا۔ ایفائے عہد پر ثبات ہی تو تقویٰ ہے۔

رکوع نمبر 12

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ سچ کر دکھایا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں سر منڈواتے ہوئے، بال ترشواتے ہوئے، امن کی حالت میں داخل ہو گے کہ تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا، تو اس نے جانا جو تم نے نہیں جانا چنانچہ اُس نے پہلے تمہیں قریبی فتح عطا کر دی'' (27)

سوال 1: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ ''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ سچ کر دکھایا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں سر منڈواتے ہوئے، بال ترشواتے ہوئے، امن کی حالت میں داخل ہو گے کہ تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا، تو اس نے جانا جو تم نے نہیں جانا چنانچہ اُس نے پہلے تمہیں قریبی فتح عطا کر دی'' نبی ﷺ کا خواب سچا تھا آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ سچ کر دکھایا'' یعنی جو خواب نبی ﷺ نے دیکھا اس کا پورا ہونا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سچ ہے۔

(2) اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا اور آپ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو اس خواب سے آگاہ فرمایا کہ وہ عنقریب مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ جب حدیبیہ کے دن ان کے درمیان صلح ہوئی اور اہل ایمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس لوٹے تو اس بارے میں ان سے بہت سی باتیں صادر ہوئیں حتیٰ کہ انہوں نے ان باتوں کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی اظہار کیا چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ خبر دی تھی کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''کیا میں نے تمہیں یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال بیت اللہ کی زیارت اور طواف سے بہرہ مند ہوں گے؟'' انہوں نے جواب دیا ''نہیں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم عنقریب بیت اللہ کی زیارت کے لیے جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔'' (سعدی:2574/3)

(3)﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ﴾ ''ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں سر منڈواتے ہوئے، بال ترشواتے ہوئے، امن کی حالت میں داخل ہو گے'' یعنی تم ضرور مسجد حرام میں سر منڈوا کر داخل ہو گے یا بالوں کو ترشوا کر مناسک ادا کر رہے ہوں گے اور تمہیں کوئی خوف نہیں ہو گا۔

(4) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر اپنی رحمت فرما'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! بال کتروانے والوں پر بھی رحمت کی دعا فرمایئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحمت نازل فرما'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! بال کتروانے والوں پر بھی رحمت کی دعا فرمایئے تو آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا: ''بال کتروانے والوں پر بھی رحمت فرما''۔ (بخاری:1727)

(5)﴿لَا تَخَافُوْنَ﴾ ''کہ تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا'' یعنی تم بے خوف ہو کر مکہ میں داخل ہو گے۔

(6) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے کہا کہ تمہارے یہاں وہ لوگ آ رہے ہیں جنہیں یثرب (مدینہ) کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلا جائے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حسب معمول چلیں۔ تمام چکروں میں اکڑ کر چلنے کا حکم آپ نے اس لیے نہیں دیا کہ کہیں یہ (امت پر) دشوار نہ ہو جائے۔ اور حماد بن سلمہ نے ایوب سے اس حدیث کو روایت کر کے یہ اضافہ کیا ہے۔ ان سے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اور ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ اس سال عمرہ کرنے آئے جس میں مشرکین نے آپ ﷺ کو امن دیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکڑ کر چلو تا کہ مشرکین تمہاری قوت کو دیکھیں۔ مشرکین جبل قعیقعان کی طرف

کھڑے دیکھ رہے تھے۔(بخاری:4256) نبی ﷺ نے 7ھ میں ذی قعدہ میں عمرۃ القضا ادا فرمایا اور مسلمان امن وامان سے مکہ داخل ہوئے پھر بےخوف ہوکر تین دن وہاں ٹھہرے۔(مختصر ابن کثیر:1905/2)

(7)﴿فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا﴾ ''تو اس نے جانا جو تم نے نہیں جانا'' نبی ﷺ نے حدیبیہ سے واپس جانے کے بعد 7ھ میں خیبر فتح کیا اور مال غنیمت کو صرف حدیبیہ والے مسلمانوں پر تقسیم فرمایا۔رب العزت نے اسی بارے میں فرمایا: کہ تمہیں باتیں معلوم نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔(8)﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ ''چنانچہ اُس نے پہلے تمہیں قریبی فتح عطا کردی'' اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں قریبی فتح عطا فرمادی۔حدیبیہ سے واپس کرنے اور دوبارہ مکہ آنے میں جو حکمتیں، مصلحتیں اور بھلائیاں تھیں انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا کون سا خواب سچ کردکھایا تھا؟

جواب:واقعہ حدیبیہ سے پہلے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوکر طواف اور عمرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا۔نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔اسی وجہ سے نبی ﷺ اسے بشارت سمجھتے ہوئے فوراً عمرہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔آپ ﷺ نے عام منادی کروادی اور عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔پھر حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔مسلمانوں کو اس کا بہت رنج تھا کہ ہم بیت اللہ میں جانے کی بجائے گھر واپس جارہے ہیں۔اس پر رب العزت نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خواب سچ کردکھایا۔خواب عمرے کے بارے میں تھا۔جب بھی ہو،وقت کا تعین نہیں تھا۔مسلمانوں نے حدیبیہ کے اگلے سال عمرہ کیا اور یوں رسول اللہ ﷺ کا خواب سچ ہوگیا۔

سوال3:اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عمرے کے بارے میں کیا تسلی دی؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم پورے امن وامان کے ساتھ حرم میں داخل ہوگے۔
(2)سر منڈواؤ گے یا بال کٹواؤ گے۔(3)چین کے ساتھ نڈر ہوکر داخل ہوگے۔

سوال4:قریب کی فتح نصیب کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد فتحِ خیبر اور فتحِ مکہ سے پہلے صلح ہے جس کے نتیجے میں لوگوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا۔اس فتح کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھے۔جب مکہ فتح ہوا تو ان کی تعداد دس ہزار تھی۔یقیناً یہ ایک عجیب فتح تھی جو اللہ تعالیٰ نے نصیب کی۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾

''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اُس کو ہر دین پر غالب کردے اور اس

پر اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' (28)

سوال 1: ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُس کو ہر دین پر غالب کر دے اور اس پر اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔'' رب العزت نے ایمان والوں کو دنیا پر چھا جانے کی بشارت دی ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا'' اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو خوشخبری دی ہے کہ وہ اپنے رسول کو نہ صرف قریش پر بلکہ تمام لوگوں پر فتح نصیب فرمائے گا کیونکہ اس نے آپ ﷺ کو نفع مند علم اور نیک عمل کے ساتھ بھیجا ہے۔ (2) ﴿بِالۡهُدٰى﴾ ''ہدایت کے ساتھ'' یعنی ایسے نفع مند علم کے ساتھ جو گمراہی میں سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور خیر اور شر کے سارے راستے واضح کر دیتا ہے۔

(3) ﴿وَدِيۡنِ الۡحَقِّ﴾ ''اور دینِ حق کے ساتھ'' اور اس نے نبی ﷺ کو ایسے دین کے ساتھ بھیجا ہے جو حق ہے۔ یعنی وہ دین عدل، احسان اور رحمت ہے۔

(4) اس سے مراد ہر وہ عمل ہے جو دلوں کو پاک، نفوس کی تطہیر، اخلاق کی تربیت اور اقدار کو بلند کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2575,2574/3)

(5) ﴿لِيُظۡهِرَهٗ﴾ ''تاکہ وہ اُس کو غالب کر دے'' یعنی اس دین کو غلبہ عطا فرمائے۔

(6) ﴿عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ﴾ ''ہر دین پر'' یعنی دنیا بھر کے دینوں پر محمد ﷺ کا دین غالب رہے۔

(7) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، میں نے سنا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات اور دن ختم نہ ہوں گے جب تک لات اور عزیٰ (یہ دونوں بت تھے جاہلیت کے) پھر نہ پوجے جائیں گے'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو سمجھتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ﴾ ''وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُس کو ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک لوگ برا جانیں۔'' (التوبہ: 33) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا ہو گا جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس کی وجہ سے ہر مؤمن مر جائے گا یہاں تک کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں دانے برابر بھی ایمان ہو گا مر جائے گا اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن میں بھلائی نہیں ہے، پھر وہ لوگ اپنے مشرک باپ دادا کے دین پر لوٹ جائیں گے۔'' (صحیح مسلم: 7299)

(8) ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا﴾ ''اور اس پر اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' یعنی محمد ﷺ کے رسول ہونے کی خود اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اور اس کی گواہی کافی ہے اگر آج لوگ آپ ﷺ کو رسول نہیں مانتے تو کل انھیں ماننا پڑے گا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ کیوں بھیجا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے تا کہ وہ دوسرے اَدیان پر دینِ اسلام کو غالب کر دے۔

سوال 3: اسلام کے غلبے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد دلیل کا غلبہ بھی ہے۔

(2) اس سے مراد فوجی اور دنیوی لحاظ سے غلبہ ہے جو مسلمانوں کو اس وقت حاصل ہوا جب وہ اپنے دین پر قائم رہے۔

سوال 4: غلبۂ دین کے مراحل کیا ہیں؟

جواب: (1) غلبۂ دین کا آغاز دین کے علم سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

(2) اسلام علمی تحریک ہے۔ جب تک مسلمان علمی میدان میں ترقی نہیں کریں گے غلبہ مقدر نہیں ہو سکتا۔

(3) اسلام کے غلبے کے لئے ایسی شخصیات کی تیاری کی ضرورت ہے جو غلبۂ دین کے لئے کام کریں، جن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو، جو مومن، مخلص اور محسن ہوں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غلبۂ دین کے لیے تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے۔

(4) اسلام کے غلبہ کے لئے Knowledge کی Islamisation ضروری ہے۔ علم کی بنیادوں کو عقیدے کی بنیاد پر درست کئے بغیر غلبے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(5) غلبۂ اسلام کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ کار اختیار کرنا ضروری ہے یعنی دعوت اور جہاد۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ کی گواہی کے کافی ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد اس کی monitoring ہے۔ وہ مسلسل ہمارے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی کی گواہی نہیں ہو سکتی۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾

”محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ اُنہیں اس حال میں دیکھو گے کہ وہ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں، سجدوں کے اثرات سے اُن کے چہروں

میں ان کی شناخت ہے۔اُن کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں اُن کی مثال ایک کھیتی جیسی ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس نے اُس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ اُن کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور اُن میں سے جنہوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے" (29)

سوال 1: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ﴾ "محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، آپ اُنہیں اس حال میں دیکھو گے کہ وہ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں، سجدوں کے اثرات سے اُن کے چہروں میں ان کی شناخت ہے۔ اُن کی یہ مثال تورات میں ہے" رب العزت نے محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دی اور تورات میں صحابہ کے اوصاف کا جو ذکر کیا ہے آیت کے اس حصے کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ "محمد اللہ کا رسول ہے" یعنی محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر اور رسول امین ہیں۔

(2) ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ﴾ "اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں" یعنی آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جو مہاجرین اور انصار میں سے ہیں۔

(3) ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ "وہ کفار پر سخت" یعنی دین کی فتح کے لیے سخت محنت کرنے والے کفار کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے ہیں۔ ان کے دشمن ان کے سامنے ذلیل ہوئے وہ ان کی قوت توڑ کر ان پر غالب آ گئے۔

(4) ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ "آپس میں نہایت رحم دل ہیں" یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی، شفقت اور رحمت کا معاملہ کرنے والے ہیں۔ وہ ایک جسم کی طرح ہیں ان میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

(5) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔ (بخاری: 2446)

(6) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو مومنوں کو باہمی رحم دلی، دوستی اور باہمی مہربانی میں ایک جسم کی مانند پائے گا۔ جب کسی عضو کو دکھ درد پہنچتا ہے تو سارا جسم بے خوابی اور تپ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (بخاری: 6011)

(7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا: اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت رکھے، تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔'' (بخاری:16)

(8)﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ ''آپ اُنہیں اس حال میں دیکھو گے کہ وہ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے ہیں'' ان کا اپنے خالق کے ساتھ کیسا تعلق ہے۔ آپ ﷺ انہیں رکوع اور سجدوں میں دیکھو گے۔

(9) یعنی نماز کی کثرت ان کی نمایاں خصوصیت ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ثواب کی امید رکھ کر رکوع اور سجدے کرتا ہے۔

(10)﴿يَبْتَغُوْنَ﴾ ''ڈھونڈتے ہیں'' وہ نماز کے رکوع اور سجدوں کے ذریعے سے طلب گار ہیں۔

(11) یعنی وہ اپنے ایمان کے بعد اپنے سجدوں اور باہمی محبت کی وجہ سے طلب گار ہیں۔

(12)﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے فضل سے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی جنت کے طلب گار ہیں۔

(13)﴿وَرِضْوَانًا﴾ ''اور رضا'' اس کی رضا کے طلب گار ہیں جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ '' اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا مندی سب سے بڑی ہے'' (التوبہ:72)

(14)﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ''سجدوں کے اثرات سے اُن کے چہروں میں ان کی شناخت ہے'' سجدوں کے اثرات ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ گویا یہ ان کی علامت ہے۔

(15) حسن عبادت اور اس کی کثرت نے ان کے چہروں پر اثر کیا ہے حتی کہ وہ منور ہو گئے ہیں، چونکہ نماز کے نور سے ان کے باطن روشن ہیں۔ لہذا اجلال سے ان کے ظاہر منور ہیں۔ (تفسیر سعدی:2585، 2576)

(16) مراد وہ نور اور وقار ہے جو کثرت عبادت سے انسان کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہرے اس اعتبار سے ممتاز نظر آتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوجیں شام میں داخل ہوئیں تو وہاں کے عیسائی انہیں دیکھ کر کہنے لگے ہمیں مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی جو شان معلوم ہے ان کی شان اس سے بھی کہیں زیادہ ہے'' (مختصر ابن کثیر، اشرف الحواشی:614/1)

(17) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے کچھ لوگوں پر اپنی رحمت کرنا چاہیں گے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کو دوزخ سے نکال دیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا اور ان میں سے جس پر اللہ اپنا رحم فرمائیں اور جو ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہتا ہوگا فرشتے ایسے لوگوں کو پہچان لیں گے اور ایسوں کو بھی پہچان لیں گے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان ہوں گے۔ (بخاری:806)

(18) یعنی وہ اچھے اخلاق والے، خشوع وخضوع اور تواضع والے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتوں میں خلوص اور عملوں میں احسان تھا۔ جو شخص انہیں دیکھتا ان کے اخلاق وطریقے پر گرویدہ ہو جاتا تھا۔ (مختصر ابن کثیر:1906/2)

(19)﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی یہ احوال۔﴿مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰىةِ﴾ ''اُن کی یہ مثال تورات میں ہے'' یعنی یہ ان کی مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات میں ہے۔

سوال 2:﴿وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـئَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ﴾ ''اور انجیل میں اُن کی مثال جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس نے اُس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ اُن کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے'' انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف کا جو ذکر کیا گیا ہے۔آیت کے اس حصے کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـئَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ﴾ ''اور انجیل میں اُن کی مثال جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اس نے اُس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ اُن کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے'' انجیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف کمال اور ان کے تعاون کی مثال ایک کھیتی سے دی گئی ہے۔

(2)﴿كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـئَـهٗ﴾ ''جس نے اپنی کونپل نکالی'' یعنی اس نے اپنی جڑ سے شاخیں نکالی ہیں۔

(3)﴿فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ﴾ ''پھر اس نے اُس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی'' پھر یہ کھیتی طاقت ور اور مضبوط ہوگئی۔دن بدن فربہ اور تن آور ہوتی گئی۔(4)﴿فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ﴾ ''پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی'' یعنی اپنی جڑوں پر کھڑی ہوگئی یعنی یہ کھیتی مضبوط ہوگئی اور اس کے تنے اپنے بل پر کھڑے ہوگئے۔

(5)﴿يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ ''کسانوں کو وہ خوش کرتی ہے'' جس کا مالک اسے دیکھ کر باغ باغ ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تقویت پہنچائی۔آپ کو زور آور بنایا۔

(6) جو اپنے کامل طور پر سیدھا کھڑا ہونے اور اپنے حسن اعتدال کی بنا پر کاشتکاروں کو بھلی لگتی ہے۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مخلوق کو نفع پہنچانے اور لوگوں کا ان کی طرف ضرورت مند ہونے کی وجہ سے، کھیتی کی مانند ہیں۔ان کی قوت ایمان اور قوت عمل پودے کی رگوں اور اس کے تنوں کی مانند ہے۔وہ کم عمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جن کا اسلام متاخر تھا، جنہوں نے بزرگ صحابہ کرام کی پیروی کی، ان کے ہاتھ مضبوط کیے، اقامت دین اور دعوت دین میں ان کی مثال اس کھیتی کی مانند ہے جس نے اپنی جڑوں سے سوئے نکالے، پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی۔(تفسیر سعدی:2576/3)

(7)﴿لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ﴾ ''تاکہ اُن کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائے'' جب کافر ان کی دین کے دشمنوں پر سختی اور بہادری دیکھتے ہیں تو ان کے دل جلتے ہیں۔

سوال3:﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور اُن میں سے جنہوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور اُن میں سے جنہوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں سے ان کے گناہوں کی مغفرت اور اجر عظیم یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

(3) پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت، جس کا لازمہ دنیا و آخرت میں ہر قسم کے شر سے حفاظت اور دنیا و آخرت کے اندر اجر عظیم کو جمع کیا۔ (تفسیر سعدی:2576/3)

(4) جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلا اور ان جیسا راستہ اختیار کیا وہ انہیں کے حکم میں ہے۔ لیکن فضیلت اور فوقیت انہیں کو ہے۔ جو مقام اور کمال انہوں نے پیدا کیا تھا اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا انہیں خوش فرمائے اور ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں بنائے۔ (آمین)

(5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد غلہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔ (بخاری:3673)

سوال4: محمد ﷺ اور ان کے ساتھ دینے والوں کی کیا خصوصیات اللہ تعالیٰ نے واضح کی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ اور ان کا ساتھ دینے والوں کی یہ خصوصیات واضح کی ہیں:

(1) کافروں پر سخت (2) آپس میں رحیم اور شفیق (3) رکوع اور سجدے کرنا (4) اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی تلاش میں رہنا۔

(5) سجدوں کے اثرات کا چہرے سے ظاہر ہونا۔

سوال5: کافروں پر سخت ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے: (1) دین کے معاملے میں ان سے کوئی سودے بازی نہ کرنا۔ (2) ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا۔

سوال6: محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کافروں کے لیے سخت اور آپس میں رحیم و شفیق تھے۔ اس سے ان کے رویے کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے رویے اُصول کے تحت متعین کرتے تھے جبکہ عام لوگ خواہشات اور جذبات سے متعین کرتے ہیں۔

سوال 7: کونپل نکالنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: کونپل نکالنے سے مراد ہے کہ دانے کو پھاڑ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو پودا باہر نکلتا ہے۔اسی طرح نبی ﷺ کی دعوت سے جو دل سچے ایمان سے بیدار ہوتے ہیں اور اس ایمان کی وجہ سے جو تبدیلی آتی ہے۔اس کی وجہ سے اس گروہ کے لوگ اپنے ماحول میں ابتداء میں اجنبی ہوجاتے ہیں لیکن پھر آہستہ آہستہ ایمان والوں کا یہ گروہ پھلتا پھولتا ہے تو وہ ایک پروان چڑھتی ہوئی فصل بن جاتا ہے جس کو دیکھ کر کاشت کرنے والے کوخوشی ہوتی ہے اور جسے دیکھ کر کافر جلتے ہیں کیونکہ اس گروہ کی وجہ سے دوسروں کوخطرات لاحق ہوجاتے ہیں۔

سوال 8: مضبوط کرنے، موٹا ہونے اور اپنے تنے پر سیدھا ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کا مضبوط ہونا ہے۔جیسے کھیتی ابتدا میں کمزور ہوتی ہے ایسے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کمزور تھے ،پھر وہ قوی ہوگئے۔

سوال 9: کافر مسلمانوں پر کیوں غضبناک تھے؟

جواب: کافر مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے غضبناک تھے کیونکہ اسلام کا دائرہ پھیل رہا تھا اور کفر کا دائرہ سمٹ رہا تھا۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے کس چیز کا وعدہ کر رکھا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان سے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

ایاتها ١٨ | ٤٩ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٦ | رکوعاتها ٢

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے اس میں 2 رکوع اور 18 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 49 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 106 ہے۔

رکوع نمبر 13

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''(1)

سوال 1: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو'' اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ادب سکھایا ہے۔ اور ان امور کا حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان جن کا تقاضا کرتا ہے۔

(2) یہ آیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ادب، عزت و احترام اور آپ ﷺ کی تعظیم کا تقاضا کرتی ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے ادب کا تقاضا ہے کہ اس کے احکامات کی اطاعت کریں اور جس چیز سے اس نے روکا ہے اس سے اجتناب کریں۔

(4) محمد ﷺ کے ادب کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کریں۔

(5) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں یعنی کاموں میں اور معاملات میں رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھیں بلکہ تمام کاموں میں اور تمام معاملات میں نبی ﷺ کے پیچھے چلیں، آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلیں، آپ ﷺ کی پیروی کریں۔

(6) رسول اللہ ﷺ کے شرعی ادب کا تقاضا ہے کہ شریعت کے احکام میں نبی ﷺ کے قول اور فعل پر کسی اور کے قول و فعل کو ترجیح نہ دیں۔ (7) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے کسی کام کا حکم نہ دیں رسول اللہ ﷺ کی بات سے پہلے کوئی بات نہ کریں۔ یہی حقیقی ادب ہے۔ اسی میں فلاح اور کامیابی ہے۔

(8) نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا اور آپ ﷺ کی رائے اور آپ ﷺ کی بات پر کسی اور کو مقدم نہ رکھنا۔ اور ہمیشہ نبی ﷺ کی بات کو مقدم رکھنا واجب ہے۔

(9) ابن زید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تم کوئی بھی معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بغیر منقطع نہ کرو۔ (جامع البیان: 120/26)

(10) یعنی تم اپنے دینی معاملات اور جنگی چالوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ ممکن ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کوئی فیصلہ کر بیٹھو۔ (جامع البیان: 119/26)

(11) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ ﴿لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تم نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی

امر میں فتویٰ نہ دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر فیصلہ کردے۔ (جامع البیان: 119/26)

(12) یعنی تم کوئی بھی معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بغیر نہ تو ختم کرو نہ ہی شروع کرو۔ (فتح القدیر: 73/5)

(13) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ کی کتاب میں تم نہ پا سکو؟'' تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پا سکو تو کیا کرو گے؟'' انہوں نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا سینہ تھپتھپایا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو راضی اور خوش کرتی ہے۔'' (ابوداؤد: 3592)

(14) ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی کو چھوڑ دو۔

(15) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ قبیلہ بنی تمیم کے سواروں کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا امیر آپ سیدنا قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ کو بنا دیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بلکہ سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو امیر بنائیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ مقصد تو صرف میری مخالفت ہی کرنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کے خلاف کرنے کی غرض سے یہ نہیں کہا ہے۔ اس پر دونوں میں بحث چلی گئی اور آواز بھی بلند ہو گئی۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔'' آخر آیت تک۔ (بخاری: 4847)

(16) ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سُننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سننے والا سمیع ہے۔ کسی مقام اور کسی جہت، کسی وقت میں اس کی سماعت میں کمی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن، گزرے ہوئے واقعات ہوں یا آنے والے معاملات وہ ہر چیز کا کلی علم رکھتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دے کر اطاعت کے لیے تیار کیا ہے اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: (1) تقویٰ کا شعور یعنی اللہ تعالیٰ کا ڈر ہی وہ بنیاد ہے جس پر خدا رُخی زندگی تعمیر ہوتی ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ہی انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی سے رُک سکتا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ہی انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دینے سے رُک سکتا ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ہی انسان دین کے معاملے میں خود فیصلے کرنے سے رُک سکتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کی بجائے دین کے معاملے میں اپنے طور پر فیصلہ کرنا۔ (2) اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دینا۔

(3) دین میں اضافہ یا بدعات کو ترجیح دینا اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے آگے پیش قدمی کرنا ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ اس سے بات کرنے میں آواز بلند کیا کرو جیسے تم میں سے بعض، بعض کے لیے آواز بلند کرتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو“ (2)

سوال 1: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ اس سے بات کرنے میں آواز بلند کیا کرو جیسے تم میں سے بعض، بعض کے لیے آواز بلند کرتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس آیت میں نبی ﷺ کی تعظیم وتکریم کرنے اور آپ ﷺ سے گفتگو کرتے وقت یا آپ ﷺ کی موجودگی میں آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جب تم ان کے ساتھ گفتگو کر رہے ہو تو اپنی آوازوں کو پست رکھو تا کہ نبی کریم ﷺ کی آواز غالب محسوس ہو اور دیگر سے ممتاز ہو۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ﴿لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾ کے الفاظ ہیں۔ بعض اہل علم نے نبی ﷺ کی قبر کے پاس آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا ہے اور بعض اہل علم نے علماء کے احترام میں ان کی مجالس میں آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ (قرطبی: 220/8)

(2) اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو ان کے نام سے خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں تعظیم وتکریم والے القاب سے مخاطب کرتا ہے۔ ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ ”اے نبی!“ (التوبۃ: 73) ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ ”اے پیغمبر!“ (المائدۃ: 41) ﴿يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ ”اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے!“ (المزمل: 1) جب کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر خطاب کرتا ہے۔ ﴿وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ﴾ ”اور ہم نے کہا: ”اے آدم!“ (البقرۃ: 35) ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ﴾ ”اور ہم نے اُسے ندا دی کہ اے ابراہیم!“ (الصافات: 104) ﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔“ (ہود: 46) ﴿قِيْلَ يٰنُوْحُ

﴿اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا﴾ ''کہا گیا: اے نوح! اُتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ۔'' (ہود:48) قرآن مجید میں بطور خطاب آپ ﷺ کا نام ایک دفعہ بھی مذکور نہیں ہے۔ بااسلوب دیگر ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ﴾ ''اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔'' (آل عمران:144) ﴿وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ ''اور ایمان لائے اُس چیز پر جو نازل کی گئی محمد پر۔'' (محمد:2) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ﴾ ''محمد اللہ کا رسول ہے۔ اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں۔'' (الفتح:29، تفسیر اضواء البیان:402/7)

(3) ﴿وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ﴾ ''نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ اس سے بات کرنے میں آواز بلند کیا کرو جیسے تم میں سے بعض، بعض کے لیے آواز بلند کرتا ہے'' نبی کریم ﷺ کو یا محمد یا محمد کہہ کر نہ پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بے تکلفی سے پکارتے ہو۔ بلکہ ادب واحترام اور سکون ووقار کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ جیسے اچھے القاب سے پکارو۔ (جامع البیان:120/26)

(4) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے آپ ﷺ کی قبر کے پاس اور آپ ﷺ کی حدیث کی قرأت کے وقت آواز بلند کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کا احترام کرنا فرض تھا ویسے ہی آپ ﷺ کی موت کے بعد بھی فرض ہے۔ ابوحیان نے کسی عالم دین کی موجودگی میں بھی آواز بلند کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ (الاساس:5425/9)

(5) قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی حرمت وتعظیم ویسی ہی واجب ہے جیسی آپ ﷺ کی زندگی میں تھی۔ اور آپ ﷺ سے منقول ومرفوع احادیث کا وہی حکم ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں سنے ہوئے الفاظ کا تھا۔ جب آپ ﷺ سے ثابت احادیث پڑھی جارہی ہوں تو ہر سامع پر واجب ہے کہ وہ اپنی آواز پست کرے۔ اور اس سے لاپرواہی نہ کرے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھ کر غور سے سننا واجب تھا اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تمام ازمنہ میں دائمہ حرمت وتعظیم کا دھیان رکھنے کا حکم دیا ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔'' (الاعراف:204) آپ ﷺ کا کلام وحی الٰہی ہے اور آپ ﷺ کے کلام (یعنی حدیث) میں بھی قرآن مجید کی مانند حکمتیں چھپی ہوئی ہیں سوائے چند مستثنیٰ معنی کے جن کا تفصیلی بیان کتب فقہ میں موجود ہے۔ (تفسیر قرطبی:221,220/8)

(6) ﴿اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ﴾ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہوجائیں'' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں۔ اس آیت مبارکہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان کوئی عمل کرے اور اسے معلوم نہ ہو، کافر اگر ایمان لاتا ہے تو وہ اپنے اختیار سے ایمان کو کفر پر ترجیح دیتے ہوئے ایمان لاتا ہے اس طرح اگر کوئی مومن کفر کا ارتکاب کرتا ہے تو اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص لاعلمی میں کافر نہیں رہتا یعنی اسے اپنے کفر کا علم ہی نہ ہو۔ (تفسیر قرطبی:221/8)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے لیے ان کی خبر لاتا ہوں۔ پھر وہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے دیکھا کہ وہ گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں پوچھا کیا حال ہے؟ کہا کہ برا حال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آواز کے مقابلہ میں بلند آواز سے بولا کرتا تھا اب سارے نیک عمل اکارت ہوئے اور اہل دوزخ میں قرار دے دیا گیا ہوں۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کی اطلاع آپ کو دی۔ سیدنا موسیٰ بن انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ شخص اب دوبارہ ان کے لیے ایک عظیم بشارت لے کر ان کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو۔ (بخاری:4846)

(8) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اتنی آہستہ بات کرتے کہ آپ ﷺ کو ان سے دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پیش آتی، لیکن انہوں نے اپنے نانا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق اس سلسلے میں کوئی چیز بیان نہیں کی۔ (بخاری:4845)

(9) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بات کرتا ہے، اس کی طرف اس کی توجہ بھی نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے کئی درجے بلند فرما دیتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والی بات کرتا ہے جس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جا گرتا ہے۔'' (بخاری:6478)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے ادب اور تعظیم کے لیے آپس کی گفتگو کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا راہ نمائی کی ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اپنی آواز کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرنے کا حکم دیا ہے یعنی نبی ﷺ کی موجودگی میں آپس کی گفتگو میں بھی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ (2) ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کی طرح نبی ﷺ سے بات نہ کریں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرنے کے حکم کی کیا حکمت سمجھائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری آواز بلند ہو جائے اور تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

''یقیناً جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے'' (3)

سوال1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ ''یقیناً جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ ''یقیناً جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے

ہیں'' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے چن لیا ہے۔(تفسیر سعدی:2587/3)

(2)﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی آواز پست رکھنے کا حکم دے کر ان کے دلوں کے تقویٰ کو جانچ لیا ہے جس طرح سونے کو بھٹی میں ڈال کر کھوٹے اور کھرے کو جانچا جاتا ہے۔(جامع البیان:123/26)

(3) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آزمایا اور ان کا امتحان لیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل تقویٰ کے لیے درست پائے' پھر اس نے ان کے ساتھ ان کے گناہوں کی بخشش کا وعدہ کیا جو ہر قسم کے شر اور ناپسندیدہ امر کے زائل ہونے اور اجر عظیم کے حصول کو متضمن ہے' جس کے وصف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسی میں ہر محبوب چیز کا حصول ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ امر ونہی اور مصائب ومحن کے ذریعے سے دلوں کو آزماتا ہے پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے اوامر کا التزام کرتا ہے' اس کی رضا کی اتباع کرتا ہے' اس کی تعمیل کے لیے جلدی سے آگے بڑھتا ہے' اسے اپنی خواہشات نفس پر مقدم رکھتا ہے تو وہ تقویٰ کے لیے پاک صاف ہے اور اس کا قلب صحیح اور درست ہے اور جو کوئی ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ وہ تقویٰ کے قابل نہیں۔(تفسیر سعدی:2587/3)

(4) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں قرآن، پیغمبر، کعبہ اور نماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ ''یہ ہے بات اور جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے'' (الحج:32) یہاں سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ جب نبی ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ ﷺ کے احکام وارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔(تفسیر عثمانی:640/2)

(5)﴿امْتَحَنَ اللَّهُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اپنے محبوب امر کے لیے خالص کر لیا ہے۔(جامع البیان:123/26)

(6) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوت کو دور کر دیا ہے قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی شہوت اور غصے پر قابو پا لیا وہی اس آیت کا مصداق ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے اس سے انسان میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔(المحرر الوجیز:145/5)

(7) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مراسلہ لکھا گیا کہ اے امیر المومنین! ایک آدمی گناہ کی خواہش رکھتا ہے مگر وہ اس گناہ پر عمل نہیں کرتا، جب کہ ایک آدمی نہ تو گناہ کی خواہش رکھتا ہے اور نہ ہی گناہ پر عمل کرتا ہے۔ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا جواب لکھا کہ گناہ کی خواہش رکھنے کے باوجود گناہ نہ کرنے والے لوگ زیادہ افضل ہیں۔

(تفسیر منیر:550/13، مسند احمد:287/3)

(8)اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دلوں کو آزمایا جاتا ہے بعض دل اپنی آزمائش میں ناکام ہوجاتے ہیں اور بعض دل اپنی آزمائش میں کامیاب رہتے ہیں۔اس کی دلیل ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دلوں پر بار بار فتنے پیش کیے جاتے ہیں پس جس دل نے اس فتنے کو قبول کرلیا اس پر سیاہ نکتہ لگادیا جاتا ہے اور جس نے انکار کردیا اس پر سفید نکتہ لگادیا جاتا ہے یہاں تک کہ دلوں کی دو حالتیں بن جاتی ہیں بعض دل چمکتے پتھر کی مانند صاف ہوجاتے ہیں تو قیامت تک کوئی فتنہ انہیں ضرر نہیں دے گا بعض دل انتہائی کالے ہوجاتے ہیں جو نہ نیکی کو جانتے ہیں اور نہ ہی برائی سے رکتے ہیں مگر جو ان کی خواہش کے مطابق ہو یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کامیاب دل کی علامت نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم ہے۔(الاساس فی التفسیر:5425/9)

(9)﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾''اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے''یعنی جنت ہے۔ان کے لیے سابقہ گناہوں سے معافی اور اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے۔''اجرِ عظیم''بڑا اجر یعنی جنت ہے۔(جامع البیان:123/26)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو لوگ اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ کس چیز کا خیال رکھتے ہیں؟

جواب: وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ادب، تعظیم، احترام اور تکریم کا خیال رکھتے ہیں جو ہر مسلمان کا فرض ہے۔

سوال3: تقویٰ کے اعزاز کے لیے اللہ تعالیٰ کن دِلوں کا انتخاب کرتے ہیں؟

جواب: (1) تقویٰ کا اعزاز انہیں دیا جاتا ہے جو اس نعمت کو پانے کے لیے تیار ہوں۔

(2) تقویٰ کا اعزاز اخلاص کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔(3) تقویٰ کا اعزاز دل کی پاکیزگی کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

سوال4: تقویٰ کا اعزاز عطا کرتے ہوئے کس چیز کی خوش خبری دی گئی ہے؟

جواب: تقویٰ کا اعزاز عطا کرتے ہوئے مغفرت اور اجرِ عظیم کی خوش خبری دی گئی ہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے پہلے انتہائی ڈراوے دیئے اور اس آیت میں گہری ترغیب دی گئی ہے۔اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ڈراوے اور ترغیب سے دِلوں کی تربیت کی ہے۔اسی اندازِ تربیت کی وجہ سے ابتدائی دور کے لوگ ہدایت یافتہ ہوئے تھے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

''جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں بلاشبہ اُن میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے''(4)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾''جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں بلاشبہ اُن میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے''کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ ''جولوگ آپ کوحجروں کے باہر سے پکارتے ہیں'' ''الحجرات'' سے مراد نبی کریم ﷺ کے گھر ہیں جن کی تعداد نو تھی۔ حجرہ اس گھر کو کہتے ہیں جو زمین سے بلند ہو اور چار دیواری سے گھرا ہوا ہو۔(البحر المحیط:511/9)

(2) یہ آیت کریمہ اعراب یعنی عرب دیہاتیوں میں سے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے جفا سے موصوف کیا ہے۔ وہ اس لائق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حدود نہ جانیں جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔ یہ عرب دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وفد بن کر آئے اور انہوں نے آپ کو اپنے گھر میں اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے پاس پایا تو انہوں نے ادب کو ملحوظ نہ رکھا اور آپ کے باہر تشریف لانے تک انتظار نہ کر سکے اور پکارنا شروع کر دیا ''اے محمد! ﷺ ہمارے پاس آؤ، پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی عدم عقل کی بنا پر مذمت کی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کے ساتھ ادب واحترام کو نہ سمجھ سکے۔ جیسا کہ ادب کا استعمال عقل مندی میں شمار ہوتا ہے، بندے کا باادب ہونا اس کی عقل کا عنوان ہے۔(تفسیر سعدی:2588,2587/3)

(3) اللہ رب العزت نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔

(4)﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ''بلاشبہ اُن میں سے اکثر سمجھ نہیں رکھتے'' یعنی ان میں سے اکثر اللہ کے دین سے جاہل ہیں۔(جامع البیان 124/26)

(5) یعنی ان میں سے اکثر نبی ﷺ کے مقام اور آپ ﷺ کے بلند مرتبے کو نہیں سمجھتے۔(ایسر التفاسیر:1502)

سوال 2: حجروں کے باہر سے پکارنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ حجروں کے باہر سے پکارنے والوں میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

سوال 3: یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

جواب: یہ آیت بنو تمیم کے دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایک روز دوپہر کے قیلولے کے وقت حجرے سے باہر کھڑے ہو کر ''یا محمد'' ''یا محمد'' پکارا تھا تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں۔(مسند احمد:394/3)

سوال 4: اس آیت میں کس چیز کو ناسمجھی اور بے عقلی قرار دیا گیا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنے کو بے عقلی قرار دیا گیا۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اور بے شک اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کے پاس باہر نکلتے تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' (5)

سوال 1:﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور بے شک اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ

آپ خود اُن کے پاس باہر نکلتے تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''اور بے شک اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کے پاس باہر نکلتے تو یقیناً اُن کے لیے بہتر ہوتا'' یعنی اگر لوگ آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے تو یہ دنیا و آخرت میں ان کے لیے بہتری کا ذریعہ ہوتا اور اسی میں مصلحت ہے۔

(2) نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صبر کا معنی ہے کہ نفس کو خواہشات کی طرف مائل ہونے سے روکنا۔ (الاساس فی التفسیر: 5403/9)

(3) سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری خواہش ہے کہ اس دن ان لوگوں کو اسی حال پر چھوڑ دیا جاتا اور مدینہ منورہ اور اطراف مدینہ سے لوگ آ کر خود دیکھتے کہ کس احسن طریقے سے نبی کریم ﷺ نے ان سے دفاع کیا یہ واقعہ مفاخرت اور تکاثر کرنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ (تفسیر المراغی: 239/9)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ''جو لوگ اُس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ اُن کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور اُن کے لیے پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن پر سے ان کے وہ بوجھ اور طوق اُتارتا ہے جو اُن پر پڑے ہوئے تھے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اُس کو قوت دی اور اس کی مدد کی اور اس نور کی اتباع کی جو اُس کے ساتھ نازل کیا گیا وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (الاعراف: 157)

(5)﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (٦٢) لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (٦٣)﴾ ''درحقیقت ایمان والے وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر اس کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہاں سے وہ نہیں جاتے حتیٰ کہ اُس سے اجازت طلب کر لیں یقیناً جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے آپ چاہیں اجازت دے دیں اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ تم رسول کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ بناؤ جیسے تم میں سے ایک دوسرے

کو ہلاتا ہے۔یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ لازماً ڈریں کہ اُن کو کوئی فتنہ پہنچے یا اُن کو دردناک عذاب پہنچے۔'' (النور:63,62)

(6)﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۱) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ (۵۲)﴾ ''درحقیقت مومنوں کی بات ہی یہ ہوتی ہے جب اُنہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرماں برداری کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے بچے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (النور:52,51)

(7)﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ ''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو اُن کے لیے خود اپنے معاملے میں اختیار ہو اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔'' (الاحزاب:36)

(8)﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' یعنی بندوں سے جو گناہ صادر ہوتے ہیں اور ان سے ادب میں جو خلل واقع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا ہے' وہ ان پر بہت مہربان ہے کہ وہ ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔(تفسیر سعدی:2588/3)

(9)یعنی اللہ تعالیٰ وسیع و بلیغ مغفرت و بخشش والا ہے۔اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی بخشش ان کے لیے تنگ نہ ہوگی۔(الاساس فی التفسیر:5403/9)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہ کہیں تم کسی گروہ کو لاعلمی سے کوئی نقصان (نہ) پہنچا دو پھر جو کچھ تم نے کیا ہو اُس پر پشیمان ہو جاؤ'' (6)

سوال 1.﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہ کہیں تم کسی گروہ کو لاعلمی

سے کوئی نقصان (نہ) پہنچادو پھر جو کچھ تم نے کیا ہو اُس پر پشیمان ہو جاؤ'' بلاتحقیق فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کریں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) عمومی ادب یہی ہے کہ سنی سنائی خبروں کی تحقیق کرنا واجب ہے۔ (تفسیر منیر: 554/13)

(2) اس آیت کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دو چیزوں کا حکم دیا:

(i) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ (ii) نبی کریم ﷺ کا احترام کرتے ہوئے اپنی آواز کو پست رکھو۔

مذکورہ دونوں آداب بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسرا ادب یہ بیان کیا ہے کہ اخبار کی تحقیق کرنا واجب ہے اور فتنے سے بچنے کے لیے بلاتحقیق کسی بات پر اعتماد نہ کیا جائے۔ یہ ایک اجتماعی اور ضروری ادب ہے۔ وحدت امت اور تنازعات سے بچنے کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری اور واجب ہے۔ (تفسیر منیر: 557/13)

(3) اس آیت مبارکہ کے شان نزول کے بارے میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متعدد مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ آیت سیدنا عقبہ بن ابومعیط رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں بنوالمصطلق کی طرف عامل زکوٰۃ بنا کر بھیجا۔ یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے ان میں سب سے بہترین طریق وہ ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بنوالمصطلق کے سردار سیدنا حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ سیدہ ام المومنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے باپ سے نقل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حارث بن ابوضرار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اسلام لانے کی دعوت دی جسے میں نے قبول کرلیا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دی تو میں نے اس کو بھی تسلیم کرلیا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو کہا کہ میں اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ جاتا ہوں اور انہیں اسلام لانے اور زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتا ہوں جس شخص نے میری دعوت کو قبول کرلیا میں اس کی زکوٰۃ کو جمع کرلوں گا اور آپ ﷺ فلاں فلاں وقت میرے پاس اپنا قاصد بھیج دیں جو میرے پاس جمع شدہ زکوٰۃ کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے گا جب سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ جمع کرلی اور وعدے کا وقت آن پہنچا تو وعدے کے مطابق نبی کریم ﷺ کا قاصد نہ آیا جس سے سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ان سے ناراض ہوگئے ہیں۔ چنانچہ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے چند نمایاں افراد کو اکٹھا کیا اور بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے میرے ساتھ فلاں فلاں دن کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنا قاصد بھیج دیں گے جو میرے پاس جمع شدہ زکوٰۃ لے جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ناراضگی کی وجہ سے اپنا قاصد نہ بھیجا ہو چلیں ہم سب نبی کریم ﷺ کے پاس چلتے ہیں ادھر نبی ﷺ نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو حارث رضی اللہ عنہ کے پاس صدقات وصول کے لیے بھیجا کہ ان کے پاس جمع زکوٰۃ کا مال لے آئیں۔ سیدنا ولید رضی اللہ عنہ چلتے چلتے راستے میں ڈر گیا اور وہیں سے واپس لوٹ آیا اور آکر نبی کریم ﷺ کو کہا سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا تھا اس پر نبی کریم ﷺ کو انتہائی غصہ

آیااورآپ ﷺ نے ایک لشکر تیار کر کے سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کر دیا۔ ابھی لشکر مدینہ سے تھوڑا سا ہی باہر نکلا تھا کہ آگے سیدنا حارث رضی اللہ عنہ اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ آ رہے تھے جب ان کا آمنا سامنا ہوا تو سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب تیری طرف۔ سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو مال زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا تھا اور آپ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی یہ سن کر سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے میں نے بالکل اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے جب سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے قاصد کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی سیدنا حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اسے دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے میں اس لیے آپ ﷺ کے پاس خود چل کر آیا ہوں کہ جس مقررہ وقت پر آپ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچا تو میں نے سوچا کہ شاید اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو گئے ہوں اس لیے انہوں نے قاصد نہ بھیجا ہو راوی فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ (الاساس فی التفسیر:5427,5426/9)

(4) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو'' یہ بھی ان آداب میں شامل ہے جن پر عقل مند لوگ عمل پیرا ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی فاسق شخص خبر لے کر آئے تو وہ اس کی خبر کی تحقیق کر لیا کریں اور تحقیق کے بغیر اس پر عمل نہ کریں، کیونکہ اس میں بہت بڑے خطرے اور گناہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ جب فاسق وفاجر شخص کی خبر کو صادق اور عادل شخص کی خبر کے طور پر لیا جائے، اور اس کے موجب اور تقاضے کے مطابق حکم لگایا جائے، تو اس کی خبر کے سبب سے ناحق جان ومال کا اتلاف ہوگا جو ندامت کا باعث ہوگا۔ فاسق وفاجر کی دی ہوئی خبر سننے کے بعد اس کی تحقیق وتبیین واجب ہے۔ اگر دلائل اور قرائن اس کی صداقت پر دلالت کرتے ہوں تو اس پر عمل کیا جائے اور اس کی تصدیق کی جائے اور اگر دلائل وقرائن اس کے کذب پر دلالت کریں تو اس کو جھوٹ سمجھا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ صادق وعادل کی خبر مقبول، کاذب کی خبر مردود اور فاسق کی خبر میں توقف ہے۔ بنا بریں سلف نے خوارج کی بہت سی روایات کو قبول کیا ہے، جو صداقت میں معروف تھے، اگرچہ وہ فاسق تھے۔ (تفسیر سعدی:2588/3)

(5) اس آیت میں خبر واحد کو قبول کرنے پر دلیل موجود ہے بشرطیکہ اسے روایت کرنے والا راوی عادل ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کو فاسق کی نقل کردہ خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس شخص کا فسق ثابت ہو جائے اس سے منقول خبر بالاجماع باطل ہے۔ کیونکہ خبر امانت ہے۔ اور فسق ایک ایسا قرینہ ہے جو اسے باطل کر دیتا ہے۔ (تفسیر منیر:560,559/13)

(6) ﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ﴾ ''تم کسی گروہ کو لاعلمی سے کوئی نقصان (نہ) پہنچا دو'' کسی خبر کی تحقیق میں جلدی کرنے والا عموماً ندامت

کا سامنا کرتا ہے۔اور جلد بازی کو نبی کریم ﷺ نے ناپسند کیا ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے ''بردباری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔'' (تفسیر بیہقی:559/13)

(7)﴿فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ ''پھر جو کچھ تم نے کیا ہو اُس پر پشیمان ہو جاؤ'' تم اپنے فعل پر نادم ہو گے اور کچھ کر نہیں پاؤ گے کیونکہ تیر کمان سے نکل چکا ہوگا۔

سوال 2: خبروں اور اطلاعات کے بارے میں اسلام کا مؤقف کیا ہے؟

جواب: خبروں اور اطلاعات کے بارے میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ ان کی تحقیق کی جائے تاکہ غلط فہمی میں کسی کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہو جائے۔ یہ ذمہ داری افراد کی بھی ہے اور حکومت کی بھی۔

سوال 3: خبروں اور اطلاعات کے بارے میں تحقیق کا حکم دینے کی کیا مصلحت بتائی گئی؟

جواب: تحقیق کی یہ حکمت بتائی گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو لاعلمی سے کوئی نقصان پہنچاؤ۔ پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾

''اور جان لو! یقیناً تم میں اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور اس نے کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں'' (7)

سوال 1: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''اور جان لو! یقیناً تم میں اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ ''اور جان لو! یقیناً تم میں اللہ کا رسول ہے'' یہ جھوٹ کی وعید اور رسوائی اور بدنامی کی دھمکی ہے یعنی ایسا آدمی جو جھوٹ کی صورت میں کفر کی راہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے اسے رسوائی کی دھمکی دی ہے۔ (المحرر الوجیز)

(2) یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرو ان کا ادب کرو ان کے حکم کی تعمیل کرو کیونکہ وہ تمہاری مصلحتوں کو جانتے ہیں تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے اندر موجود ہیں وہ ایسے رسول ہیں، جو صاحب کرم، نیک طینت اور راہِ راست دکھانے والے ہیں، جو تمہاری

بھلائی چاہتے ہیں اور تمہارے خیر خواہ ہیں جبکہ تم اپنے لئے شر اور ضرر چاہتے ہو، جس پر رسول تمہاری موافقت نہیں کر سکتے۔ اگر رسول ﷺ بہت سے معاملات میں تمہاری اطاعت کرنے لگے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے مگر رسول اللہ ﷺ تمہیں رشد و ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:2589/3)

(3)﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ'' وہ تم پر مہربان ہے اور ان کی رائے تمہاری رائے سے قیمتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ''نبی ایمان والوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والا ہے۔'' (الاحزاب:6)

(4) ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آیت ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''جان لو تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے، اگر وہ بیشتر معاملات میں تمہاری بات ماننے لگ جائے تو تم مشقت و تکلیف میں پڑ جاؤ گے۔'' (الحجرات:7) تلاوت کی اور اس کی تشریح میں کہا: یہ تمہارے نبی اکرم ﷺ ہیں، ان پر وحی بھیجی جاتی ہے اور اگر وہ بہت سارے معاملات میں تمہاری امت کے چیدہ لوگوں کی اطاعت کرنے لگیں گے تو تم تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے، چنانچہ آج اب تمہاری باتیں کب اور کیسے مانی جا سکتی ہیں۔ (ترمذی:3269)

(5) یعنی اگر نبی ﷺ تمہاری اکثر باتیں مان لے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ﴾ ''اور اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب میں فساد برپا ہو جاتا بلکہ ہم ان کے پاس ان ہی کی نصیحت لائے ہیں تو وہ اپنی نصیحت سے ہی منہ موڑنے والے ہیں۔'' (المومنون:71)

سوال 2: ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے اور اس نے کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایمان کو محبوب بناتا ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں حق کی محبت اور اس کی ترجیح ودیعت کی ہے، اس نے حق پر جو شواہد اور دلائل قائم کیے ہیں، جو اس کی صحت پر دلالت کرتے ہیں اور قلوب اور فطرت اس کی قبولیت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انابت کی جو توفیق عطا کرتا ہے وہ ان کے ذریعے سے تمہارے دلوں میں ایمان مزین کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2589/3)

(2) خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل تین چیزوں یعنی زبان سے اقرار دل سے تصدیق اور اعضاء کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ ایمان کی دلوں میں تزئین سے مراد یہ ہے کہ اس کی دل سے تصدیق کی جائے۔ فسوق سے مراد جھوٹ ہے۔ یہ اقرار باللسان کے مقابلے میں ہے عصیان (نافرمانی) یہ عمل بالارکان کے مقابلے میں ہے۔ (تفسیر المراغی: 243/9)

(3) ﴿وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ﴾ ''اور اس نے کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے ایمان کا تذکرہ کرنے کے بعد تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے کفر فسوق اور عصیان، ایمان تین چیزوں کا مرکب ہے دل سے تصدیق زبان سے اقرار اور انسانی اعضاء کے ساتھ عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ کفر سے مراد انکار ہے اور یہ دل سے تصدیق کرنے کے مقابلے میں ہے۔ فسوق زبان سے اقرار کرنے کے مقابلے میں ہے اور عصیان بدنی عمل کرنے کے مقابلے میں ہے اور اس سے مراد ہے کہ احکام شرعیہ کی اطاعت کرنا چھوڑ دینا اور یہ تمام نافرمانیوں کی جڑ ہے۔ (تفسیر منیر: 562/13)

(4) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں شر کی جو کراہت پیدا کی ہے اس کے ذریعے سے وہ گناہوں، کفر اور فسق کے کاموں کو ناپسندیدہ بناتا ہے۔

(5) ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں'' یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر سے نفرت راسخ کر دی گئی ہے اور ان کے اعمال درست ہو گئے ہیں وہی دین پر قائم ہیں۔ اور چیزوں کے فسق کا ارتکاب کیا ان کے دلوں پر رب العزت نے مہر لگا دی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا'' (الصف: 5)

(6) امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انہوں نے راہ حق کو اختیار کیا اور استقامت کو نہیں چھوڑا اور ''رشد'' سے مراد راہ حق میں پتھروں جیسی مضبوطی کے ساتھ استقامت اختیار کرنا ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 5406/9)

سوال 3: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہونے کی بات یہاں کس لحاظ سے کی گئی؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہونے کی بات اس لیے کی گئی کہ اُن کی موجودگی کے کچھ تقاضے ہیں:

(1) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرو۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اس لیے کہ وہ تمہارے معاملات کو زیادہ اچھے طریقے سے جانتے ہیں۔

(3) ان کی اتباع کرو یعنی ان کے پیچھے چلو کیونکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔

(4) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش نہ کرو اس لیے کہ اگر وہ آپ کے پیچھے چلیں گے تو آپ لوگ مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیا رحمتیں نازل کیں جن کی وجہ سے وہ ہدایت یافتہ ہو گئے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ان کے دلوں میں محبوب بنا دیا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کو مرغوب بنا دیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے کفر، فسق اور نافرمانی سے انہیں نفرت دلائی۔

﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' (8)

سوال 1: ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً﴾ ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے'' یعنی ان کی ہدایت اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت ہے۔

(2) یعنی ہر بھلائی جو رب العزت نے ان پر کی ہے وہ اس کا فضل اور احسان ہے۔

(3) ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ اس شخص کو جانتا ہے جو اس نعمت کی قدر کرتا ہے۔ پس وہ اسے نعمت کی توفیق سے نوازدیتا ہے اس شخص کو بھی جانتا ہے جو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا اور یہ نعمت اس کے لائق نہیں ہوتی۔ پس وہ اپنے فضل و کرم کو اس مقام پر رکھتا ہے جہاں اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2590/3)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس چیز کو فضل اور نعمت قرار دیا گیا ہے؟

جواب: ایمان کی محبت اور کفر، نافرمانی اور فسق سے نفرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور نعمت قرار دیا گیا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رشد و ہدایت پر تھے۔

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

''اور اہلِ ایمان میں سے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کراؤ، اُن دونوں میں سے ایک گروہ اگر دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اُس گروہ سے لڑو جس نے زیادتی کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، چنانچہ اگر گروہ پلٹ آتا ہے تو اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے'' (9)

سوال 1: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ ''اور اہلِ ایمان میں سے دوگروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کراؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فاسق کی خبر سے بچنے اور پھر اس خبر سے پیدا ہونے والے فتنے اور پھر نزاع حتّٰی کہ کبھی قتل کی صورت میں لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچنے کی وضاحت کرنے کے بعد اس بات کی رغبت دلائی ہے کہ نصیحت، وعظ، ارشاد اور فیصلے کی صورت میں ٹھوس وسائل کے ساتھ فریقین میں صلح کروائی جائے پھر اگر دونوں میں سے کوئی بغاوت پر اترتی ہے تو بغاوت وظلم کرنے والی جماعت کو قتل کر دیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے صلح کے معاملے کو فریقین کے درمیان اخوت و یگانگت اور لڑائی کے اسباب اور مختلف جہتوں اور خوف الٰہی اور اطاعت الٰہی کے ساتھ معلل کیا ہے۔ (تفسیر منیر:13/567)

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو کہا گیا کہ اگر آپ ﷺ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ﷺ اس کی طرف تشریف لے گئے اور گدھے پر سوار ہوئے کئی اور مسلمان بھی ساتھ گئے اور وہ دلدلی زمین تھی پس جب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے تو اس نے کہا مجھے آپ ﷺ کے گدھے کی بو نے تکلیف دی ہے تو ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بو تیری بو سے زیادہ پاکیزہ ہے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن ابی کی قوم سے ایک آدمی غضب ناک ہو گیا پھر کہا کہ ان دونوں آدمیوں کو غضب ہوا اور ان دونوں کے درمیان کھجور کی ٹہنی ہاتھوں اور جوتوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی چنانچہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ یعنی نصیحت اور حکم الٰہی کی طرف دعوت سے صلح کرواؤ۔ (بخاری:2691)

(3) ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ ''اور اہلِ ایمان میں سے دوگروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو اُن دونوں کے درمیان صلح کراؤ'' یہاں طائفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور طائفہ عموماً چھوٹی جماعت کو کہتے ہیں۔ حتّٰی کہ بعض مفسرین کے خیال کے مطابق اس لفظ کا اطلاق ایک فرد پر بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر دو مسلمانوں میں لڑائی ہو تب بھی یہی حکم ہے اور یہ تو واضح ہے کہ صلح کرنے والا کوئی غیر جانبدار ہی ہو سکتا ہے۔ خواہ یہ ایک آدمی ہو یا جماعت ہو پھر صلح کرانے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فریقین پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ (تیسیر القرآن:4/271)

(4) یہ آیت کریمہ اہل ایمان کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے اور ایک دوسرے سے لڑائی کرنے سے روکنے کو متضمن ہے نیز یہ کہ جب اہل ایمان میں سے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دیگر اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ ان دوگروہوں کے درمیان پڑ کر جس کے ذریعے سے ان کے مابین صلح ہو جائے اور ان کے درمیان اصلاح کے ذریعے سے اس بہت بڑے شر کی تلافی کریں اور وہ ذرائع اختیار کریں جو صلح پر منتج ہوتے ہیں۔ اگر وہ دونوں گروہ باہم صلح کرلیں تو بہت اچھی بات ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2590،2591)

(5) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم مظلوم کی مدد تو کر سکتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ظالم کا ہاتھ پکڑ لو یہی اس کی مدد ہے۔" (بخاری:6952)

(6) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل قبا نے آپس میں جھگڑا کیا حتیٰ کہ ایک دوسرے کو پتھر مارنے لگے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہمیں ان کے پاس لے چلو، ہم ان کے درمیان صلح کراتے ہیں۔" (بخاری:2693)

(7) حدیث میں مرقوم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور نہ اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت کے بغیر اپنی عمارت و مکان کو اونچا کرتا ہے تا کہ اس کی طرف آنے والی ہوا کو روک دے اور نہ ہی اپنی ابلنے والی ہنڈیوں کی خوشبو کے ساتھ اس کو تکلیف دیتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کو بھی شوربہ بھیج دیتا ہے اور وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہیں خریدتا تا کہ اس کے بچے اس کو لے کر ہمسائے کے بچے کو دکھلائیں اور ان کو نہ کھلائیں۔ پھر آپ نے کہا ان باتوں کو یاد رکھنا مگر تم میں سے تھوڑے ہی ان باتوں کو یاد رکھیں گے۔ (احمد المسند: 4/123)

(8) سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا آپ ﷺ کے ساتھ منبر پر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرما تھے آپ ﷺ کبھی ان کی طرف اور کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم ترین جماعتوں میں صلح کروائے گا اور کبھی یہ بھی فرمایا کہ طویل جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے شامیوں اور عراقیوں کے درمیان صلح کروائے گا۔ (بخاری:2704)

(9) سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس آدمی علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کے ارادہ سے گھر سے روانہ ہوا۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مجھ سے راستہ میں ملے تو کہنے لگے: اے احنف رضی اللہ عنہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کا ارادہ کرتا ہوں۔ تو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: اے احنف رضی اللہ عنہ! واپس لوٹ جا کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان باہم ایک دوسرے سے اپنی تلواروں سے جنگ کریں گے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ اس نے بھی اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ (مسلم:7252)

سوال 2: ﴿فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِ﴾ "اُن دونوں میں سے ایک گروہ اگر دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اُس گروہ سے لڑو جس نے زیادتی کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِ﴾ "اُن دونوں میں سے ایک گروہ اگر دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اُس گروہ سے لڑو جس نے زیادتی کی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ

آئے"، یعنی باغی جماعت سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ حق کی طرف نہ لوٹ آئے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ ماننے لگے اور حق بات سن کر اس کی مطیع ومنقاد نہ ہو جائے۔ (مختصر ابن کثیر:2/1912)

(2) یعنی اس حد کی طرف لوٹ آئیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے یعنی فعل خیر اور ترک شر اور سب سے بڑا شر آپس میں لڑنا ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2590)

سوال 3: ﴿فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ "چنانچہ اگر وہ گروہ پلٹ آتا ہے تو اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ﴾ "چنانچہ اگر وہ گروہ پلٹ آتا ہے تو اُن دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ" یعنی صلح میں عدل وانصاف کرو کیونکہ کبھی صلح تو ہوتی ہے مگر عدل نہیں ہوتا بلکہ کسی ایک فریق پر ظلم ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں جماعتوں میں عدل کے ساتھ صلح کرواؤ۔

(2) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے لیکن ایسی صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام کردے اور حرام کو حلال کردے۔" (ترمذی:1352)

(3) سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ "جھوٹا وہ نہیں ہے جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلہ کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے۔" (بخاری:2692)

(4) ﴿وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ "اور انصاف کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے" عادل وہ ہے جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہوئے اور ذمہ داریوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں جن پر انہیں فائز کیا جاتا ہے۔

(5) اس میں وہ عدل بھی شامل ہے جو انسان گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی میں کرتا ہے۔

(6) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں نور کے منبروں پر فائز ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اپنے اہل وعیال میں اور منصبی ذمہ داریوں میں انصاف کرتے ہیں۔" (مسلم:4721)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا انصاف کرنے والا حاکم، وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوان ہوا ہو، وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے، دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، ایسا شخص جسے کسی خوبصورت اور عزت دار عورت نے بلایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ انسان جو صدقہ کرے اور اسے اس درجہ

چھپائے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگ جائیں۔'' (بخاری:1423)

(8) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ ۖ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ''اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کے چہرے اوندھے منہ آگ میں ڈال دیے جائیں گے تمہیں سزا نہیں دی جائے گی مگر وہی جو تم کیا کرتے تھے۔'' (النمل:90)

(9) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔'' (المائدۃ:8)

سوال 4: مسلمانوں کے گروہوں میں صلح کروانے کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: صلح کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف بلایا جائے یعنی قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے اختلاف کا حل تلاش کیا جائے۔

سوال 5: ''اگر ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اگر ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے اختلاف کرنے پر آمادہ ہو اور بغاوت کی روش اختیار کرے تو دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو جائے۔

سوال 6: ''پھر اگر وہ پلٹ آئے'' یہاں پلٹ آنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد باغی گروہ کا بغاوت سے باز آنا ہے۔

(2) اس سے مراد باغی گروہ کا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آنا ہے۔

سوال 7: پلٹ آنے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب: پلٹ آنے کی صورت میں حکم ہے کہ انصاف کے ساتھ صلح کروا دو۔

سوال 8: انصاف کے ساتھ صلح کروانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں گروہوں کے درمیان صلح کروانا۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے یہاں اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سے مراد زندگی کے ہر معاملے میں انصاف کرنا ہے۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے گا۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

''بلاشبہ مومن بھائی بھائی ہیں، چنانچہ اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' (10)

سوال 1: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''بلاشبہ مومن بھائی بھائی ہیں، چنانچہ اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ ''بلاشبہ مومن بھائی بھائی ہیں'' یعنی دین اسلام میں داخل ہونے والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(2) یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے درمیان قائم کیا ہے زمین کے مشرق یا مغرب میں کوئی بھی شخص جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مومنوں کا بھائی ہے۔ یہ ایسی اخوت ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ مومن اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور وہ چیز اس کے لیے ناپسند کریں جسے وہ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔ بنا بریں رسول اللہ ﷺ نے اسی اخوت ایمان کی بنا پر حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''باہم حسد نہ کرو، مال کی خرید وفروخت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو، ایک دوسرے سے ناراض نہ ہو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مومن مومن کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار ومددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔'' (بخاری: 1543) رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''مومن مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈال کر دکھایا۔ (بخاری: 6026) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ تمام مومنین ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کریں اور ایک دوسرے سے ایسا سلوک کریں جس سے باہمی الفت، محبت اور باہمی میل جول پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک دوسرے کے حقوق کی تائید ہے۔ (تفسیر سعدی: 2590/3)

(3) مومنوں کی اخوت نسب کی بجائے دین وحرمت کے کاموں میں ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ پائیدار ہوتی ہے کیونکہ دین الگ الگ ہونے کی وجہ سے نسبی اخوت ٹوٹ جاتی ہے مگر نسب الگ الگ ہونے کی وجہ سے دینی اخوت

نہیں ٹوٹتی۔(تفسیر قرطبی:322/16)

(4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو اور نہ قطع تعلق کرو بلکہ اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن جاؤ نیز کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ ناراض ہو۔''(بخاری:6076)

(5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے عیب چھپائے گا۔(بخاری:2442)

(6) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو، اگرچہ وہ کام اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''(مسلم:6690)

(7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(صحیح بخاری:13)

(8)﴿فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾''چنانچہ اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ'' یعنی لڑنے والی جماعتوں میں صلح کروا دو۔

(9) اہل ایمان کے حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب وہ آپس میں کسی ایسی لڑائی میں مبتلا ہو جائیں جو دلوں میں تفرقہ، باہم ناراضی اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے کی موجب ہو تو اہل ایمان اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں تا کہ ان کی باہمی دشمنی ختم ہو جائے۔(تفسیر سعدی:2590/3)

(10)﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' پھر اللہ رب العزت نے تقویٰ کا حکم دیا اور تقویٰ اور ایمان والوں کے حقوق کی ادائیگی پر رحمت کا وعدہ فرمایا۔

(11)﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾''تا کہ تم پر رحم کیا جائے'' اور جب اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہو جاتی ہے تو دنیا و آخرت کی ہر بھلائی حاصل ہو جاتی ہے یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان کے حقوق کی عدم ادائیگی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ان دو آیات کریمہ میں مذکورہ بالا فوائد کے علاوہ بھی بعض فوائد ہیں: (i) اہل ایمان کا ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا، اخوت کے منافی ہے اس لیے یہ سب سے بڑا گناہ ہے (ii) ایمان اور اخوت ایمانی آپس کی لڑائی کے باوجود زائل نہیں ہوتے جیسے دوسرے کبیرہ گناہوں سے ایمان زائل نہیں ہوتا جو شرک سے کم تر ہوں۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ (iii) یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ مومنوں کے

درمیان عدل وانصاف کے ساتھ صلح کرانا واجب ہے۔(iv) یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ باغیوں کے خلاف لڑنا واجب ہے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ لوٹ آئیں۔(v) نیز یہ آیات کریمہ اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اگر باغی غیر اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں یعنی وہ اس طرح رجوع کریں جس پر قائم رہنا اور اس کا التزام جائز نہ ہو تو غیر اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں۔(vi) یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ باغیوں کے اموال معصوم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بغاوت پر جمے رہنے کی بنا پر ان کے اموال کی بجائے خاص طور پر ان کے خون کو مباح قرار دیا ہے۔(تفسیر سعدی:2590/3)

سوال2: مومنوں کے آپس میں بھائی بھائی ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ مومنوں کے تعلقات کی بنیاد ایمان ہے۔

سوال3: جو تعلقات ایمان کی بنیاد پر اُستوار ہوئے ہوں ان کا تقاضا کیا ہے؟

جواب: (1) جو تعلقات ایمان کی بنیاد پر اُستوار ہوئے ہوں ان کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ پر، ایک دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں۔

(2) اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے ایک دوسرے کے ہمدرد، غمگسار، خیر خواہ اور معاون بن کر رہیں۔

(3) اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مومنوں کے درمیان کبھی نفرت یا دُوری پیدا ہو جائے تو اسے دور کیا جائے اور ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے کیا چیز ناگزیر ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بننے کے لیے اُس کا خوف ناگزیر ہے۔

سوال5: اس آیت میں باغی گروہ سے قتال کا حکم ہے۔ مسلمان کے مسلمان سے قتال کا کیا درجہ ہے؟

جواب: (1) مسلمان جب مسلمان سے قتال کرتا ہے تو کفر کرتا ہے جب یہ بغیر کسی وجہ کے ہو۔

(2) بغاوت کی بنیاد پر نہ صرف قتال جائز ہے بلکہ اس کا حکم ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے باغی گروہ کو مومن قرار دیا، اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: بغاوت اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کی وجہ سے کوئی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔

رکوع نمبر 14

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ

يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اُڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ ہی اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو، ایمان کے بعد برا نام (پکارنا) بہت بری بات ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی ظالم ہیں'' (11)

سوال 1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اُڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں'' اللہ رب العزت نے مذاق اڑانے اور حقیر جاننے کی ممانعت کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) آیت کی غرض وغایت مومن کا مومن کے ساتھ اور باقی تمام کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے پر ابھارنا ہے۔ (تفسیر منیر: 576/13)

(2) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'' اگلے احکامات ایمان لانے کا تقاضا ہیں اس لیے مومنوں کے باہمی حقوق کی طرف توجہ دلانے کے لئے ان کے ایمان سے انہیں ندا دی گئی۔

(3) ﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ ''کوئی قوم کسی دوسرے کا مذاق نہ اُڑائے ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں'' ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وفد تمیم کے بارے میں نازل ہوئی اس کا ذکر سورۃ کے شروع میں آیت کے شان نزول کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ کہ یہ لوگ غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذاق کیا کرتے تھے ان میں سیدنا عمار، خباب، ابن فہیر، بلال، صہیب، سلمان فارسی، سالم رضی اللہ عنہم جو ابو حذیفہ کے غلام تھے شامل ہیں جب اس وفد نے ان بوسیدہ حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذاق کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر)

(4) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد غنی یعنی مالدار کا فقیر یعنی غریب کو مذاق کرنا ہے۔ (تفسیر منیر)

(5) سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایسے شخص کے لیے مناسب نہیں جس کے گناہ اللہ تعالیٰ نے چھپا رکھے ہیں کہ وہ ایسے شخص کو مذاق کرے جس کے گناہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دیتے ہیں۔ شاید کہ جس کے گناہ ظاہر کیے گئے ہیں وہ اسی کے لیے آخرت کے اعتبار سے بہتر ہو دنیا کے مقابلے میں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جسے ایک آدمی نے اس کی ماں کے بارے میں عار دلائی جو زمانہ جاہلیت میں اسی طعنہ دینے والے کے ساتھ تھی تو جسے طعنہ دیا گیا تھا وہ بہت شرمندہ ہوا اسی سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر)

(6) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت سیدنا عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ مسلمان ہوکر مدینہ میں آیا مسلمان جب اسے دیکھتے تو کہتے یہ اس امت کا ابن فرعون ہے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو شکایت کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر منیر)

(7) خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ اسباب نزول کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہے یعنی یہ ہوسکتے ہیں بسا اوقات ایک آیت کے بہت سارے شان نزول ہوتے ہیں اس لیے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ خاص سبب کا۔(تفسیر منیر:579/13)

(8) یعنی کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی کسی قسم کی گفتگو سے یا اپنے قول وفعل سے کسی مسلمان کا مذاق اُڑائے یا اس کی تحقیر کرے۔

(9) مذاق اُڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمسخر اُڑانے والا خود پسند ہے۔

(10) مذاق صرف وہی اڑاتا ہے جس کا دل برے اخلاق سے بھرا ہوا ہو جو اخلاق کریم سے بالکل خالی ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا کسی شخص کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر جانے۔(مسلم:2564)

(11) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کتنے ہی پراگندہ حالت والے ہیں جن پر دروازے بند کردیئے جاتے ہیں لیکن اگر وہ اللہ پر قسم دے دیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس قسم سے بری فرمادے گا۔(تفسیر منیر:582/13)

(12) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور مال نہیں دیکھتے بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتے ہیں۔ یعنی امتیاز کی وجہ نفس کا خلوص دل کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے لیے اعمال کا خالص کرنا ہے نہ کہ ظاہریت پسندی، حال، رنگ خاندانی شرافت اور جنس ہے۔(تفسیر منیر:583/13)

(13) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھا جائے۔(مسلم:121)

(14) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں خطبہ دیا، خطبہ میں آپ ﷺ نے پوچھا "لوگو! آج کونسا دن ہے؟ لوگ بولے یہ حرمت کا دن ہے آپ ﷺ نے پھر پوچھا اور یہ شہر کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا شہر ہے، آپ ﷺ نے پوچھا یہ مہینہ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حرمت کا مہینہ ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا بس تمہارا خون تمہارے مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے اس کلمہ کو آپ ﷺ نے کئی بار دہرایا اور پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نبی ﷺ کی یہ وصیت اپنی تمام امت کے لیے ہے کہ حاضر (اور جاننے والے) غائب (اور ناواقف لوگوں کو اللہ کا پیغام) پہنچا دیں آپ ﷺ نے پھر فرمایا دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ بن جانا۔" (بخاری:1739)

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بندہ کسی بندے کے عیب نہیں چھپاتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔'' (مسلم:6594)

(16) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فاسق یا کافر کہے اور وہ شخص فاسق یا کافر نہ ہو تو تہمت کا وہ کلمہ خود کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (بخاری:6045)

(17) اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ سیدنا عمرو بن شرجیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اس پر مجھے ہنسی آجائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (قرطبی، معارف القرآن:116/8)

(18) امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں مذاق کرنے والے سے جس کو مذاق کیا جا رہا ہوتا ہے بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ لوگ تو ظاہر سے واقف ہوتے ہیں اور انہیں پوشیدہ صفات کا علم نہیں ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل اجر خلوص کا ہے جو پوشیدہ ہوتا ہے۔ (الاساس:5413/9)

(19) ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾ ''اور نہ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اُڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں'' پھر خاص طور پر وضاحت فرمائی مذاق اڑانے اور حقیر جاننے کا حکم سب کے لیے ہے کہ کسی مومن عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بہن کو حقیر جانے ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہتر ہو۔ لوگوں کی نظروں میں مقام کی حقیقت ہی کیا ہے اصل مقام تو اس کا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں معتبر ہے۔

(20) سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور فرمانے لگیں کہ اے اللہ کے رسول عورتیں مجھے اے یہودن اور دو یہودیوں کی بیٹی کہہ کر شرمسار کرتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو انہیں کیوں نہیں کہتی کہ ہارون میرے باپ ہیں موسیٰ میرے چچا ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں۔ تو اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بیویوں کے متعلق نازل ہوئیں جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چھوٹے قد کا طعنہ دیتی تھیں۔ (تفسیر المراغی: 247/3)

سوال 2: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور نہ ہی اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو ایمان کے بعد برا نام (پکارنا) بہت بری بات ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں سو وہی ظالم ہیں'' ایک دوسرے کی عیب چینی کرنے اور برا لقب دینے کی ممانعت کی گئی، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور نہ ہی اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ'' (اَللَّمْزُ) قول کے ذریعے سے عیب چینی کرنا (اَلْهَمْزُ) فعل

کے ذریعے سے عیب چینی کرنا۔ یہ دونوں امور ممنوع اور حرام ہیں جن پر جہنم کی آگ کی وعید سنائی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ ''ہلاکت ہے ہر طعن آمیز اشارے کرنے والے عیب جو کے لئے۔'' مسلمان بھائی کو مسلمان بھائی کے لیے نفس سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ تمام اہل ایمان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ جسد واحد کی مانند ہوں نیز جب وہ کسی دوسرے کی عیب چینی کرے تو یہ چیز اس بات کی موجب ہوگی کہ دوسرا اس کی عیب چینی کرے لہٰذا وہی اس عیب چینی کا سبب بنے گا۔ (الھمزۃ:1) (تفسیر سعدی:2593/3، 2594)

(2) السخریہ اور لمزہ میں فرق یہ ہے کہ سخریہ مطلقاً کسی شخص کو مذاق کرنا ہے اس کی موجودگی میں اس کی نصیحت کے لیے جب کہ لمزہ کسی کو اس کے عیب پر متنبہ کرنا ہے، چاہے وہ از روئے نصیحت ہو یا اس کے علاوہ چاہے وہ اس کی موجودگی میں ہو یا عدم موجودگی میں۔ اس فرق کے اعتبار سے لمزہ سخریہ کے مقابلے میں عام ہے۔ اور عطف العام علی الخاص یعنی عام کا عطف خاص پر ہے شمولیت کی غرض سے۔ (تفسیر منیر 583/13)

(3) ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ ''اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو'' سیدنا ابوجبیرہ بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آیت ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ یہ ہم، بنوسلمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ جب مدینہ میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے، اے اللہ کے رسول! اسے اس نام سے نہ بلائیے، کیونکہ یہ تو اس نام سے چڑتا ہے، چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مسند احمد:18318، ابوداود:4962)

(4) سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی یہودی یا عیسائی مسلمان ہوتا تو بعد از اسلام مسلمان اسے اے یہودی یا اے عیسائی کہہ کر پکارتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ (جامع البیان:137/26)

(5) رہے اچھے القابات جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدیق، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فاروق، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ذوالنورین، سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کا صاحب شہادتین سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا صاحب شمالین، سیدنا خرباق بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ذوالیدین، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسد اللہ اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا سیف اللہ ہے یہ تمام جائز ہیں۔ اور یہ عرب وعجم میں مقبول ومعروف ہیں اس لیے مذکورہ آیت میں اچھے ناموں سے پکارنا مطلوب ہے۔ زمخشری ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ مومن کا مومن پر حق ہے کہ اسے اچھے ناموں سے پکارا جائے۔ کنیت رکھنا سنت ہے۔ اور بہترین ادب ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کنیتوں کو عام کرو یہ شناخت کا ذریعہ ہیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق اور عتیق کا لقب دیا گیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ کا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا۔ جاہلیت اور اسلام میں بہت کم مشاہیر ایسے ہیں جن کا لقب نہیں تھا عرب وعجم میں ہمیشہ تمام امتوں میں اچھے القاب رہے ہیں جن کے ساتھ وہ اپنے مخاطبین اور مکاتبین کو بغیر کسی تذبذب کے بلاتے تھے۔ (تفسیر منیر:592/13)

(6) ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ ''ایمان کے بعد برا نام (پکارنا) بہت بری بات ہے'' یعنی کتنی بری ہے وہ چیز جو تم نے ایمان اور شریعت پر عمل کے بدلے حاصل کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سے اعراض کے ذریعے سے فسق وعصیان کے نام کی مقتضی

ہے جو کہ تنابز بالالقاب ہے۔(تفسیر سعدی:2594,2593/3)

(7) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جس نے مومنوں کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کیا، ان کو طعنے مارے اور برے ناموں سے پکارا تو ایسا شخص فاسق ہے ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾ تم برے القاب سے مت پکارو اگر ایسا کیا تو فسق کے نام سے موسوم ہونے کے مستحق ٹھہرو گے۔(جامع البیان:137/26)

(8) ﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ﴾ ''اور جو لوگ توبہ نہ کریں'' جو مسلمانوں کو حقیر جانے، اُن کا مذاق اُڑانے، اُن پر نکتہ چینی کرنے اور برے لقب رکھنے سے باز نہیں آئیں گے۔

(9) ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''سو وہی ظالم ہیں'' ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کے مستحق ٹھہریں گے۔

(10) اور یہی چیز بندے پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنے مسلمان بھائی سے اس کے حق کو حلال کرا کے، اس کے لئے استغفار کرکے، اور اس کی جو مذمت کی گئی ہے اس کے مقابلے میں اس کی مدح وستائش کرکے اس کا حق ادا کرے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ لوگوں کی دو اقسام ہیں: (i) اپنی جان پر ظلم کرنے والا وہ شخص جو توبہ نہیں کرتا۔ (ii) توبہ کرکے فوز وفلاح سے بہرہ مند ہونے والا۔ ان دو اقسام کے سوا اور کوئی قسم نہیں۔(تفسیر سعدی:2594,2593/3)

(11) یہ ہیں وہ اسلامی آداب واخلاق جن کی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تعلیم دی ہے۔(تفسیر منیر:582/13)

سوال 3: ایک انسان دوسرے انسان کا مذاق کب اُڑاتا ہے؟

جواب: انسان دوسرے انسان کا مذاق تب اڑاتا ہے جب وہ خود کو دوسرے سے بہتر اور اس کو اپنے سے حقیر اور کم تر سمجھے۔

سوال 4: انسان دوسرے انسانوں کا مذاق کیسے اڑاتا ہے؟

جواب: (1) دوسرے انسان کا مذاق اڑانے کے لیے عام طور پر کوئی ایک کمزور پہلو پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر اسے خوب نمایاں کیا جاتا ہے اور اس طرح دوسرے کو کم تر ثابت کرکے خود کو بڑا ثابت کیا جاتا ہے۔

(2) دوسرے کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کے بُرے نام رکھے جاتے ہیں، پھبتیاں کسی جاتی ہیں۔ چوٹیں کی جاتی ہیں، آنکھوں سے اشارے کیے جاتے ہیں، عیب لگائے جاتے ہیں اور مقصد اپنے بڑائی کے جذبے کی تسکین حاصل کرنا ہوتا ہے۔

سوال 5: انسان جب دوسرے کو برا کہہ رہا ہوتا ہے تو خود کو اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اچھائی یا برائی کے لیے معیار کس کو بناتا ہے؟

جواب: ایک انسان دوسرے کو برا ثابت کرنے اور خود کو اچھا ثابت کرنے کے لیے معیار اپنے دل کی مرضی کو بناتا ہے لیکن اچھائی اور برائی کا وہ معیار نہیں جو انسان خود مقرر کرے۔

سوال6: اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟

جواب: (1) اچھا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اچھا ہو۔ (2) بُرا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں برا ہو۔

سوال7: کیا انسان کے پاس خود کو بہتر سمجھنے اور دوسروں کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز ہے؟

جواب: انسان کے پاس خود کو بہتر اور دوسرے کو کم تر سمجھنے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون ایمان اور عمل کے اعتبار سے بہتر ہے۔

سوال8: عورتوں کا الگ سے ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: عورتوں کا الگ سے اس لیے ذکر کیا گیا کہ ان میں عام طور پر مذاق اڑانے کی یہ بیماری زیادہ ہوتی ہے۔

سوال9: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حقیر سمجھنے کو کس چیز سے تعبیر کیا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حقیر سمجھنے کو "کبر" سے تعبیر کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

سوال10: مذاق اُڑانے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیسے تیار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے سے کم تر سمجھتے ہوئے تم جن کا مذاق اڑانا چاہتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہوں۔

سوال11: طعنہ دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: طعنہ دینے سے مراد کسی کو اس کی ماں، خاندان، شکل وصورت، مالی حیثیت یا معاشرتی حیثیت کی عار دِلانا ہے۔

سوال12: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے: (1) اچھے ناموں کو بگاڑ کر بولنا۔ (2) کسی کا مذاق اڑانے یا اسے کم تر ثابت کرنے کے لیے لوگوں کے ایسے نام رکھنا جو انہیں ناپسند ہوں۔

سوال13: اللہ تعالیٰ نے ایمان کے بعد نافرمانی میں نام پیدا کرنے کی بات کیوں کی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لیے کی کہ لوگ مذاق اڑانے سے، طعنے دینے سے اور برے لقب سے یاد کرنے سے باز آجائیں۔

سوال14: ایمان کے بعد نافرمانی میں نام پیدا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: نافرمانی میں نام پیدا کرنے سے مراد فاسقانہ اور نافرمانی کے کاموں میں شہرت حاصل کرنا ہے۔

سوال15: کون توبہ نہیں کرتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے وہ توبہ نہیں کرتا جو ظلم کرتا ہے، جو خود کو بڑا سمجھتا ہے۔

سوال16: انسان سے اپنی بڑائی کا جذبہ کیسے چھن سکتا ہے؟

جواب: (1) انسان اگر اپنی پیدائش کی حقیقت کو سمجھ لے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(2) انسان اپنی خوراک کی حقیقت کو سمجھ لے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(3) انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچان جائے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(4) انسان موت کی حقیقت پر غور کرے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(5) انسان آخرت کو یاد رکھے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(6) انسان اگر یہ یاد رکھے کہ انسانوں کے مرتبے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہونے والا ہے تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

(7) انسان اگر یہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں اگر وہ معزز ہو جسے میں حقیر سمجھتا ہوں تو اپنی بڑائی کا جذبہ اس سے چھن جاتا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اُس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے‘‘ (12)

سوال1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں‘‘ بدگمانی کی ممانعت جو اس آیت کے اس حصے میں کی گئی اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں‘‘ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو بدگمانی سے روکا ہے۔ اس لیے کہ دل کے اندر بدگمانی کے جڑ پکڑنے سے بات دل کے اندر نہیں رہتی زبان پر بھی آتی ہے پھر دل کے اندر بدگمانی صرف گمان تک نہیں رہتی وہ بغض وعداوت، کینہ وحسد اور انتقام تک پہنچا دیتی ہے۔

(2) ظن کی کئی قسمیں ہیں پہلی قسم واجبی گمان: جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے متعلق اچھا گمان جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے جس کو بخاری ومسلم، نسائی وترمذی اور ابن ماجہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق

ہوں۔جابر سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اس حالت میں دنیا سے رخصت ہونا کہ تم اللہ سے اچھا گمان کرتے ہو۔ (رواہ احمد، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ) سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اچھا گمان اچھی عبادت ہے (عبادت کا حسن ہے) مثلاً عادل آدمی کی شہادت قبول کرنا۔قبلہ کی تلاش، ضائع شدہ مال کا اندازہ رکھنا اور جرائم کی شریعتوں میں غیر مقرر شدہ دیتوں میں حسن ظن رکھنا۔(تفسیر المنیر:593/13)

دوسری قسم حرام ظن جیسے اللہ تعالیٰ اہل اصلاح اور مسلمانوں کے ساتھ بُرا گمان کرنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا خون اور عزت حرام کی ہے اسی طرح مسلمان کے ساتھ بدگمانی کو بھی حرام کیا ہے۔(ذکرہ القرطبی والالوسی) اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے (نبی ﷺ نے فرمایا) جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ برا گمان رکھتا ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ برا گمان رکھتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم بہت زیادہ بدگمانی سے بچو۔(تفسیر منیر:593/13)

تیسری قسم مندوب ہے جیسے اپنے مسلمان بھائی کے لیے حُسن ظن اور براظن کرنا جب کہ وہ ظاہری فسق کرے۔

چوتھی قسم مباح: جیسے اجتھاد کے ذریعے شرعی احکام کو منطبق کرنے میں ظن کرنا اور غالب ظن پر عمل کرنا جیسے معلوم نہیں کہ رکعتیں کتنی پڑھی ہیں تین یا چار۔(تفسیر منیر:594/13)

(3) سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کرتے تھے اور میں آپ ﷺ کی زیارت کے لیے رات کو آپ ﷺ کے پاس آئی اور میں نے آپ ﷺ کے ساتھ باتیں کیں اور لوٹنے کے لیے کھڑی ہوئی پس آپ ﷺ بھی میرے ساتھ کھڑے ہوئے تاکہ مجھے وہ لوٹائیں۔اور ان کی رہائش اسامہ کے گھر میں تھی۔انصار کے دو آدمی چل رہے تھے پس جب انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو دوڑے تو نبی ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ یہ سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا ہیں بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے میں ڈرا یہ کہ وہ تمہارے دلوں میں بدگمانی نہ ڈال دے۔(احکام القرآن:406/13)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' بدگمانی سے بچتے رہو بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی بات ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب ڈھونڈنے کے پیچھے نہ پڑو، کسی کا عیب خواہ مخواہ مت ٹٹولو اور کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ اور حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔(بخاری:6066)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے سے بغض نہ کیا کرو، حسد نہ کیا کرو۔ بلکہ اللہ کے بندو! آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گزارو اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑے۔(بخاری:6065)

(6) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿وَاِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ﴾ گمان کرنے سے بچو۔(بخاری، مسلم)

(7) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا اے جماعت جنہوں نے زبان سے اسلام کا

اقرار کیا لیکن ان کا دل ایمان نہ لایا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، ان کو عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو۔ پس جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کا عیب تلاش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا عیب تلاش کرتے ہیں وہ ذلیل ہو جاتا ہے چاہے گھر کے وسط میں ہی کیوں نہ ہو۔ سیدنا نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تیری عظمت وحرمت بہت بڑی ہے لیکن ایک مومن کی حرمت اللہ کے ہاں تجھ سے بھی بڑی ہے۔ (ترمذی:2032)

(8) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جہاں تک ہو سکے مسلمان کی بات کو اچھائی اور خیر خواہی پر محمول کرنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر:1913/2)

سوال 2: کون سا شخص بدگمانی سے نہیں بچ سکتا؟

جواب: (1) وہ شخص جو خبیث چیزوں کا اظہار کرتا ہے۔

(2) وہ شخص جو شک میں مشغول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو تہمت اور شک کے مواقع سے بچاتے ہیں۔

سوال 3: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”اور جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اُس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ”اور جاسوسی نہ کرو“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مومنین کے عیوب ونقائص تلاش کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ (جامع البیان)

(2) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ کہتے ہیں جو بھی ظاہری اور اعلانیہ عمل ہو اس کو تسلیم کر لو اور جو بھی پوشیدہ عمل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا ہوا ہے اس کو چھوڑ دو۔ (جامع البیان)

(3) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے مروی ہے کہ کیا تم جانتے ہو کہ تجسس کیا ہے؟ فرمایا اس سے مراد ہے کہ کسی کے عیوب ونقائص تلاش کرنا تاکہ تم اس کی پوشیدہ باتوں اور رازوں سے مطلع ہو سکو۔ (جامع البیان)

(4) سیدنا سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ اس سے مراد جاسوسی کرنا اور بحث کرنا ہے۔ (جامع البیان)

(5) سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تو اس کے بارے میں غور وفکر کرے اور اس سے سوال کرے یہاں تک کہ تو اس کے حق اور باطل کو پا لے فرماتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ نے تجسس کا نام دیا ہے۔ وہ اس طرح جاسوسی کرتا ہے جیسے کتے کسی چیز کو تلاش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت فرمائی۔ (جامع البیان:139/13)

(6) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا بھی دیکھ لیتا ہے جبکہ اسے اپنی آنکھ میں تنا بھی نظر نہیں آتا اور اسی طرح کہا جاتا ہے کہ انسان کی بلندی اور سعادت اسی میں ہے کہ وہ دوسروں کو چھوڑتے ہوئے اپنے عیوب کی طرف توجہ کرے۔ (تفسیر المراغی: 248/9)

(7) سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں ایک دن پہرہ دیا جب ہمیں معلوم ہوا کہ گھر میں چراغ جل رہا ہے اور لوگوں کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور وہ مختلف قسم کی آوازیں نکال رہے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گھر سیدنا ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ کا ہی ہے اور وہ شراب پی رہے ہیں اس بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ تو میں نے کہا ہم وہ بات کر رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ اور ہم جاسوسی کر رہے ہیں۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہیں سے پھر گئے اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا۔ (تفسیر المراغی: 252/9)

(8) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچتے رہو، کیونکہ گمان (بدظنی) سب سے جھوٹی بات ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی برائی کی تلاش میں نہ لگے رہو نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو، بلکہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔'' (بخاری: 6724)

(9) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک امیر جس وقت لوگوں کے عیوب تلاش کرتا ہے تو وہ ان کو خراب کر دیتا ہے۔ (تفسیر منیر: 587/13)

(10) ایک دوسری حدیث میں ہے اگر تم لوگوں کے پوشیدہ حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گئے تو تم انہیں بگاڑ دو گے۔ خصوصاً حکمران جب لوگوں کے اندر شبہات تلاش کرتا ہے تو انہیں بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ (ابن کثیر)

(11) ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے'' غیبت کا معنی یہ ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے بھائی کی کسی ایسی خامی کا ذکر کرے جس کے ظاہر کرنے کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ خواہ وہ خامی اس کے اندر موجود ہو۔'' (صحیح مسلم: 2589)

(12) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار گزرے۔'' کسی شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں، تو تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ عیب اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ عیب اس میں نہیں ہے تو تب تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔'' (مسلم: 6593)

(13) غیبت جھوٹ اور بہتان کے درمیان فرق یہ ہے کہ غیبت اس بات کو کہتے ہیں کہ ایک انسان اپنے بھائی کے بارے وہ بات کہے جو اس میں پائی جاتی ہے۔ اور جھوٹ یہ ہے کہ تو اس کے بارے میں وہ بات کہے جو تجھے اس کے بارے میں ملی ہے۔ اور بہتان یہ ہے کہ تو اپنے

بھائی کے بارے میں وہ بات کرے جو اس میں نہیں ہے۔ (تفسیر منیر:595/13)

(14) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غیبت تین قسم کی ہے تینوں اقسام کتاب اللہ میں موجود ہیں: (i) غیبت (ii) افک (جھوٹ باندھنا) (iii) بہتان۔ اس بات میں علماء کا اتفاق ہے کہ غیبت کبائر میں سے ہے مگر اس کا حل اور علاج یہ ہے کہ اللہ سے توبہ کی جائے اور جس کی غیبت ہوئی ہے اس سے معافی طلب کی جائے۔ سیدنا شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدنا معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میرے پاس سے کوئی ہاتھ کٹا گزرے تو میں اس کے بارے میں کہہ دوں کہ یہ ہاتھ کٹا ہے تو یہ اس کی غیبت ہوگی۔ سیدنا شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابو اسحاق سے کی تو انہوں نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے۔ (تفسیر المراغی:252/9)

(15) مسلم اور ترمذی میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقاطعہ نہ کرو۔ ایک دوسرے کے پس پشت غیبت نہ کرو۔ اور تم ایک دوسرے کے خلاف کینہ بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کے خلاف حسد نہ کرو۔ اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (تفسیر منیر:586/13)

(16) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا میں یہی کافی ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں۔ مسدد کے علاوہ راوی کہتے ہیں، یعنی کم قامت، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر کے پانی میں ملا دی جائے تو یہ اسے بھی بگاڑ دے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے سامنے کسی شخص کی نقل اتاری، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا، خواہ مجھے اس کے عوض اتنا اتنا مال بھی ملے۔'' (ابوداؤد:4875، ترمذی:2502)

(17) سیدنا ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے وہ لوگو، جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے! تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنا چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو۔ یاد رکھو! اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دے گا اور جس کے عیبوں کو اللہ ظاہر کر دے تو اسے اس کے گھر والوں میں بدنام کر دے گا۔'' (ابوداؤد:4880)

(18) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں، میں نے پوچھا، جبرائیل علیہ السلام! یہ کون ہیں؟ فرمایا، یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے اور ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔'' (ابوداؤد:4878)

(19) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: بے شک تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح یہ دن تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں قابل احترام ہے۔ (بخاری:1739)

(20) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک بدبودار لاش کی بدبو بلند ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ بدبو کیسی ہے؟ یہ ان کی بدبو ہے جو مومنوں کی غیبت کرتے ہیں۔'' (مسند احمد:14796)

(21) سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دوسرے کی غیبت کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے اسے کہا غیبت سے اجتناب کرو یہ کتوں کی

خصوصیت ہے۔ سیدنا عمرو بن عبید رضی اللہ عنہ کے لیے کہا گیا کہ آپ کے بارے فلاں نے غیبت کی ہے لیکن میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ (تفسیر مراغی: 253/9)

(22)﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ ''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اُس کو ناپسند کرتے ہو'' اللہ تعالیٰ نے یہ غیبت سے نفرت دلانے کے لئے مثال دیتے ہوئے غیبت کرنے کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے، جو نفوس انسانی کے لئے انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے۔ پس جس طرح تم اپنے بھائی، خاص طور پر بے جان اور مردہ بھائی کا گوشت کھانا ناپسند کرتے ہو اسی طرح تمہیں اس کی غیبت کرنا اور زندہ حالت میں اس کا گوشت کھانے کو ناپسند کرنا چاہیے۔ (تفسیر سعدی: 2595,2594/3)

(23) غیبت کبیرہ گناہ ہے اس لیے غیبت سے سختی سے ڈرایا گیا اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

(24) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔'' (معارف القرآن: 123/8)

(25) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے منافق کے مقابلے میں جو غیبت کر رہا تھا مومن کی حمایت کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کا گوشت جہنم کی آگ سے بچائے گا اور جس نے کسی مومن پر الزام لگایا جس سے اس کو ذلیل کرنا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو پل صراط پر روک لے گا جب تک کہ بدلہ نہ لیا جائے۔ (مسند احمد: 1914/2 مختصر ابن کثیر)

(26) جو کسی مسلمان کی کسی جگہ توہین کرے جس سے اس کی آبروریزی ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں اس کو اپنی حمایت وآخرت محبوب ہوگی اور جو کسی مسلمان کی اس جگہ حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت میں فرق آرہا ہو اور آبروریزی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا جہاں اس کو اپنی مدد کی ضرورت ہوگی۔ (ابوداؤد)

(27) غیبت کی حرمت سے استثناء کی صورتیں: علماء نے ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو غیبت کے حکم میں نہیں آتیں۔ غیبت جب کسی صحیح شرعی مسئلے کے لئے ہو تو یہ حرام نہیں ہے اور یہ چھ امور ہیں۔

(i) جس نے اپنے اوپر ظلم کو ختم کرنے کے لیے حاکم کے سامنے شکایت کی۔

(ii) منکر کے بیان کو تبدیل کرنے پر مدد طلب کرنا اس طور پر کہ وہ اس کو ذکر کرے جو اس نے گمان کیا ہے اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق: ''اللہ تعالیٰ بدگوئی کا اظہار کرنا پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو۔'' (النساء: 148)

(iii) فتویٰ دینا کہ وہ مفتی سے کہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس طرح حق حاصل کرنے کے لیے فتویٰ لینا۔

(iv) فسق سے ڈرانا۔ جیسے فاسق فاجر کے لیے مثلاً ہمیشہ شراب پینے والا اور فسق وفجور کی جگہوں پر آنے والا۔ ابن عدی نے بہز بن حکیم سے

نقل کیا ہے تم فاسق کی وہ بات ذکر کرو جو اس میں موجود ہوتا کہ اس بات سے لوگ ڈر جائیں۔

(v) عام شر سے ڈرانا جیسے گواہوں، راویوں، انصاف کرنے والوں اور مفتیوں کی جرح کرنا اہلیت کے نہ ہونے کے سبب۔

(vi) مشہور لقب سے تعریف کرنا جب اس لقب کے علاوہ کوئی دوسرا لقب مشہور نہ ہو۔ جیسے لنگڑا کمزور اور ٹیڑھا وغیرہ اسی طرح بدعت کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ لوگ اس کا فساد اور عیب مشہور کریں جس بات کا علم غیبت کرنے والے کے پاس ہے تو اس کو غیبت نہیں کہیں گے۔

یہ فرق ہے غیبت حرام اور اس غیبت کے درمیان جو حرام نہیں ہے۔

(29)﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' یعنی ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے بچ جاؤ کیونکہ غیبت مسلمانوں میں فساد پیدا کرنے والا سب سے بڑا عامل ہے۔

(30) اللہ تعالیٰ کا ڈر ہی ہے جو انسان سے برائیوں کو دور کرنے کے لیے ندامت پیدا کرتا ہے اور پھر انسان توبہ کرتا ہے۔

(31) نسفی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے اسے ترک کر دو۔ اور اپنے کیے پر نادم ہو جاؤ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہاری توبہ قبول کر لے گا۔ اور تمہیں توبہ کرنے والوں اور متقیوں کے ثواب سے نوازے گا۔ (الاساس:5415/9)

(32)﴿اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یقینا اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے ﴿تَوَّابٌ﴾'' وہ ہستی ہے جو اپنے بندے کو توبہ کا حکم دے کر اسے توبہ کی توفیق سے نوازتی ہے، پھر اس کی توبہ قبول کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے کہ اس نے ان کو اس چیز کی طرف بلایا جو ان کے لئے فائدہ مند ہے اور ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ (تفسیر سعدی:2595,2594/3)

(33) یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی انابت اور توبہ قبول کرتے ہیں ''رحیم'' جو اللہ کی طرف رجوع اور انابت کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے وہ اس پر رحم کرتا ہے۔ نسفی رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے اسے ترک کر دو۔ اور اپنے کیے پر نادم ہو جاؤ اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا اور تمہاری توبہ قبول کر لے گا۔ اور تمہیں توبہ کرنے والوں متقیوں کے ثواب سے نوازے گا۔ (الاساس:5415/9)

سوال 4: گمان کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ نیک لوگوں کے بارے میں ایسے گمان رکھنا جو برے ہوں۔ اسی وجہ سے اسے بدگمانی کہا جاتا ہے۔

سوال 5: انسان کیسے بدگمان ہوتا ہے؟

جواب: انسان کے ذہن میں ایک منفی سوچ [negative thought] آتی ہے، ایک غلط خیال یا وسوسہ آتا ہے تو اس کا ذہن منفی راہ پر چل نکلتا ہے۔ پھر وہ دوسرے انسان کے کمزور پہلو، اس کے عیب تلاش کرنے لگتا ہے اور اسے آسانی سے عیب مل جاتے ہیں کیونکہ بدگمان

ہونے کے بعد اسے دوسرے انسان کی ہر بات غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ پھر اس کی بے عزتی کرنا اس کو اچھا لگتا ہے۔ کچھ لوگوں کا تو یہ محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔

سوال 6: رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے؟

جواب: (i) رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی کو اکذب الحدیث قرار دیا۔

(ii) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِيَّاكُمْ وَالظَّنِّ﴾ "گمان کرنے سے بچو۔" (بخاری)

سوال 7: کیا فاسقوں اور فاجروں سے ان کے گناہوں کی وجہ سے بدگمانی رکھنا بھی درست نہیں؟

جواب: فاسقوں اور فاجروں سے بدگمانی رکھنا وہ گناہ نہیں جس سے روکا گیا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے: جس کا ظاہر اچھا ہے اس کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں۔ البتہ جس کا ظاہر برا ہے اس کے بارے میں بدگمانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال 8: تجسس کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: تجسس کرنے سے مراد کسی کی خامی یا عیب کی ٹوہ لگانا ہے تاکہ اسے بدنام کیا جائے۔

سوال 9: تجسس کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: تجسس بدگمانی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

سوال 10: تجسس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہ فلاں ہے۔ اس کی داڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں کی خفیہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو ان کو برباد کر دو گے۔ (ابوداود)

سوال 11: غیبت کا کیا مطلب ہے؟

جواب: غیبت کا مطلب ہے کہ دوسروں کے سامنے کسی کی برائیوں کا ذکر کیا جائے جو اگر متعلقہ شخص کے سامنے کی جائیں تو اسے بری لگیں۔

سوال 12: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے کی دعوت کیوں دی گئی؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ڈر ہی ہے جو انسان سے برائیوں کو دور کرنے کے لیے ندامت پیدا کرتا ہے اور پھر انسان توبہ کرتا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

’’اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور برادریاں بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، پوری طرح خبر رکھنے والا ہے‘‘ (13)

سوال 1: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ’’اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں قومیں اور برادریاں بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، پوری طرح خبر رکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ﴾ ’’اے لوگو: ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے فرمایا جب فتح مکہ کا دن تھا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ سیاہ غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دے گا! اور بعض نے کہا اگر اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا یا اس کے علاوہ کسی اور کام کا ارادہ کرے گا تو اس کو تبدیل کر دے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور حسب نسب کثرت مال اور فقراء کی تحقیر کی وجہ سے انہیں ڈانٹا۔

(2) ابن عساکر اپنی مبہمات میں فرماتے ہیں مجھے ابن بشا کی تحریر میں یہ بات ملی کہ ابو بن ابی داؤد اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ آیت ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی عورت کی شادی اس سے کر دیں تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اپنی بیٹیوں کی شادیاں آزاد کردہ غلاموں سے کر دیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر منیر: 581/13)

(3) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ ’’اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا‘‘ ساری مخلوق سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کی اولاد ہے۔ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے۔

(4) اسلام کے سیاسی اور جمہوری اصولوں میں سے ایک اصول مساوات ہے اس اصول کے تحت تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ وہ تمام ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور تمام کے حقوق برابر اور مساوی ہیں۔ (تفسیر منیر: 596/3)

(5) اس بارے میں اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ اللہ نے تمام لوگوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایسے ہی پیدا کر دیتا جیسے آدم کو پیدا کیا (یعنی مرد و عورت کے بغیر) یا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بغیر باپ کے پیدا کر دیتا یا حوا کی طرح بغیر ماں کے پیدا کر سکتا تھا۔ (تفسیر منیر: 596/13)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے دورِ جاہلیت کے تکبر اور غرور اور اپنے

آباؤاجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا۔ اب انسان دو قسم کے ہیں یا مومن متقی ہے یا فاجر بدبخت ہیں (یاد رکھو) تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش خاک سے ہوئی۔" (ابوداؤد:5116)

(7)﴿وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ "اور ہم نے تمہیں قومیں اور برادریاں بنادیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو" اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قبیلوں، برادریوں اور گروہوں میں تقسیم کیا تاکہ وہ ایک دوسرے کی پہچان رکھیں۔

(8) اگر ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت کو قائم رکھے گا تو وہ تعارف حاصل نہیں ہوسکتا جس پر ایک دوسرے کی مدد، باہمی تعاون، باہمی توازن اور عزیز واقارب کے حقوق کا قیام مرتب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ وہ امور حاصل ہو سکیں جو باہمی تعارف اور الحاق نسب پر موقوف ہیں مگر عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ (تفسیر سعدی:2593/3)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(لوگو!) تم اپنے حسب نسب کا علم حاصل کرتے رہا کرو، جن کے ذریعے سے تم صلہ رحمی کرتے ہو، (سنو!) یقیناً صلہ رحمی کرنا رشتہ داروں میں محبت، مال میں اضافے اور زندگی میں برکت کا باعث ہے۔" (ترمذی:1979)

(10)﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ "یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے" اس سے مراد ہے کہ بے شک تم میں سے افضل اور معزز وہ ہے جو تقویٰ اور عمل میں افضل ہے نہ کہ نسب میں۔ (تفسیر الماوردی:336/5)

(11) ابو نضرہ منذر بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے اس صحابی نے خبر دی جس نے ایام تشریق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، خبردار ہو جاؤ! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، (کسی کو کسی پر کوئی فضیلت) ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔ (مسند احمد:23550)

(12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔" (مسلم:6543)

(13) طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حسب ونسب اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے پس جو نیک دل ہو اللہ کی اس پر رحمت ہے اور بے شک تم آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو اور تم میں سے اللہ کے ہاں وہ محبوب ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ (مسلم کتاب البر:34)

(14) ترمذی نے سیدنا ثمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسب حال اور عزت کا پیمانہ تقویٰ ہے۔ (ترمذی)

(15) اور ایک روایت میں ہے کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کی عزت کریں تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

(16) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے: اے لوگو بے شک

میں نے ایک نسب بنایا اور ایک تم نے اپنے لیے نسب بنایا میں نے تمہیں معزز اور متقی بنایا لیکن تم نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں چنانچہ آج کے دن میں تمہارے بنائے ہوئے نسبوں کو ختم کرتا ہوں۔ متقی کہاں ہیں؟ متقی کہاں ہیں؟ (تفسیر منیر:597/13)

(17) طبرانی کی ایک روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں اولیاء متقی ہوں گے اگر چہ کسی اور کا نسب ان کے نسب سے زیادہ قریب ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال لے کر آئیں گے اور تم دنیا کو اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے آؤ گے تو تم کہو گے اے محمد ﷺ! پس میں تم سے اعراض کرلوں گا۔ (تفسیر منیر:597/13)

(18) ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے رُک جائیں بے شک وہ جہنم کے انگارے ہیں ورنہ وہ اللہ کے سامنے اس سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائے گا جو اپنی ناک سے گندگی کو بڑھاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا فخر و غرور ختم کر دیا ہے اب کوئی تو مومن و متقی ہے کوئی بدکار و بدبخت۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔ (ابوداود:752/2)

(19) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا سب سے معزز شخص کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ لوگوں نے کہا ہمارا آپ سے سوال یہ نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ معزز سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں جو خود بھی نبی تھے ان کے باپ دادا اور پردادا خلیل اللہ بھی نبی تھے۔ لوگوں نے کہا ہمارا آپ ﷺ سے سوال یہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم مجھے عربوں میں سے بہترین لوگوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے جو زمانہ جاہلیت میں بہترین تھے وہ جب دین کو سمجھ جائیں تو وہی قبول اسلام کے بعد بھی بہترین ہوں گے۔ (تفسیر الدر المنثور:109/6)

(20) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کا لوگ انکار کریں گے اذن عام اور فرمایا تم میں سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ متقی ہو لوگ کہتے ہیں تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو گھر میں معزز ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تیسری چیز مجھے بھول گئی ہے۔ (جامع البیان:145/26)

(21) ابو ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جلوہ فروز ہو کر اذان دی سیدنا عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھتے ہیں تو کلمات شکر کے ساتھ کہتے ہیں اچھا ہوا میرے باپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا حارث بن ہشام چلایا کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوّے کے علاوہ کوئی موذن نہیں ملا سہیل بن عمر کف افسوس ملتے ہوئے کہتا ہے کاش کہ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ کوئی دوسرا ارادہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام امین کے ذریعے فوراً وحی کا نزول کیا اور ان کے خیالات سے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعے انہیں ڈانٹ پلائی اور انہیں نسب میں فخر کرنے مال کی کثرت پر نازاں ہونے اور فقراء سے سخت روی اختیار کرنے پر منع فرمایا، اور فضیلت

کادارومدارتقویٰ اختیارکرنے پررکھا۔(تفسیر المراغی:255/9)

(22)امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا دیکھ تو کسی سرخ یا سیاہ سے صرف اس صورت میں بہتر ہوسکتا ہے جب تو اللہ تعالیٰ سے اس کی نسبت زیادہ ڈرتا ہو۔(المسند:158،تفسیر القاسمی:138/15)

(23)سیدنا عبد بن حمید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے خطبے میں فرمایا: اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارا جاہلیت کا عیب اور اپنے اباؤاجدا کی (حد سے زیادہ) تعظیم کا خاتمہ کردیا ہے لہٰذا لوگوں کی دو قسمیں ہیں نیک اور متقی آدمی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں اور بدکار آدمی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہے۔(قاسمی:138/15)

(24)امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آیت ﴿اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى﴾ سے دلیل لی ہے کہ شادی میں کفو (برابری) سے مراد نسب نہیں بلکہ دین ہے۔اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ غلاموں کا آزاد عربی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔چنانچہ سیدنا سالم رضی اللہ عنہ جو کہ غلام تھے انہوں نے انصار کی ایک عورت ہند بن ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے شادی کی اسی طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن سے شادی کی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو معلوم ہوا کہ کفاءت کا خیال صرف دین میں معتبر سمجھا جائے گا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے اس کے حسب،نسب،مال،حسن وجمال اور دین کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے پس تو دین کو ترجیح دینا۔اس کو احمد اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔(تفسیر منیر:597/13)

(25)سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ان کی بیٹی کے ساتھ منگنی کا پیغام بھیجا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کرلیا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو انہوں نے معاملے کو ملتوی کردیا پھر بعد میں راضی ہوگئے لیکن سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے نکاح نہ کیا۔(احکام القرآن:160/4)

(26)سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بکیر کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو اس کے بھائیوں نے انکار کردیا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو بکیر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے ان کی بہن سے شادی کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر کے مجھے دکھ پہنچایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خاطر غصے میں آگئے جب انہیں خبر پہنچی تو وہ اپنی بہن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تجھے علم ہے کہ تیری وجہ سے ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خاطر ہم سے ناراض ہوگئے ہیں۔ان کی بہن نے کہا میرا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے شادی کردی۔(احکام القرآن:160/4)

(27)جب ہند نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سینگی لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا تم ابوہند کو رشتہ دو اور اس کے ہاں شادی کرواور وہ بنو بیاضہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔(احکام القرآن:160/4)

(28)﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا،پوری طرح خبر رکھنے والا ہے'' اے لوگو اللہ تم میں سے متقی اور معزز کو جانتے ہیں تمہاری اور تمہارے مصالح کی خبر رکھنے والے ہیں اور اس کے علاوہ جو امور ہیں ان سے بھی باخبر ہیں۔اس اللہ تعالیٰ سے

ڈر جاؤ جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔(جامع البیان:145/26)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ایک مرد اور عورت سے پیدا کر کے انسان کی قومیں اور برادریاں بنائیں۔اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس طرح انسانوں کے لیے ایک دوسرے کو پہچاننے کی صورت نکال دی۔ یہ محض تعارف کا ذریعہ ہیں برتری کے اظہار کا ذریعہ نہیں۔ایک دوسرے پر نسب کی وجہ سے برتری کا اظہار کرنا جاہلیت ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری کا کیا معیار ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ہاں برتری کا معیار تقویٰ ہے جس کو اختیار کرنا انسان کے بس میں ہے۔

سوال 4: ایک مرد اور عورت سے پیدا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام سے پیدا کرنا ہے۔(2) اس سے مراد ہے کہ تم سب کی اصل ایک ہے۔ یعنی تمہیں نسب پر فخر کرنے کا حق نہیں، سب کا نسب سیدنا آدم علیہ السلام سے ملتا ہے۔

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

”دیہاتیوں نے کہا: ”ہم ایمان لائے۔“ کہہ دو: ”تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا“ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ (14)

سوال 1: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”دیہاتیوں نے کہا: ”ہم ایمان لائے۔“ کہہ دو: ”تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا“ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اس آیت مبارکہ کی ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے تو اللہ کے اس حکم پر اعراب نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمارا نسب نامہ اور ہم معزز ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی مذمت کرتے ہوئے ان کے ایمان کی کمزوری کو واضح کیا ہے اور ایمان صحیح کے اصولوں کی تجدید کر دی ہے۔وہ اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول کی تصدیق کی جائے۔دل میں اخلاص ہو اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اللہ کی فرمانبرداری کی جائے اور اس کے حکم کو دنیا میں سربلند کیا جائے۔ان اصولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بھی بتادیا ہے کہ اللہ تمہاری ظاہری اور چھپی ہوئی تمام باتوں کو جانتا ہے اور ان کی کمزوری ایمان سے بھی باخبر ہے۔لہٰذا کسی شخص کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ایمان لا کر نبی ﷺ پر احسان جتلائے جب کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کا احسان مند ہونا چاہیے۔(تفسیر منیر:600/13)

(2)﴿قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا﴾اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ بنو اسد بن خزیمہ کے کچھ لوگوں کا وفد قحط سالی کے زمانہ میں مدینہ منورہ آیا اور انہوں نے شہادتین کا اقرار کیا۔یعنی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا حالانکہ وہ اندر سے مومن نہ تھے وہ نبی کریم ﷺ کو کہنے لگے کہ ہم تیرے پاس اہل وعیال سمیت سب کچھ لے آئے ہیں اور ہم نے تمہارے ساتھ بنو فلاں کی مانند جنگ بھی نہیں کی لہٰذا آپ ﷺ ہمیں اموال صدقہ میں سے کچھ دیں اور نبی کریم ﷺ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتلانے لگے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کردی۔(اسباب النزول للواحدی:225)

(3)﴿قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا﴾"دیہاتیوں نے کہا:"ہم ایمان لائے" اللہ تبارک وتعالیٰ بعض ان عرب دیہاتیوں کے قول کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کسی بصیرت کے بغیر اسلام میں داخل ہوئے اور ان امور کو قائم نہ کیا جن کا قیام واجب اور جن کے قیام کا تقاضا ایمان کرتا ہے اور اس کے باوجود انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا"ہم ایمان لائے"یعنی کامل ایمان جو تمام امور کو پورا کرتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان کے اس قول کی تردید کردیں۔(تفسیر سعدی:2597,2596/3)

(4)﴿قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ﴾"کہہ دو:"تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"یعنی تم اپنے کامل ایمان کا دعویٰ نہ کرو۔

(5)﴿وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا﴾"بلکہ کہو ہم مسلمان ہو گئے ہیں"یعنی اتنا کہنا کافی ہے کہ ہم اسلام لے آئے۔

(6)اور اس کی وجہ یہ ہے کہ﴿وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ﴾"اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"یعنی تمہارے ایمان کا سبب کوئی خوف یا کسی قسم کی امید ہے ابھی ایمان کی مٹھاس تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوئی۔

(7)ابن زید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ﴿قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا﴾کی تفسیر میں فرماتے ہیں چونکہ انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اپنے ایمان کی تصدیق نہیں کی تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کو مسترد کردیا تھا۔اور انہیں خبر دی کہ درحقیقت مومن وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک وشبہ کا اظہار نہ کیا اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا یہی سچے لوگ ہیں۔اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے آپ کو مومن کہتا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ہے۔تاہم جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے لیکن نیک اعمال نہیں کرتا تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔﴿وَلٰـكِنۡ

﴿قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ ابراہیم سے منقول ہے یعنی ہم مطیع ہوتے ہیں۔ (جامع البیان:146/26)

(8)امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اسلام سے مراد کلمہ ہے۔ اور ایمان سے مراد قول اور عمل ہے۔ (جامع البیان:145/26)

(9)اس آیت مبارکہ کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ اسلام کامل ہی ایمان کامل ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ایمان کامل میں تصدیق القلب اور تصدیق الجوارح بالعمل دونوں ہی داخل ہیں جبکہ اسلام کامل میں ایمان باللہ کے ساتھ دل مطیع ہوجاتا ہے اور عمل کے ساتھ تمام اعضاء مطیع ہوجاتے ہیں۔ سورۃ الذاریات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو عین اسلام قرار دیا ہے، ﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ(۳۵) فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ(۳۶)﴾ ''پھر ہم نے اس میں سے جو مومن تھے اُن کو نکال لیا۔ پھر ہم نے اس میں ایک گھرانے کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔'' (الذاریات:35،36) تاہم اگر اسلام سے عمل الجوارح مراد لیا جائے اور ایمان سے تصدیق بالقلب مراد لی جائے تو اس سورۃ میں دونوں اسلام اور ایمان کے معانی ومفاہیم مختلف ہوں گے جیسا کہ حدیث جبرائیل میں وارد ہے جب جبرائیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے زکوۃ ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے جبرائیل علیہ السلام نے پھر سوال کہ ایمان کیا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں اس کے رسولوں پر یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لے آئے اس حدیث مبارکہ میں اسلام ایک شے ہے اور ایمان اس سے مختلف دوسری شے ہے اگرچہ ان دونوں کے درمیان حقیقت میں ارتباط موجود ہے سورۃ حجرات کی یہ آیت مبارکہ لفظ اسلام اور ایمان کے درمیان اس فرق کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اس امر کو واضح کر رہی ہے کہ ایمان قلبی کی طرف عمل الجوارح سے راستہ جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا'' یہ آیت مبارکہ تربیت اسلامیہ میں ایک زریں اصول کی حیثیت رکھتی ہے انسانی دل مردہ ہوجاتا ہے یا اس پر غفلت چھا جاتی ہے اس مردہ دل کو زندہ کرنے کا علاج یہ ہے کہ ذکرواذکار نماز روزہ حج، انفاق فی سبیل اللہ جیسے نیک اعمال کیے جائیں ان نیک اعمال کی بجاآوری سے دل ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے یہاں تک کہ ایمان کامل تک جا پہنچتا ہے اگر آپ اس حدیث مبارکہ میں غور کریں تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دل چار قسم کے ہوتے ہیں: 'قلب اجرد' یعنی گناہوں سے خالی دل 'قلب منکوس' یعنی الٹا کیا ہوا دل 'قلب اغلف' یعنی لپٹا ہوا دل 'قلب مصفح' یعنی چوڑا دل، قلب اجرد تو مومن کا دل ہے اور قلب منکوس منافق کا دل ہے جو حق کو پہچان لینے کے بعد اس کا انکار کردیتا ہے اور قلب مصفح وہ ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں جمع ہوں اس دل میں ایمان کی مثال ترکاری کی مانند ہے جس کی پاکیزہ پانی پرورش کرتا ہے اور نفاق کی مثال پھوڑے کی ہے جس کی نشوونما پیپ اور خون کرتا ہے۔ اب دونوں میں سے جو غالب آجائے وہ اس کی طرف ہوجاتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن کثیر نے اس کی سند کو حسن

کہا ہے۔مذکورہ تمام معنی کا ادراک کر لینے سے اس آیت مبارکہ ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا کا معنی سمجھ آجاتا ہے۔کہ ابھی تک ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔اگر وہ مسلسل عمل کرتے رہیں تو بہت جلد وہ ان کے دلوں میں داخل ہو جائے گا۔(الاساس:5438,5437/9)

سوال2:﴿وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۭ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا،یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو''یعنی ایمان اور فرائض قائم کر کے اور محارم سے اجتناب کر کے تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(2)﴿لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾ ''تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا''یعنی تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(3)﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے''اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے غفور ہے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔وہ رحیم ہے جو ان پر رحم کرنے والا ہے جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہیں۔

(4)اے اعرابیو!اللہ تعالیٰ فرمانبرداری کرنے والوں کے تمام پرانے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔اور ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔لہٰذا تم بھی اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔وہ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا﴿رَّحِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے لہٰذا تم بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرو۔وہ تمہارے اوپر رحم کرے گا۔(جامع البیان:147/26)

سوال3:اعراب سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب:(1)اس سے مراد دیہاتی لوگ ہیں۔(2)حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد نئے اسلام لانے والے ہیں۔

سوال4:یہ بات کیوں کہی گئی کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ مطیع ہوئے؟

جواب:(1)یہ بات اس لیے کہی گئی کہ ان لوگوں نے قحط سالی میں صدقات کی وصولی کے لیے یا قتل ہونے اور قیدی بننے سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا تھا۔یوں وہ کراہت سے مطیع ہوئے تھے۔

(2)یہ بات اس لیے بھی کہی گئی کہ ان کے دل ایمان اور اِخلاص سے خالی تھے۔

سوال5:اللہ تعالیٰ نے نئے اسلام لانے والوں کو کیا یقین دہانی کروائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہ کرے گا۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

”یقینا مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے ہیں پھر اُنہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور اُنہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں“ (15)

سوال 1: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ ”یقینا مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے ہیں پھر اُنہوں نے کوئی شک نہیں کیا اور اُنہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ﴾ ”یقینا مومن وہ ہیں“ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔

(2) ﴿اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ”جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے ہیں“ جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور الٰہ مانتے ہیں اور نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔

(3) ﴿ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ ”پھر اُنہوں نے کوئی شک نہیں کیا“ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شک نہیں کیا۔ (جامع البیان: 148/13)

(4) سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر میں اس کو آپ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہہ! میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہ۔“ (مسلم: 159)

(5) ﴿وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”اور اُنہوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا“ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو یکجا کیا اور جس نے کفار کے ساتھ جہاد کیا تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اس کے دل میں کامل ایمان ہے کیونکہ جو کوئی اسلام، ایمان اور اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے کے لئے دوسروں سے جہاد کرتا ہے تو اس کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ جو کوئی جہاد کی قوت نہیں پاتا تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لئے عدم شک و ریب کی شرط عائد کی ہے کیونکہ ایمان نافع سے مراد ہے اس معاملے میں قطعی یقین سے بہرہ ور ہونا، جس پر اللہ تعالیٰ نے ایمان رکھنے کا حکم دیا ہے، جس میں کسی لحاظ سے بھی شک کا شائبہ نہ ہو۔ (تفسیر سعدی: 597/3)

(6) ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

كَرِيْمٌ﴾ ''اور جو (مہاجرین) ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن (انصار) نے پناہ دی اور مدد کی، یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ان کے لیے مغفرت اور بہترین رزق ہے۔'' (الانفال:74)

(7)﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں'' یعنی وہ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں۔(ایسر التفاسیر:1508)

(8) یعنی جنہوں نے اعمال کے ذریعے سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، کیونکہ ہر معاملے میں صدق ایک بڑا دعویٰ ہے، جس میں صاحب صدق کسی دلیل و برہان کا محتاج ہوتا ہے اور ایمان کا دعویٰ تو سب سے بڑا دعویٰ ہے جس پر بندے کی سعادت، ابدی کامیابی اور سرمدی فلاح کا دارومدار ہے۔پس جو کوئی ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے واجبات ولوازم کو قائم کرتا ہے۔وہی حقیقی اور سچا مومن ہے۔اور جو کوئی ایسا نہیں تو وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں اور اس کے اس دعوائے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ایمان دل کے اندر ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس لئے ایمان کا اثبات کرنا یا اس کی نفی کرنا، گویا دل میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو آگاہ کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی اور بدظنی ہے۔(تفسیر سعدی:2597/3)

(9) مذکورہ اعمال سرانجام دینے والے ہی اپنے اس قول کہ ہم مومن ہیں میں سچے ہیں۔نہ کہ وہ لوگ جو تلوار کے خوف سے اپنے اموال اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیے اسلام میں داخل ہوئے۔(جامع البیان:148/26)

(10) ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اپنے قول کو سچ کر دکھایا ہے۔(جامع البیان:149/26)

(11) یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ایمانی دعوے کو سچ کر دکھایا کیونکہ ان کے افعال اور اعمال اس پر گواہ ہیں اس آیت میں اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ اعراب اپنے ایمانی دعوے میں جھوٹے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کلام حصر استعمال کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ فقط یہی مومن لوگ ہی سچے ہیں۔نہ کہ وہ اعراب۔اس آیت میں اس امر پر دلیل پائی جاتی ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔(تفسیر قاسمی:142/15)

(12) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں مومنوں کی تین اقسام ہیں (i) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔پھر انہوں نے اس میں شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا (ii) ان سے لوگوں کے مال اور جانیں محفوظ ہو گئیں۔(iii) جب کسی مقام لالچ پر مطلع ہوتے ہیں تو اسے اللہ کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔(الاساس:5438/9)

سوال 2: سچے مومن کون ہیں؟

جواب: (i) سچے مومن وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین ہو جائے۔(ii) جن کے دلوں میں کوئی شک باقی نہ رہے۔
(iii) جس ایمان کے نتیجے میں نفس اور مال کے ساتھ جہاد جیسے اعمال پیدا ہوں۔

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾

''کہہ دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین سے آگاہ کررہے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے'' (16)

سوال 1: ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''کہہ دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین سے آگاہ کررہے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ﴾ ''کہہ دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین سے آگاہ کررہے ہو؟'' یعنی اے ہمارے رسول ﷺ آپ ان بدویوں سے کہہ دیجیے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ابھی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دین داری سے آگاہ کررہے ہو۔

(2) ﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے'' حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے بخوبی واقف ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(3) ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے وہ زمین و آسمان اور ان کے مابین جو کچھ ہے ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور وہ دل کے اندر کے ایمان اور کفر، نیکی اور بدی سے واقف ہے۔ جو سب کچھ جانتا ہے وہ ان اعمال کی جزا بھی دے گا۔ اور یہ ہر اس شخص کا معاملہ ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس میں ایمان نہیں ہوتا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ایمان کے دعوؤں کا علاج کیسے کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور ایمان سے آگاہ کررہے ہو۔ اپنے دلوں کی کیفیات اللہ تعالیٰ کے آگے رکھ رہے ہو؟ جب کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے دیہاتیوں پر کیا واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کیا ہے کہ تمہارے ایمان کی اور دلوں کی کیفیات سے وہ آگاہ ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی وسعتوں کے علم سے اپنے علم کی وسعت کا شعور دلایا ہے۔

﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ

﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾

"یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، کہہ دو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کے لیے ہدایت دی ہے، اگر تم سچے ہو" (17)

سوال 1: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ "یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، کہہ دو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کے لیے ہدایت دی ہے، اگر تم سچے ہو" توفیق اسلام اللہ تعالیٰ کا احسان ہے آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا﴾ "یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے" یعنی یہ بدوی، دیہاتی آپ ﷺ پر اپنے اسلام، اطاعت اور مدد کا احسان رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کی تردید فرمائی ہے۔

(2) ﴿قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ﴾ "کہہ دو کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو" یعنی تمہارا حق نہیں ہے کہ تم اپنے اسلام کا احسان مجھ پر رکھو۔

(3) اسے خوب معلوم ہے کہ تمہارا ایمان کتنے پانی میں ہے اور تم کہاں تک دل سے اسلام کی پیروی کر رہے ہو لہٰذا کسی پر احسان جتلانے کی ضرورت نہیں جو مانگنا ہے سیدھی طرح مانگو۔ (اشرف الحواشی: 617/1)

(4) ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی ہے، اگر تم سچے ہو" یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی اگر تم ایمان لانے کے دعوے میں سچے ہو۔

(5) سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو غنیمت دی تھی، آپ ﷺ نے اس کی تقسیم کمزور ایمان کے لوگوں میں (جو فتح کے بعد ایمان لائے تھے) کر دی اور انصار کو اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ اس کا انہیں کچھ ملال ہوا کہ وہ مال رسول اللہ ﷺ نے دوسروں کو دیا انہیں کیوں نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد انہیں خطاب کیا اور فرمایا: "اے انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے ذریعے سے ہدایت نصیب کی اور تم میں آپس میں دشمنی اور نا اتفاقی تھی تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تم میں باہم الفت پیدا کی اور تم محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے غنی کیا۔ آپ ﷺ کے ایک ایک جملے پر انصار کہتے جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہم سب سے زیادہ احسان مند ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری باتوں کا جواب دینے سے تمہیں کیا چیز مانع رہی؟ بیان کیا کہ آپ ﷺ کے ہر اشارے پر انصار عرض کرتے جاتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہم سب سے زیادہ احسان مند ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے تو مجھ سے اس اس طرح بھی کہہ سکتے تھے (کہ آپ ﷺ آئے تو لوگ آپ ﷺ کو جھٹلا رہے تھے لیکن ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی وغیرہ) کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ جب لوگ اونٹ اور بکریاں لے جارہے ہوں گے تو تم اپنے گھروں کی طرف اللہ کے رسول ﷺ کو لے جارہے ہو گے؟ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک آدمی بن جاتا۔ لوگ خواہ کسی گھاٹی یا وادی میں چلیں، میں تو انصار کی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا۔ انصار اس کپڑے کی طرح ہیں یعنی استر جو ہمیشہ جسم سے لگا رہتا ہے اور دوسرے لوگ اوپر کے کپڑے کی طرح ہیں یعنی ابرہ۔ تم لوگ (یعنی انصار) دیکھو گے کہ میرے بعد تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ تم ایسے وقت میں صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر آملو۔" (بخاری:4330)

سوال 2: دیہاتی رسول اللہ ﷺ پر اپنے ایمان کا احسان کیسے رکھا کرتے تھے؟

جواب: دیہاتی کہتے تھے کہ دیکھو ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی ایسے وقت میں جب کہ سارا عرب آپ ﷺ سے جنگ کر رہا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کا کیسے رد کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو اس لیے کہ اسلام لانے کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا اگر تم مخلص ہو کر ایمان لائے ہو۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنا کیا احسان یاد دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

"یقین مانو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے" (18)

سوال 1: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ "یقین مانو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ "یقین مانو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے" یعنی جو چیز آسمانوں اور زمین میں غائب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔

(2) اللہ تعالیٰ سے کوئی معاملہ چھپا نہیں ہوتا کون اپنے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا! اور کون رغبت سے ایمان لایا اور کون خوف سے اسلام

لایا اسے سب معلوم ہے۔(ایسر التفاسیر:1508)

(3) اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو جانتا ہے جو کائنات کے اندر چھپے ہوئے اور مخلوق سے مخفی ہیں، جو سمندروں کی موجوں میں، بیابانوں کی سختیوں میں، رات کے اندھیروں میں اور دن کی روشنیوں میں ہیں۔ وہ بارش کے قطروں، ریگزاروں کے ذروں، سینوں کے بھیدوں اور تمام چھپے ہوئے امور کو جانتا ہے۔(تفسیر سعدی:2598/3)

(4) ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢبِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے جمع اعمال جو تم کرتے ہو کو دیکھتا ہے اعلانیہ ہوں یا چھپ کر اللہ کی اطاعت میں ہوں یا معصیت میں وہ تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ اور ان کا بدلہ دینے والا ہے۔ بھلائی کا بدلہ بھلائی سے برائی کا بدلہ برائی سے۔(جامع البیان:151/26)

(5) وہ تمہارے اعمال کو شمار کرتا ہے، وہ تمہیں پورے پورے لوٹائے گا اور اپنی بے پایاں رحمت اور حکمتِ بالغہ کے تقاضوں کے مطابق تمہیں ان اعمال کی جزا دے گا۔(تفسیر سعدی:2589/3)

(6) اس آیت میں دوسری دفعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع علم کی خبر دی کہ تمام آسمان وزمین کے غیب سے وہ واقف اور آگاہ ہے اور تمہارے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔(مختصر ابن کثیر:1917/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے غیب کے علم کا ذکر کس حوالے سے کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دلوں میں پوشیدہ رازوں کے بارے میں اور ہر چھپی ہوئی بات کے بارے میں آگاہ کیا کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے اپنے بصیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ہر بھید کے عیاں ہونے سے، ہر غیب کے ظاہر ہونے سے اپنے بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے اعمال کے پیچھے لگا دیا ہے کہ تمہارا کوئی عمل ایسا نہیں جو رب سے چھپ سکے۔ تمہارے تمام کام اس کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

آیاتھا ۴۵ ۵۰ سُورَۃُ قٓ مَكِّيَّةٌ ۳۴ رکوعاتھا ۳

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس میں تین رکوع اور 45 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 50 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 34 ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

(1) سیدنا عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے؟ انہوں نے بتایا، آپ ان میں ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ اور ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ پڑھتے تھے۔ (مسلم:891)

(2) سیدنا عمرہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ عنہا کی بہن کہتی ہیں کہ میں نے سورۃ ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سن کر یاد کی ہے۔ ہر خطبہ جمعہ میں منبر پر اس سورت کو پڑھنا آپ ﷺ کا معمول تھا۔ (مسلم:872)

(3) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورۃ ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ پڑھتے تھے اور اس کے بعد کی باقی نمازیں ہلکی پڑھتے تھے۔ (مسلم:458)

رکوع نمبر 15

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾

''ق۔ قسم ہے قرآنِ مجید کی جو بڑی شان والا ہے'' (1)

سوال1: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ ''ق۔ قسم ہے قرآنِ مجید کی جو بڑی شان والا ہے'' قرآن عزت والی کتاب ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) قٓ حروف مقطعات میں سے ایک ہے جس کے معنی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(2) ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ ''قرآنِ مجید کی جو بڑی شان والا ہے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی چیز نہ اس سے احسن ہے اور نہ اس سے افضل ہے۔

(3) قرآن مجید کی ایک صفت ''مجید'' بھی ہے۔ یعنی بلند مرتبہ اور کثیر العطاء۔ قرآن کا نظم اور معنی کے اعتبار سے اعجاز اس کے بلند مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور قرآن مجید کی اس اتباع سے جو فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بجائے خود ہی اس کے کثیر العطاء ہونے کی دلیل ہیں۔ اس بناء پر قرآن مجید کو ہی نبی ﷺ کی رسالت پر بطور دلیل پیش کیا گیا ہے اور پھر بتایا کہ یہ پیغمبر تمہی میں سے ہے اس کی باتوں پر غور کرو۔ (ترجمان القرآن:405/3)

(4) یعنی اس کے معانی بہت وسیع عظیم اوراس کے پہلو بے شمار ہیں، اس کی برکات بے پایاں اوراس کی عنایات بہت زیادہ ہیں (مجید) کا معنی ہے اوصاف کی وسعت اوران کے عظمت (مجد) سے موصوف ہونے کا سب سے زیادہ مستحق کلام اللہ یعنی قرآن ہے جو اولین وآخرین کے علوم پر مشتمل ہے جس کی فصاحت کامل ترین جس کے الفاظ عمدہ ترین اور جس کے معانی عام اور حسین ترین ہیں۔ یہ اوصاف اس کی کامل اتباع اس کی فوری اطاعت اور اللہ تعالٰی کے احسان پر شکر کے موجب ہیں۔ مگر اکثر لوگ اللہ تعالٰی کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ (تفسیر سعدی:2599/3)

(5) عزت والے قرآن کی قسم جو حق ہے، عزت اور حکمت والے رب کی طرف سے اتارا گیا۔

سوال 2: قرآنِ مجید کی قسم کس بات پر کھائی گئی ہے؟

جواب: قرآنِ مجید کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے آیت میں وہ بات موجود نہیں ہے۔ البتہ بعد میں جو بات کی گئی وہ اس کا جواب ہے یعنی نبوت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا ثبوت۔

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾

''بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا تو کافروں نے کہا کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے'' (2)

سوال 1: ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ ''بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا تو کافروں نے کہا کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ﴾ ''بلکہ انہوں نے تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا تو کافروں نے کہا کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے'' نبی ﷺ کو جھٹلانے والے کافروں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول آ گیا ہے۔ جو بشر ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ﴾ ''انہوں نے کہا: ''تم ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو'' (یٰس:15)

(2) جو ان امور کے بارے میں تنبیہ کرتا ہے جو نقصان دہ ہیں۔ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ ''تاکہ آپ اس قوم کو خبردار کر دیں جن کے باپ دادا کو خبردار نہ کیا گیا تھا تو وہ غافل ہیں'' (یٰس:6)

(3) وہ ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جو مفید ہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''کیا لوگوں کے لیے ایک عجیب بات ہو گئی ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک آدمی کو وحی کی کہ آپ لوگوں کو ڈرا دو اور بشارت دے دو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے کہ یقیناً اُن کے لیے ان کے رب کے پاس

سچا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا بے شک یہ ضرور کھلا جادوگر ہے۔'' (یونس:2)

(5)﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ ''تو کافروں نے کہا کہ یہ بڑی عجیب چیز ہے'' یعنی جو لوگ بعث کا انکار کرتے ہیں کہ یہ بڑی انوکھی چیز ہے۔

(6) ان کا اس کو انوکھا اور نادر سمجھنا دو امور میں سے کسی ایک پر مبنی ہے۔ (i) یا تو وہ اپنے تعجب اور اسے انوکھا سمجھنے میں سچے ہیں، تب یہ چیز ان کی جہالت اور کم عقلی پر دلالت کرتی ہے، اس پاگل اور مجنون شخص کی مانند، جو عقل مند شخص کے کلام پر تعجب کرتا ہے، اس بزدل شخص کی مانند جو شہسواروں کے شہسوار کے ساتھ بھڑ جانے پر تعجب کرتا اور اس کنجوس کی مانند جو سخی لوگوں کی سخاوت پر تعجب کرتا ہے، جس کا حال یہ ہے، اس کے تعجب کرنے سے کون سا نقصان ہے؟ کیا اس کا تعجب اس کی بہت زیادہ جہالت اور اس کے ظلم کی دلیل نہیں؟ (ii) یا ان کا تعجب اس لحاظ سے ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی غلطی کو جانتے ہیں، تب یہ سب بڑا اور بدترین ظلم ہے۔ (تفسیر سعدی:2600,2599/3)

سوال 2: کافروں کو کس بات پر تعجب ہوا؟

جواب: کافروں کو تعجب اس بات پر ہوا کہ اُن ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا۔

سوال 3: کافروں نے کس کے بارے میں یہ بات کہی تھی کہ یہ عجیب چیز ہے؟

جواب: کافروں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر تعجب کا اظہار کیا تھا حالانکہ یہ قابلِ تعجب بات نہیں ہے۔

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾

''کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے؟ یہ واپسی بہت دور ہے'' (3)

سوال 1: ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے؟ یہ واپسی بہت دور ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) انہوں نے موت کے بعد کی زندگی کو ناممکن سمجھا ہے اور کہا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا دوبارہ پیدا کیے جائیں گے یہ واپسی تو بعید از مکان ہے۔

(2) انہوں نے اس ہستی کی قدرت کو، جو ہر چیز پر قادر اور ہر لحاظ سے کامل ہے، محتاج بندے کی قدرت پر قیاس کیا ہے جو ہر لحاظ سے عاجز ہے اور جاہل کو، جسے کسی چیز کا علم نہیں، اس ہستی پر قیاس کیا ہے جو ہر چیز کا علم رکھتی ہے اور برزخ میں قیام کی مدت کے دوران زمین ان کے اجساد میں کمی کرتی ہے وہ اسے بھی جانتی ہے (تفسیر سعدی:2600/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اِعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

(4)﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور کیا بھلا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اُن کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' (الاحقاف:33)

(5) سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''(پہلے لوگوں میں سے) ایک شخص مرنے لگا تو جب اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا تو اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو بہت ساری لکڑیاں اکٹھی کرنا، پھر آگ سلگانا (مجھے اس میں ڈال دینا) جب آگ میرا گوشت کھا کر ہڈی تک پہنچ جائے اور ہڈی بھی جل کر کوئلہ ہو جائے تو ہڈیاں لے کر خوب پیسنا پھر جس دن زور کی ہوا چلے دیکھتے رہنا، اس دن وہ راکھ دریا میں اڑا دینا (کچھ ہوا میں پھیل جائے اور کچھ سمندر میں) اس کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا سارا بدن اکٹھا کر لیا اور اس سے فرمایا: ''تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ پروردگار تیرے ڈر سے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔'' (بخاری:3452)

سوال 2: کافروں کو کیا بات بعید از عقل لگی؟

جواب: کافروں کو جی اُٹھنا عجیب لگا۔ اس لئے کہ اُن کا خیال یہ تھا کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے، پھر ہمارا وجود تو ختم ہو جائے گا۔ وجود کے خاتمے کے بعد واپسی کیسے ممکن ہے؟

﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾

''بلاشبہ ہمیں معلوم ہے جتنا زمین اُن میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے'' (4)

سوال 1: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ ''بلاشبہ ہمیں معلوم ہے جتنا زمین اُن میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ﴾ ''بلاشبہ ہمیں معلوم ہے جتنا زمین اُن میں سے گھٹاتی ہے'' یعنی ہمیں علم ہے کہ زمین میں ان کے جسموں کے ذرات کہاں کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟

(2)﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ﴾ ''اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے'' یعنی ہمارے پاس تقدیر کی کتاب ہے جس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے اور ہمارا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔

(3) یعنی زمین کا کھایا ہوا ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ زمین ان کے چمڑے، گوشت ہڈیاں اور بال کھا جاتی ہے پھر ان کے جسموں کے ذرات کہاں بکھر جاتے ہیں اور کس حال میں ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو اس کی محافظ ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں درج کر رکھا ہے یعنی جو کچھ ان کی زندگی اور موت میں ان کے ساتھ وقوع پذیر ہوگا، اس کے بارے میں یہ کتاب ہر قسم کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کامل اور وسیع علم کے ذریعے سے، جس کا اس کے سوا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، اس کی مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال ہے۔ (تفسیر سعدی:2600/3)

سوال 2: زمین جسموں میں سے کیا گھٹاتی ہے؟

جواب: زمین جسموں میں سے گوشت، ہڈیاں، بال وغیرہ بوسیدہ کر کے گھٹا دیتی ہے یعنی اسے کھا کر ختم کر دیتی ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے لئے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کر دینا کیوں مشکل نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے لئے انسان کے اجزاء کو جمع کرنا اس لیے مشکل نہیں کہ انسان کا جسم ختم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ پھر اس کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ دوبارہ ان اجزاء کو اکٹھا کرنا اُس کے لئے مشکل کام نہیں۔

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾

''بلکہ اُنہوں نے سچی بات کو جھٹلایا جب کہ وہ اُن کے پاس آئی چنانچہ وہ ایک الجھے ہوئے معاملے میں ہیں'' (5)

سوال 1: ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ ''بلکہ اُنہوں نے سچی بات کو جھٹلایا جب کہ وہ اُن کے پاس آئی چنانچہ وہ ایک الجھے ہوئے معاملے میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ ''بلکہ اُنہوں نے سچی بات کو جھٹلایا جب کہ وہ اُن کے پاس آئی'' یعنی مشرکوں نے حق کو جھٹلایا اور اس کے بعد کہ ان کے پاس سب سے بڑی سچائی آ گئی انہوں نے اسے نہیں مانا۔

(2) ﴿فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ﴾ ''چنانچہ وہ ایک الجھے ہوئے معاملے میں ہیں'' ﴿مَّرِيْجٍ﴾ یعنی مختلف منکر، مضطرب، اور خلط ملط۔

(3) یعنی وہ ایک مختلف اور مشتبہ معاملے میں پڑے ہوئے ہیں، کسی چیز پر انہیں ثبات حاصل ہے نہ قرار۔ کبھی تو آپ کے بارے میں الزام تراشی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''تو جادوگر ہے'' کبھی کہتے ہیں: ''تو پاگل ہے'' اور کبھی کہتے ہیں: ''تو شاعر ہے'' اسی طرح انہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ہر کسی نے اپنی فاسد رائے کے تقاضے کے مطابق اس میں کلام کیا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جس نے حق کی تکذیب کی، وہ مشتبہ معاملے میں پڑا ہوا ہے، اسے کوئی راہ سجھائی دیتی ہے نہ قرار آتا ہے، اس لئے تو ان کے معاملات کو باہم متناقض اور افک وبہتان پر مبنی پائے گا۔ جو کوئی حق کی اتباع اور اس کی تصدیق کرتا ہے، اس کا معاملہ درست اور اعتدال کی راہ پر ہوتا ہے، اس کا فعل

اس کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:2600/3)

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ (٨) يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (٩)﴾ ''بلاشبہ تم یقیناً مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو۔ اس (قیامت) سے وہی بہکایا جاتا ہے جو پہلے ہی بہکا دیا گیا۔'' (الذاریات:9,8)

(5) قرآن کی اتباع سے وہی رکتا ہے جس کو بھلائی سے موڑ دیا گیا ہو۔(مختصر ابن کثیر:1919/2)

سوال 2: حق سے کیا مراد ہے؟

جواب: حق سے مراد قرآنِ مجید، اسلام یا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ہے۔

﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾

''تو کیا اُنہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا؟ اور ہم نے اُسے زینت دی؟ اور اُس کے لیے کوئی شگاف نہیں ہے'' (6)

سوال 1: ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ ''تو کیا اُنہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا؟ اور ہم نے اُسے زینت دی؟ اور اُس کے لیے کوئی شگاف نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا﴾ ''تو کیا اُنہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا'' یعنی جن لوگوں کو موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں آتا، جنہیں رسول کے آنے پر تعجب ہے اور بعث کو محال سمجھ رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس سے زیادہ بڑے نشان یعنی اپنے سروں پر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کیسے بنایا یعنی اس کی بناوٹ پر غور کرو کہ گول اور ہموار ہے، جو اپنے کناروں پر برابر اور مضبوط ہے۔

(2) ﴿وَزَيَّنّٰهَا﴾ ''اور ہم نے اُسے زینت دی'' اور ہم نے کیسے اسے تاروں سے زینت دی ہے۔ وہ تارے جو چلتے اور غائب ہو جاتے ہیں جو جگہ جگہ روشن نظر آتے ہیں۔

(3) ﴿وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ ''اور اُس کے لیے کوئی شگاف نہیں ہے'' یعنی آسمان میں نہ کوئی شگاف ہے اور نہ دراڑ۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (٣) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (٤) وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (٥)﴾ ''وہ ذات جس نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے تم رحمان کی تخلیق

میں کوئی کمی بیشی نہ دیکھو گے، پھر تم نگاہ لوٹاؤ! کیا تم کوئی شگاف دیکھتے ہو؟ پھر بار بار نگاہ لوٹاؤ! نگاہ تمہاری طرف نامراد ہو کر اس حال میں کہ وہ تھکی ہوئی ہوگی پلٹ آئے گی۔ اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے سجایا ہے اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے اور ہم نے اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (الملک:3-5)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کیسا بنایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بنایا ہے۔ اس کے لئے کوئی سہارا نہیں ہے۔

﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيجٍ﴾

''اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں گڑے ہوئے پہاڑ رکھے اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیز اُگا دی'' (7)

سوال 1: ﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيجٍ﴾ ''اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں گڑے ہوئے پہاڑ رکھے اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیز اُگا دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ ''اور زمین کو ہم نے پھیلایا'' یعنی زمین کی طرف دیکھیں کیسے ہم نے اسے کھینچ کر پھیلا دیا، وہ کتنی کشادہ ہے۔ ہر جاندار کے لیے اس کے مصالح زمین میں موجود ہیں۔ کیسے رب العزت نے زمین کو سکون اور قرار کی جگہ بنا دیا۔

(2) ﴿وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ﴾ ''اور اس میں گڑے ہوئے پہاڑ رکھے'' یعنی زمین میں جگہ جگہ پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔ اس میں ایسے پہاڑ ہیں جس کی وجہ سے زمین ٹھہری رہے اور ہلے نہیں۔

(3) ﴿وَأَنْۢبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيجٍ﴾ ''اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیز اُگا دی'' یعنی زمین پر انسانوں اور جانوروں کے فائدے کے لیے مختلف طرح کی کھیتیاں اگائیں قسم قسم کے پھل اور نباتات پیدا کر دیں۔

(4) ﴿بَهِيجٍ﴾ سے مراد خوب صورت، خوش نما، خوش منظر اور رونق دار۔ (سراج المنیر:1920/2)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو'' (الذاریات:49)

سوال 2: آسمان اور زمین کا مشاہدہ کرنے سے انسان کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

جواب: آسمان اور زمین کے مشاہدے اور بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھنے سے (1) انسان کے اندر بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

(2) اس کی سمجھ روشن ہوتی ہے۔ (3) اور وہ نصیحت ماننے کو تیار رہتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:1920/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی بڑی بڑی نشانیاں بصیرت اور نصیحت قبول کرنے کے لیے بنائیں ان نشانیوں سے کوئی کون

فائدہ اُٹھا سکتا ہے؟

جواب: (1) نشانیوں سے وہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ جو اللہ کی حد سے آگے نہ گزرے۔

(2) جس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والا ہے عاجزی اور بے بسی کا اظہار کرنے والا ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 1926/2)

سوال 4: زمین کا بچھانا، پہاڑوں کا جمانا اور خوش منظر نباتات کا اُگانا کس مقصد کے لیے ہے؟

جواب: سب کچھ بصیرت کے لیے ہے، یاددہانی کے لیے ہے، رب کو پہچاننے اور اُس کی طرف لوٹ جانے کے شعور کو پانے کے لیے ہے۔

﴿تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾

''دکھانے اور یاد دلانے کے لیے ہر اس بندے کو جو رجوع کرنے والا ہے'' (8)

سوال 1: ﴿تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ ''دکھانے اور یاد دلانے کے لیے ہر اس بندے کو جو رجوع کرنے والا ہے۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَبْصِرَةً﴾ ''دکھانے'' یعنی جس کے ذریعے بندہ جہالت کے اندھے پن میں بصیرت حاصل کرتا ہے۔ (سعدی: 2600/3)

(2) ﴿وَّذِكْرٰى﴾ ''اور یاد دلانے کے لیے'' یعنی جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی چیزوں سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔ وہ نصیحت جو دین میں فائدہ دیتی ہے۔

(3) ﴿لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ ''ہر اس بندے کو جو رجوع کرنے والا ہے'' یعنی نصیحت اس کے لیے مفید ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف، محبت، خوف اور رجا کے ساتھ توجہ کرنے والا ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی ہر آواز پر لبیک کہنے والا ہو۔

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾

''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا پھر اُس کے ذریعے باغات اور کاٹی جانے والی فصل کے دانے اُگا دیے'' (9)

سوال 1: ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾ ''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا پھر اُس کے ذریعے باغات اور کاٹی جانے والی فصل کے دانے اُگا دیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا﴾ ''اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا'' یعنی رب العزت نے آسمان سے کثیر، نفع بخش اور برکت والا پانی اتارا۔ (2) یہی پانی ہے جس کے نتیجے میں زمین پر دریا بہتے ہیں۔

(3) ﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ﴾ ''پھر اُس کے ذریعے باغات اور کاٹی جانے والی فصل کے دانے اُگا دیے'' اس پانی سے ہرے بھرے باغات، لہلہاتے کھیت اور کھجوروں کے لمبے لمبے درخت پیدا کیے۔

(4) اس پانی میں زندگی کا راز ہے۔اسی کے ذریعے باغات اور کٹنے والی کھیتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیار ہوتی ہیں۔اسی کے ذریعے کھجوروں کے درخت اور ان کے پختہ پھلوں کو پیدا کیا جاتا ہے۔پانی جس کا کوئی رنگ نہیں اُس سے کتنے رنگ جنم لیتے ہیں، پانی جس کی کوئی بونہیں اس سے کتنی خوشبوئیں جنم لیتی ہیں اور پانی جس کا کوئی ذائقہ نہیں اس سے کتنے ذائقے جنم لیتے ہیں۔یقیناً پانی مبارک ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے برکت والا بنایا ہے۔(5) رب العزت اس پانی کے ذریعے کھیتی کا اناج ہم تک پہنچاتے ہیں۔

سوال 2: کٹنے والی کھیتیوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد گندم، چاول، دالیں، مکی وغیرہ ہے۔

﴿وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ﴾

''اور بلند و بالا کھجوروں کے درخت جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہیں'' (10)

سوال: ﴿وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ﴾ ''اور بلند و بالا کھجوروں کے درخت جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ﴾ ''اور بلند و بالا کھجوروں کے درخت جن کے شگوفے تہ بہ تہ ہیں'' ﴿طَلْعٌ﴾ کھجور کے اس گدرے گدرے پھل کو کہتے ہیں جو پہلے پہل لگتا ہے۔(i) یہ تذکرہ عرب میں کھجور کی خاص اہمیت کی وجہ سے کیا گیا۔(ii) یہ تذکرہ مبارک پانی کی وجہ سے آنے والی تبدیلیوں پر غور و فکر کرنے کے لیے کیا گیا۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے کھجور کے بلند و بالا درخت پیدا کیے جن میں طرح طرح کی کھجوریں اور تہہ بہ تہہ خوشے لگتے ہیں۔

﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾

''جو بندوں کے لیے رزق ہے اور اس کے ذریعے ہم نے ایک مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح (زمین سے) نکلنا ہوگا'' (11)

سوال: ﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴾ ''جو بندوں کے لیے رزق ہے اور اس کے ذریعے ہم نے ایک مردہ زمین کو زندہ کر دیا، اسی طرح (زمین سے) نکلنا ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ ''جو بندوں کے لیے رزق ہے'' یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین اگاتی ہے اس میں بندوں کی روزیاں ہیں۔خواہ وہ مومن ہوں یا کافر مومن کھا کر شکر ادا کرتا ہے۔اور کافر کھا کر ناشکری اور دینے والے ہی کا انکار کر دیتا ہے۔

(2) ﴿وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا﴾ ''اور اس کے ذریعے ہم نے ایک مردہ زمین کو زندہ کر دیا'' یعنی اس پانی کے ذریعے سے ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔پھر سے اس طرح طرح کی خوش نما بوٹیاں اگتی ہیں، رنگ رنگ کے پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔

(3)﴿ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴾ ''اسی طرح (زمین سے) نکلنا ہوگا'' یعنی جس طرح ہم مردہ زمین کے پانی سے نباتات اگاتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن تمہیں تمہاری قبروں سے نکالیں گے۔ آسمان سے بارش آئے گی پھر تم بھی زمین سے ایسے ہی اگو گے جیسے سبزی اگتی ہے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بلاشبہ آپ زمین کو بنجر دیکھتے ہیں پھر جب ہم اُس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ لہلہاتی اور پھولتی ہے، بے شک جس نے اُس کو زندہ کیا، یقیناً وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' (حم السجدہ:39)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔ (اتنی مدت گزرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا، جس سے لوگوں کے جسم اس طرح (زمین سے) اگ پڑیں گے جس طرح سبزی اگتی ہے۔'' (مسلم:2955)

(6) سیدنا ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا نشانی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کبھی ایسی وادی سے نہیں گزرے جو قحط سالی کی وجہ سے بنجر بنا دی گئی ہو؟'' کہتے ہیں کہ میں نے کہا، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تو وہاں سے دوبارہ گزرا ہو تو وہ سرسبز لہلہا رہی ہو؟'' میں نے کہا کہ کیوں نہیں (ایسا ہی ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور یہی اس کی مخلوق میں نشانی ہے۔'' (مستدرک حاکم:8682)

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴾

''اُن سے پہلے قومِ نوح اور اصحابُ الرّس اور ثمود نے جھٹلایا'' (12)

سوال: ﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴾ ''اُن سے پہلے قومِ نوح اور اصحابُ الرّس اور ثمود نے جھٹلایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اُن سے پہلے قومِ نوح اور اصحابُ الرّس اور ثمود نے جھٹلایا'' یعنی اے ہمارے رسول آپ کی قوم سے پہلے بھی قومِ نوح، قوم ثمود اور اصحاب الرّس بھی بعث، توحید اور نبوت کو جھٹلایا۔

(2) امام ابن جریر کی تحقیق کے مطابق اصحاب الرّس اور اصحاب الاخدود ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ قریش کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو دنیا میں ان سے پہلے ان جیسے جھٹلانے والوں پر آچکے ہیں۔ مثلاً قوم نوح کو ایک عام سیلاب میں ڈبو دیا گیا جو اس وقت آباد زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اسی طرح اصحاب الرّس کو تباہ کر دیا گیا۔ (مختصر ابن کثیر:1921/2)

(4) اس آیت سے آخرت کے امکان پر تاریخی استدلال ہے۔عرب اور اس کے گردوپیش کی قوموں کے تاریخی انجام کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آخرت کا عقیدہ عین حقیقت کے مطابق ہے کیونکہ اس کے منکرین میں ایسا اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا کہ وہ بالآخر و برباد ہو گئے۔
(ترجمان القرآن:407,406/3)

﴿وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ﴾

''اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے'' (13)

سوال:﴿وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ﴾ ''اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے'' یعنی عاد، فرعون اور برادران لوط سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

(2) برادران لوط سے مراد سیدنا لوط علیہ السلام کے امتی ہیں یعنی سدوم والے جنہیں زمین میں دھنسا دیا گیا پھر اس زمین کو ایک سڑا ہوا بدبودار بحیرہ بنا دیا گیا یہ سارا وبال ان کے کفر، سرکشی اور حق کی مخالفت کا تھا۔ (مختصر ابن کثیر:1921/2)

﴿وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ﴾

''اور اہل ایکہ اور قوم تبع نے، ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید سچ ثابت ہوئی'' (14)

سوال:﴿وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ﴾ ''اور اہل ایکہ اور قوم تبع نے، ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید سچ ثابت ہوئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ ''اور اہل ایکہ'' اصحاب الایکہ سے مراد سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو جنگل میں رہتی تھی۔

(2)﴿وَقَوْمُ تُبَّعٍ﴾ ''اور قوم تبع نے'' تبع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جیسے مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔قوم تبع سے مراد قوم سبا ہے۔(3)﴿كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ﴾ ''ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید سچ ثابت ہوئی'' سب قوموں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث کیا تھا۔

(4) سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم اصحاب الایکہ اور تبع والوں کو رب العزت نے تباہ کر دیا۔

(5) یہ سارا وبال ان کے کفر، سرکشی اور حق کی مخالفت کا تھا۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی وعید اور اس کی سزا واجب ہو گئی۔

(6) محمد ﷺ کو جھٹلانے والوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم گزرے ہوئے لوگوں سے بہتر نہیں ہو۔اس لیے جھٹلانے کے جرم سے بچو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے جو گزرے ہوئے لوگوں پر نازل ہوا تھا۔

﴿اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾

''تو کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے تھک گئے ہیں؟ بلکہ وہ ایک نئی تخلیق سے شک میں ہیں'' (15)

سوال: ﴿اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ ''تو کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے تھک گئے ہیں؟ بلکہ وہ ایک نئی تخلیق سے شک میں ہیں'' اللہ تعالیٰ کے لیے دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ﴾ ''تو کیا ہم پہلی بار کی تخلیق سے تھک گئے ہیں'' اللہ رب العزت نے پہلی پیدائش کے ذریعے آخرت کی تخلیق پر عقلی استدلال کیا ہے۔ جس طرح تمہارا رب عدم سے وجود میں لاتا ہے اسی طرح موت کے بعد وہ دوبارہ زندگی عطا کرے گا۔

(2) اللہ تعالیٰ کو نہ پہلی تخلیق نے تھکایا ہے نہ کوئی کام اسے تھکا سکتا ہے دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار کی پیدائش سے زیادہ آسان ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اِعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' (الروم:27)

(4) ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور کیا بھلا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو اُن کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (الاحقاف:33)

(5) ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے یقیناً چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔'' (قٓ:38)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہیں تھا۔ مجھے اس نے گالی دی۔ حالانکہ اس کے لیے یہ بھی مناسب نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اس کو دوبارہ نہیں پیدا کروں گا حالانکہ میرے لیے دوبارہ پیدا کرنا اس کے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں نہ میرے کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔ (بخاری:4974)

(7) ﴿بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ ''بلکہ وہ ایک نئی تخلیق سے شک میں ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منکر نئی تخلیق کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اعادہ ابتداء سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(8) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (۷۸) قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (۷۹)﴾ ''اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن

ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ اُنہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔'' (یٰسین:79,78)

رکوع نمبر 16

﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾

''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں'' (16)

سوال 1: ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے'' یعنی ہم نے مخلوق میں اپنی سنت کے مطابق اپنی قدرت اور علم سے، حکمت کے تقاضے کے مطابق انسان کو تخلیق کیا اور اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ (ایسر التفاسیر:1514)

(2) اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے اختیار اور قدرت کی خبر دی ہے کہ وہ انسان کا خالق ہے۔

(3) ﴿وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ﴾ ''اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم انسان کے دلی خیالات اور رجحانات کو، رازوں، ارادوں اور اس کی تمام باتوں کو جانتے ہیں۔

(4) انسان کے نفس میں کیا خیالات آتے ہیں اس کا نفس اسے کیسے وسوسوں میں مبتلا کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان سارے حالات کو جانتا ہے۔

(5) ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ مسجد نبوی میں آپ ﷺ سے ملنے آئی جبکہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے جب میں واپس آنے لگی تو آپ ﷺ میرے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ مجھے گھر پہنچائیں جب ہم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کے قریب پہنچے تو دو انصاری مرد سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمار بن بشر رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور آگے نکل گئے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ''ذرا ٹھہر جاؤ، یہ عورت میری بیوی ہے'' انہوں نے کہا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کا یہ وضاحت فرمانا انہیں شاق گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان خون کی طرح آدمی کے بدن کی ہر رگ میں پہنچتا ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔'' (بخاری:3101)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل میں آنے والے خیالات سے درگزر فرمالیا ہے، جب تک کہ وہ زبان سے وہ بات نہ نکالیں یا اس پر عمل نہ کریں۔'' (بخاری:2528)

(7) ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ''اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں'' یعنی جو انسان کے سب سے قریب والی رگ ہے (تفسیر سعدی: 2604/3)

(8) ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

(9) رب العزت نے مرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور ہم تم سے زیادہ اُس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔'' (الواقعہ:85)

سوال 2: ''ہم نے انسان کو پیدا کیا'' اس سے کیا بتانا مقصود ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے، اس کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔

سوال 3: وسوسہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: وسوسہ دل میں گزرنے والے خیال کو کہتے ہیں جس کا علم انسان کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہوتا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے وسوسے کے بارے میں کیا واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ ان وسوسوں کو جانتا ہے۔

سوال 5: وسوسوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے دل میں گزرنے والے خیالات کو معاف کر دیا ہے (صحیح بخاری) یعنی وہ ان پر گرفت نہیں کرے گا جب تک کہ وہ زبان سے اس کا اظہار نہ کریں یا عمل نہ کریں۔

سوال 6: ﴿وَرِيْدِ﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ورید رگ جان کو یا شہ رگ کو کہتے ہیں جو حلق کے ایک کنارے سے انسان کے کندھے تک ہوتی ہے۔

سوال 7: ﴿وَرِيْدِ﴾ کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: ورید کے کٹنے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

سوال 8: ''ہم اُس کی رگ جان سے بھی قریب ہیں'' اس قربت سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس قربت سے مراد علمی قربت ہے یعنی اللہ تعالیٰ علم کے لحاظ سے انسان کے اتنے قریب ہیں کہ اُس کے نفس، اُس کے دل کی

باتوں کو بھی جانتے ہیں۔

(2)امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم انسان کے حالات کو فرشتوں کے ریکارڈ کے بغیر بھی جانتے ہیں۔فرشتے تو صرف حجت تمام کرنے کے لئے مقرر کیے گئے ہیں۔

سوال9:﴿نَحۡنُ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے ہیں جو انسان کے دائیں بائیں ہر وقت موجود رہتے ہیں، جو انسان کی ساری باتیں نوٹ کرتے رہتے ہیں۔

﴿اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ﴾

''جب کہ دو ضبط کرنے والے اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کرتے رہتے ہیں''(17)

سوال1:﴿اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ﴾ ''جب کہ دو ضبط کرنے والے اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کرتے رہتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ﴾ ''جب کہ دو ضبط کرنے والے'' دو لینے والوں سے مراد وہ دو فرشتے ہیں جو انسان کا نامہ اعمال لکھتے ہیں یعنی کراماً کاتبین ایک دائیں کندھے پر اور ایک بائیں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور انسان کی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل لکھا جا رہا ہے ہر ایک دائیں جانب کا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں جانب کا برائیاں لکھتا ہے اور ان میں سے ہر ایک مستعد ہے۔

(2)انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ کراماً کاتبین کی عزت کریں اور ہر ایسے قول اور فعل سے بچیں جس سے رب العالمین ناراض ہوں اور فرشتے اسے لکھ لیں۔

سوال2:﴿یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد دو اخذ کرنے والے اور لکھنے والے فرشتے ہیں۔

(2)اس سے مراد رات اور دن کے فرشتے ہیں۔رات کے دو فرشتے الگ اور دن کے دو فرشتے الگ ہیں۔

سوال3: دائیں بائیں کے فرشتے کیا لکھتے ہیں؟

جواب: انسان کے اچھے اعمال دائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور بُرے اعمال بائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے۔

﴿مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾

''کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے''(18)

سوال 1: ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ ''کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ﴾ ''کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا'' یعنی انسان کی زبان سے ادھر خیر یا شر کا کوئی لفظ نکلا۔

(2) ﴿اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ ''مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے'' یعنی ادھر نگران فرشتے موجود ہوتے ہیں جو اسی کام پر مقرر ہیں کچھ بھی لکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (۱۰) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (۱۱) يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (۱۲)﴾ ''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں معزز لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو'' (الانفطار: 10-12)

(4) اللہ تعالیٰ کے فرشتے کسی قول اور فعل کو لکھے بغیر نہیں چھوڑتے۔ انسان کو خبر تک نہیں ہوتی اور اس کی زندگی کے لمحے لمحے کو ریکارڈ کر لیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن اس کا ریکارڈ سامنے لا کر رکھ دیا جائے گا۔

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کی ہر بات لکھتا ہے حتیٰ کہ اس کا یہ کہنا بھی میں نے کھانا کھایا میں نے پانی پیا وغیرہ پھر جمعرات کے روز اپنا لکھا ہوا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے اور پھر اپنی باتوں کو باقی رکھتا ہے جن کا تعلق عقاب یا ثواب سے ہوتا ہے اور دوسری باتوں کو مٹا دیتا ہے یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ''کہ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس امت کے دل میں آنے والے خیال معاف کر دے جب تک انہیں منہ سے نہ نکالے یا ان پر عمل نہ کرے۔ (شوکانی، اشرف الحواشی: 619/1)

(6) مسند احمد میں ہے انسان ایک کلمہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کہہ گزرتا ہے جسے وہ کوئی بڑا اجر کا کلمہ نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اپنی رضامندی اس کے لیے قیامت تک کی لکھ دیتا ہے اور کوئی برائی کا کلمہ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اسی طرح بے پرواہی سے کہہ گزرتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اس پر اپنی ملاقات کے دن تک کی لکھ دیتا ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے اے ابن آدم تیرے لیے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو بزرگ فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں، ایک ایک تیرے داہنے دوسرا بائیں۔ دائیں طرف والا تو نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو دیکھتا رہتا ہے اب تو جو چاہے عمل کی کمی کر یا زیادتی کر جب تو مرے گا تو یہ دفتر لپیٹ دیا جائے گا اور تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو یہ تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ ''انسان کی شامت اعمال کی تفصیل ہم نے اس کے گلے لگا دی ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے سامنے نامہ اعمال کی ایک کتاب پھینک دیں گے جسے وہ کھلی ہوئی پائے گا۔ پھر اس سے کہیں گے کہ اپنی کتاب پڑھ لے آج

توخود ہی اپنا حساب لینے کو کافی ہے۔'' پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم اس نے بڑا ہی عدل کیا جس نے خود تجھے ہی تیرا محاسب بنادیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو کچھ تو بھلا برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے وہ سب لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا یہ کہنا بھی کہ میں نے کھایا، میں نے پیا، میں گیا، میں آیا، میں نے دیکھا۔ پھر جمعرات والے دن اس کے اقوال وافعال پیش کئے جاتے ہیں، خیر وشر باقی رکھ لی جاتی ہے اور سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:169/5)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے۔ (بخاری:6018)

(8) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان کی چیز زبان کی اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز شرمگاہ کی ضمانت دے دے تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔'' (بخاری:6474)

(9) سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جو کچھ کہتے ہیں کیا اس پر بھی ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''تمھاری ماں تمہیں گم پائے، زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی کے علاوہ بھلا اور کون سی چیز لوگوں کو نتھنوں کے بل آگ میں گرائے گی؟'' (ترمذی:2616)

سوال 2: کیا انسان کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ محفوظ ہوتا ہے؟

جواب: (1) پہلی بات تو یہ ہے کہ دو محافظ یا نگران انسان کے قول یا عمل کا انتظار کرتے ہیں، ہر وقت حاضر رہتے ہیں اور ریکارڈ بناتے ہیں۔

(2) سیدنا بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان ایک لفظ بولتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ہوتا ہے۔ اُسے یہ یقین نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک کے لئے اپنی رضامندی لکھ دیتا ہے اور دوسرا انسان ایک لفظ بولتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک اپنی ناراضگی لکھ دیتا ہے۔ علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کتنی ہی باتیں ہیں جن کے کہنے سے میں حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے رُک گیا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾

''اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا'' (19)

سوال 1: ﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ ''اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَآءَتْ﴾ ''اور آ پہنچی'' یعنی آج تو شک ہے موت آئے گی تو یقین آئے گا۔

(2) ﴿سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ﴾ ''اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی'' یعنی کتنی ہی طویل عمر ہو موت تو آ کر ہی رہے گی اس کا آنا حق

ہے اس وقت کہا جائے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پانی کا ایک پیالہ تھا، جب آپ ﷺ پر موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اس پیالے میں داخل کر کے بھگوتے اور پھر اپنے چہرے پر ان گیلے ہاتھوں کو پھیرتے جاتے اور فرماتے جاتے: ''لا الہ الا اللہ'' موت کی بڑی سختیاں ہیں۔ (بخاری:4449)

(3) ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ ''یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا'' یعنی یہی تو ہے جس سے تم بھاگتے تھے آج نہ تم بھاگ سکتے ہو نہ چھپ سکتے ہو۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں بلاشبہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو تو یقیناً وہ تم سے ملنے والی ہے پھر تم اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے تو وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے'' (الجمعۃ:8)

(5) ﴿قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ فرار تمہیں ہرگز فائدہ نہیں دے گا۔ اور تب تمہیں بہت ہی تھوڑا فائدہ پہنچایا جائے گا۔'' (الاحزاب:16)

(6) طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس بھاگنے لگی۔ بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہوگئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی۔ زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا میرا قرض دے تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال برا ہو رہا تھا آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مرگئی۔ الغرض جس طرح اس لومڑی کے لیے زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کے لیے موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:170/5)

سوال 2: موت کیسی حقیقت ہے؟

جواب: (1) موت ایسی حقیقت ہے جس سے ساری مخلوقات ڈرتی ہیں۔

(2) موت کا تصور ساری مخلوقات عام طور پر ذہن سے دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ (3) موت انسان کے لحہ بہ لحہ قریب آرہی ہے۔

سوال 3: سکراتِ موت کسے کہتے ہیں؟

جواب: موت کے وقت کی مدہوشی اور جان نکلنے کی حالت کو سکراتِ موت کہتے ہیں۔

سوال 4: ''موت کی سختی حق کے ساتھ آپہنچی'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے کہ موت کے وقت آخرت کا جہان نظر آنے لگتا ہے۔ سارے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ حق واضح ہو جاتا ہے۔ وعدوں کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے لیکن وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ وہ وعدے ظاہر ہو جاتے ہیں جو جنت و دوزخ کے بارے میں انبیاء علیہم السلام

کرتے رہے ہیں۔(2)اس سے مراد موت کی بے ہوشیاں بھی ہیں۔

سوال5:انسان کا موت کے بارے میں کیا ردِّعمل ہوتا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے انسان کے ردِّعمل کو ظاہر کیا ہے کہ انسان موت سے بِدکتا اور بھاگتا ہے لیکن بھاگتے بھاگتے بھی موت آلیتی ہے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾

''اور صور میں پھونک دیا جائے گا، یہ وعدہ عذاب کے دن ہوگا''(20)

سوال1:﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾''اور صور میں پھونک دیا جائے گا، یہ وعدہ عذاب کے دن ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾''اور صور میں پھونک دیا جائے گا'' قیامت کے قریب صور پھونکا جائے گا۔

(2)سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دیہاتی نے سوال کیا''یارسول اللہ ﷺ!صور کیا ہے'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا''یہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی''۔(ترمذی:3244)

(3)سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کیونکر آرام کروں حالانکہ نرسنگے والا نرسنگا منہ میں لیے ہوئے ہے یعنی صور اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہے اور کان لگائے ہوئے پھونکنے کے حکم کا منتظر ہے کہ فوراً پھونک دے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''کہو ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا وکیل ہے۔ہم نے اللہ پر توکل کیا اور وہ ہمارا پروردگار ہے اور کبھی آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا ہم نے۔(ترمذی:3243)

(4)﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ﴾''یہ وعدہ عذاب کے دن ہوگا'' یعنی یہ وہ دن ہے جب کافروں کو عذاب دیا جائے گا۔

(5)﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (٦٨) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (٦٩) وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (٧٠)﴾''اور صور میں پھونکا جائے گا۔پھر وہ سب بے ہوش ہوکر گر جائے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس میں دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے اور زمین اپنے ربّ کے نور سے چمک اُٹھے گی۔اور کتاب رکھ دی جائے گی۔اور انبیاء اور گواہوں کو لایا جائے گا۔اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا۔اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔اور ہر شخص کو پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا اور وہ اُس کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں''(الزمر:68-70)

سوال 2: صور پھونکنے والا دن کیسا ہوگا؟

جواب: صور پھونکنے والا دن ڈرانے کا ہوگا۔

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾

"اور ہر شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا" (21)

سوال 1: ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ "اور ہر شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ﴾ "اور ہر شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا" سَآئِقٌ سے وہ فرشتہ مراد ہے جو انسان کو گھیر کر حشر کے میدان میں لائے گا کوئی اس سے بچ کر نہیں رہ سکے گا۔

(2) ﴿وَّشَهِيْدٌ﴾ "اور ایک گواہی دینے والا ہوگا" شہید سے اس کے اعمال پر گواہ فرشتہ مراد ہے جو اس کے اچھے برے اعمال پر گواہ ہوگا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی طرف اعتناء اور اس کی طرف سے ان کے اعمال کی حفاظت اور نہایت عدل و انصاف سے اس کو جزا و سزا دینے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ اس کا اہتمام کرے۔ (سعدی: 2605/3)

سوال 2: یہاں ہر شخص کے ﴿سَآئِقٌ اور شَهِيْدٌ﴾ کے ساتھ آنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک انسان کو حشر تک ہانکنے والا اور دوسرا گواہی دینے والا ہے۔

﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾

"بلاشبہ یقیناً اُس سے تو غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے تو تیری نگاہ آج خوب تیز ہے" (22)

سوال 1: ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ "بلاشبہ یقیناً اُس سے تو غفلت میں تھا سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے تو تیری نگاہ آج خوب تیز ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ "بلاشبہ یقیناً اُس سے تو غفلت میں تھا" یہ خطاب کافر سے بھی ہے اور ہر نیک و بد سے بھی ہے۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت ایسی ہے جیسے خواب کے مقابلے میں بیداری۔

(2) یعنی تم دنیا میں آخرت کی طرف سے غافل تھے۔

(3) ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ﴾ "سو ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ ہٹا دیا ہے" یعنی جس پردے نے تیرے دل کو ڈھانپ رکھا تھا آج وہ ہٹا دیا گیا۔

(4)﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ ''تو تیری نگاہ آج خوب تیز ہے'' آج تمہاری نگاہ اتنی تیز ہے کہ تم دنیا میں جو کفر کرتے تھے اسے دیکھتے ہو اور مختلف قسم کے عذابوں کو دیکھ کر تم گھبرا رہے ہو اور یاد کر رہے ہو کہ دنیا میں کون کون سے فرائض سے غفلت برتی تھی۔

(5) رب العزت نے فرمایا ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''وہ خوب سنتے اور خوب دیکھتے ہوں گے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور آپ اُن لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیں جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔'' (مریم:38-39)

(6) ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے ربّ کے پاس سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اے ہمارے ربّ! ہم نے دیکھ لیا ہے اور ہم نے سن لیا ہے چنانچہ ہمیں لوٹا تاکہ ہم نیک عمل کریں یقیناً ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' (السجدۃ:12)

سوال 2: انسان کس چیز سے غفلت میں ہوتا ہے؟

جواب: (1) انسان فرشتوں کے ریکارڈ بنانے سے غفلت میں ہوتا ہے۔

(2) موت کی طرف سے غافل ہوتا ہے۔ (3) حساب کتاب کی طرف سے غافل ہوتا ہے۔

سوال 3: ''آج تیری نظر بڑی تیز ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ یہ نظر تو پردوں کے پار تک دیکھ رہی ہے۔

﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾

''اور اُس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا ''یہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا۔'' (23)

سوال 1: ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ ''اور اُس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا: ''یہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا۔'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ ''اور اُس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا'' یعنی جس فرشتے کو جھٹلانے والے کافر پر مقرر کیا گیا تھا، قیامت کے دن وہ اس کے اعمال کی گواہی دے گا اور کہے گا۔

(2) ﴿هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ﴾ ''یہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا'' یعنی جس کام پر مجھے مقرر کیا گیا تھا وہ سب کچھ میں نے پیش کر دیا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے اب اسے اس کے اعمال کی جزا دی جائے۔

سوال 2: فرشتہ انسان سے کیا کہے گا؟

جواب: فرشتہ انسان سے کہے گا کہ یہ تمہارا سارا ریکارڈ ہے جو میرے پاس تھا۔

﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ﴾

''تم دونوں جہنم میں ڈال دو ہر زبردست ناشکرے کو، بہت عناد رکھنے والے کو'' (24)

سوال 1: ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ ''تم دونوں جہنم میں ڈال دو ہر زبردست ناشکرے کو، بہت عناد رکھنے والے کو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ﴾ ''تم دونوں جہنم میں ڈال دو'' رب العزت ان دونوں کو حکم دیں گے کہ سرکش اور کافر کو جہنم میں ڈال دو۔

(2) ﴿كُلَّ كَفَّارٍ﴾ ''ہر زبردست ناشکرے کو'' سے مراد بڑے کفر والا، کثرت سے کفر اور تکذیب کرنے والا۔

(3) ﴿عَنِيْدٍ﴾ ''بہت عناد رکھنے والے کو'' اس سے مراد حق کا مخالف اور جان بوجھ کر باطل کو حق پر ترجیح دینے والا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1924/2)

سوال 2: جہنم میں لے جانے والی خصوصیات کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ناشکرا پن جو اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف نہیں کرتا۔

(2) عناد سے یہاں مراد حق سے دشمنی رکھنا ہے۔

﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ﴾

''خیر سے بہت روکنے والے، حد سے گزرنے والے، شک کرنے والے کو'' (25)

سوال 1: ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ﴾ ''خیر سے بہت روکنے والے، حد سے گزرنے والے، شک کرنے والے کو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ ''خیر سے بہت روکنے والے'' یعنی خیر کے کاموں کو کثرت سے روکنے والا۔

(2) یعنی وہ مال یا معروف کسی بھی چیز کو قطعاً دوسروں تک نہیں پہنچنے دیتا۔

(3) یعنی حقوق واجبہ ادا نہ کرنے والا، نہ کسی سے حسن سلوک کرنے والا، نہ صلہ رحمی کرنے والا، نہ صدقہ وخیرات کرنے والا۔ (مختصر ابن کثیر 2/1924)

(4) ﴿مُعْتَدٍ﴾ ''حد سے گزرنے والے'' یعنی اسراف کرنے والا اور گفتگو میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پرواہ نہ کرنے والا۔

(5) وہ جو باطل پر خرچ کرتے ہوئے حد سے بڑھ جاتا ہے۔

(6) لوگوں پر ظلم کر کے ان کے حقوق غصب کرنے والا، ان کی عزتوں، جانوں اور مالوں میں انہیں اذیت دینے والا۔ (ایسر التفاسیر: 1515)

(7)﴿مُّرِيْبٍ﴾ ''شک کرنے والے کو''یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید میں شک کرنے والے کے پاس جو بھلائی موجود ہے وہ اسے روکتا ہے، جس میں سے سب سے بڑی بھلائی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان ہے اور وہ اپنے مال اور بدن کے فائدے لوگوں تک پہنچنے سے روکتا ہے۔(تفسیر سعدی:2606/3)

اس میں کوئی ایمان ہے نہ احسان، بلکہ اس کا وصف کفر، عدوان، شک و ریب، بخل اور رحمان کو چھوڑ کر خود ساختہ معبودوں کی عبادت کا ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت میں شک کرنے والا۔

سوال 2: جہنم میں لے جانے والی خصوصیات، ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾، ﴿مُعْتَدٍ﴾ اور ﴿مُّرِيْبٍ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ﴾ سے مراد خیر سے روکنے والا۔ ﴿مُعْتَدٍ﴾ سے مراد ہر معاملے میں حد سے گزرنے والا۔ ﴿مُّرِيْبٍ﴾ سے مراد نہایت درجے کا شکی انسان۔

﴿الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ﴾

''جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا، سوتم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو'' (26)

سوال 1: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ﴾ ''جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا، سوتم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ ''جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کر کے شرک کرنے والا۔

(2) جو دوسروں کو نفع نقصان، زندگی اور موت اور دیگر قوتوں اور اختیارات کا مالک سمجھنے والا۔

(3)﴿فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ﴾ ''سوتم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو'' اس کے دونوں ساتھیوں سے کہا جائے گا اسے سب سے سخت اور برے عذاب میں ڈال دو۔

سوال 2: جہنم میں لے جانے والی خصوصیات کس طرح سے پیدا ہوتی ہیں؟

جواب: انسان جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے میں بڑی خوبیاں تلاش کرنا شروع کر دے تو اُس کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے بنیادی عقیدے کی خرابی کو واضح کیا ہے۔

سوال 3: کون سی چیز اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گی؟

جواب: انسان کا عقیدہ اسے اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا مثلاً عقیدۂ شرک۔

﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾

''اُس کا ساتھی کہے گا: ''اے ہمارے رب! میں نے اُسے سرکش نہیں بنایا بلکہ خود ہی یہ دُور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا'' (27)

سوال 1: ﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''اس کا ساتھی کہے گا: ''اے ہمارے رب! میں نے اُسے سرکش نہیں بنایا بلکہ خود ہی یہ دُور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ﴾ ''اُس کا ساتھی کہے گا'' قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو دنیا میں انسان کو گمراہ کیا کرتا تھا۔ یہ شیطان انسان کو دیکھ کر قیامت کے دن اپنی برأت ظاہر کرے گا (مختصر ابن کثیر: 1924/2) اور اسی کو گمراہی اور گناہ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہے گا۔

(2) ﴿رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ﴾ ''میں نے اُسے سرکش نہیں بنایا'' یعنی اے میرے رب! میرا تو اختیار نہیں تھا میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا یہ خود اپنے اختیار سے گمراہ ہو کر حق سے دور نکل گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ ''اور شیطان کہے گا جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا، سچا وعدہ کیا۔ اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تو میں نے تمہارے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی۔'' (ابراہیم: 22)

(3) شیطان کہے گا میرا کوئی دباؤ تو نہیں تھا۔ بس میں نے پکارا تو اس نے میری مان لی۔ اب مجھے ملامت نہ کرو خود کو ملامت کرو اور میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا۔ (4) ﴿وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''بلکہ خود ہی یہ دُور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔'' یعنی یہ خود ہدایت سے دور شرک اور شر میں مبتلا تھا۔

﴿قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ﴾

''ارشاد ہوگا: ''میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور میں نے تمہاری جانب ڈرانے کا پیغام پہلے بھیجا تھا'' (28)

سوال 1: ﴿قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ﴾ ''ارشاد ہوگا: ''میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور میں نے تمہاری جانب ڈرانے کا پیغام پہلے بھیجا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''ارشاد ہوگا: رب العزت فرمائیں گے۔

(2) ﴿لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ﴾ ''میرے پاس جھگڑا نہ کرو'' میرے پاس نہ جھگڑو کیونکہ آج جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

(3) ﴿وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ﴾ ''اور میں نے تمہاری جانب ڈرانے کا پیغام پہلے بھیجا تھا'' یعنی میں نے تو پہلے ہی رسول اور کتابیں بھیج کر حجت تمام کر دی اور جہنم سے تمہیں متنبہ کر دیا تھا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ یہ بات کس سے کہیں گے کہ میرے حضور جھگڑا نہ کرو؟

جواب: یہ بات اللہ تعالیٰ کافروں اوران کے دوست شیطانوں سے کہیں گے کہ یہاں انصاف کی عدالت میں جھگڑے کی ضرورت نہیں، نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہونے والا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی رسولوں کے توسط سے تنبیہات کردی تھیں۔

﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾

''نہ میرے پاس بات بدلی جاتی ہے اور میں اپنے بندوں پر ہرگز ظلم ڈھانے والا نہیں ہوں'' (29)

سوال1: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ ''نہ میرے پاس بات بدلی جاتی ہے اور میں اپنے بندوں پر ہرگز ظلم ڈھانے والا نہیں ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ﴾ ''نہ میرے پاس بات بدلی جاتی ہے'' میری بات سچی ہے، بدلنے والی نہیں، میں نے فیصلہ کررکھا ہے، ﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''اور تیرے ربّ کی وہ بات پوری ہوگئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھردوں گا'' (ھود:119)

(2) ﴿وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ ''اور میں اپنے بندوں پر ہرگز ظلم ڈھانے والا نہیں ہوں'' میں کسی دوسرے کے گناہ کی وجہ سے اسے عذاب دینے والا نہیں ہوں۔ ہر کسی کو اس کے گناہ پر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (مختصر ابن کثیر:1925/2) اچھے برے اعمال پر جزا سزا دیتا ہوں ان کی برائیوں میں اضافہ یا نیکیوں میں کمی نہیں کرتا۔

(3) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے، سو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ (مسلم:2577)

سوال2: ''میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جو وعدے میں نے کیے تھے ان کے خلاف نہیں ہوگا۔ ہر صورت میں وعدے پورے کیے جائیں گے۔ اسی اُصول کے تحت میری طرف سے تمہارے لیے عذاب کا فیصلہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

سوال3: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے، بغیر گناہ کے سزا دینے والا نہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ اسی گناہ پر سزا دینے والا ہے جو انسان نے خود کیا ہو۔ (3) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرّہ برابر ظلم کرنے والا نہیں کیونکہ اُس نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔

رکوع نمبر 17

﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾

''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: ''کیا تو بھر گئی؟'' اور وہ کہے گی: ''کیا کچھ مزید ہے'' (30)

سوال 1: ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ ''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: ''کیا تو بھر گئی؟'' اور وہ کہے گی: ''کیا کچھ مزید ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ﴾ ''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: ''کیا تو بھر گئی؟'' اللہ رب العزت قیامت کے دن جہنم سے پوچھے گا کہ بھری ہو یا نہیں؟ یہ سوال جہنم میں ڈالے گئے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ہوگا۔

(2) ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ ''اور وہ کہے گی: ''کیا کچھ مزید ہے؟'' وہ جواب میں کہے گی۔ یعنی جب اس میں ہر کافر، جن اور انسان کوڈال دیا جائے گا تو وہ اپنے اندر مجرموں کے اضافے کا مطالبہ کرتی رہے گی۔ رب العزت نے جہنم کو بھرنے کا جو وعدہ کر رکھا ہے۔ ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''میں ضرور جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا'' (السجدۃ:13) اس کی وجہ سے جہنم جب اپنے رب کو ناراض اور غیض وغضب میں دیکھے گی تو ﴿هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ﴾ کیا کچھ مزید ہے؟ کا مطالبہ کرتی رہے گی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بیان کیا کہ ابو سفیان حمیری اکثر اس حدیث کو نبی ﷺ سے موقوفاً ذکر کرتے تھے کہ جہنم سے پوچھا جائے گا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھے گا اور کہے گی بس بس۔ (بخاری:4849)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ایک مرتبہ) دوزخ اور جنت میں بحث ہوئی۔ دوزخ نے کہا، مجھ میں تو وہ لوگ آئیں گے جو بڑے مغرور اور سرکش ہونگے۔ جنت نے کہا میرا کیا حال ہے؟ مجھ میں تو وہ لوگ آئیں گے جو غریب اور دھتکارے ہوئے ہوں گے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت سے فرمایا، تو میری رحمت ہے، میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا تیرے ذریعے سے رحم کروں گا۔ اور دوزخ سے فرمایا، تو میرا عذاب ہے، میں تیرے ذریعے سے اپنے جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا اور میں تم دونوں کو بھر دوں گا، لیکن دوزخ نہیں بھرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس میں رکھ دے گا۔ اس وقت وہ کہے گی کہ بس بس بس! اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ رہی جنت تو (اس میں بھی جگہ بچ جائے گی، یہاں تک کہ) اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا (اور اس جگہ کو آباد کرے گا)۔'' (بخاری:4850)

سوال 2: جہنم کی اس بات کا کیا مطلب ہوگا کہ کیا کچھ اور ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لئے میرے پاس بڑی گنجائش ہے۔

سوال 3: جہنم سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو اور جہنم کا جواب دینا کیا حقیقت رکھتا ہے؟

جواب: یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾

''اور جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دُور نہیں رہے گی'' (31)

سوال: ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ ''اور جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دُور نہیں رہے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ ''اور جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دُور نہیں رہے گی'' اس دن جنت نیک لوگوں کے قریب کردی جائے گی جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر نیک کام کرتے رہے اور عذاب کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے نواہی سے رکتے رہے۔ (2) نیک لوگوں سے جنت اتنی قریب کردی جائے گی کہ وہ اس کا مشاہدہ کرسکیں گے۔

(3) جو چیز یقینی طور پر آنے والی ہو وہ دور نہیں ہوتی قریب ہوتی ہے۔

﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾

''یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا، بڑی حفاظت کرنے والا ہو'' (32)

سوال: ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾ ''یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا، بڑی حفاظت کرنے والا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾ ''یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا، بڑی حفاظت کرنے والا ہو'' یعنی یہ جنت اور اس کی ساری نعمتیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے وعدہ کر رکھا ہے جو ﴿اَوَّابٍ﴾ اور ﴿حَفِيْظٍ﴾ ہو۔ (2) ﴿اَوَّابٍ﴾ سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف کثرت سے رجوع کرنے والا، توبہ کرنے والا، گناہوں سے باز رہنے والا، تمام اوقات میں محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا، اس سے استعانت طلب کرنے والا، اس سے خوف رکھنے والا، اس سے امید باندھنے والا اور اس پر توکل کر کے اس سے دعائیں مانگنے والا ہے۔

(3) ﴿حَفِيْظٍ﴾ سے مراد اخلاص اور تکمیل کے ساتھ کامل ترین طریقے سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کرتا ہے نیز اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2608/3)

(4) جو اللہ تعالیٰ کی حدود اور اس کے ساتھ کیے گئے عہد کی حفاظت کرتا ہے۔

﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾

''جو بن دیکھے رحمان سے ڈر گیا اور رجوع کرنے والا دل لایا'' (33)

سوال 1: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ﴾ ''جو بن دیکھے رحمان سے ڈر گیا اور رجوع کرنیوالا دل لایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو بن دیکھے رحمان سے ڈر گیا'' یہ اواب اور حفیظ کا بیان ہے جو اپنے رب کی پوری معرفت اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس سے ڈرتا ہے، اپنی حالت غیب یعنی جب وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے، تو خشیت الٰہی کا التزام کرتا ہے اور یہی حقیقی خشیت ہے۔ رہی وہ خشیت جس کا اظہار لوگوں کی نظروں کے سامنے اور ان کی موجودگی میں کیا جائے تو اس میں کبھی کبھی ریا اور شہرت کی خواہش کا شائبہ آجاتا ہے۔ یہ حقیقی خشیت پر دلالت نہیں کرتی۔ فائدہ مند خشیت تو صرف وہی ہے جو کھلے اور چھپے ہر حال میں ہو۔ (تفسیر سعدی:2608/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ ''آپ صرف اُسی شخص کو خبردار کرتے ہیں جس نے نصیحت کی پیروی کی اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرا سو اُسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیں'' (یٰس:11)

(3) یعنی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھا اور اس کو یاد کر کے اس کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ (ان میں سے) ساتواں آدمی وہ ہوگا جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔'' (بخاری:660)

(4) ﴿وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ﴾ ''اور رجوع کرنیوالا دل لایا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والا دل لے کر آیا۔ اس حال میں کہ اس کے دل کی ہر خوشی، اس کا ہر داعیہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں جذب ہو گیا ہو۔

(5) سیدنا ابو بکر وراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے، اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے، اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ (معارف القرآن:147/8)

سوال 2: جنت لے جانے والی خصوصیات رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنا اور مُنیب کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنے سے مراد ہے دنیا میں آنکھوں سے دیکھے بغیر اُس کی صفات کے علم کی وجہ سے ڈرنا۔

(2) مُنیب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، اطاعت گزار۔ اس سے مراد قلبِ سلیم رکھنے والا بھی ہے یعنی ایسا دل جو شرک اور نافرمانیوں سے پاک ہو۔

﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾

''(ان سے کہا جائے گا) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہی اَبدی زندگی کا دن ہے''(34)

سوال 1: ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ ''(ان سے کہا جائے گا) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہی اَبدی زندگی کا دن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ ''(ان سے کہا جائے گا) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ'' خوش نصیب لوگوں سے کہا جائے گا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(2) جنت میں داخلے کے وقت فرشتے بھی سلام کریں گے۔ (البحر المحیط: 540/9)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ سکون سے رہے گا، اسے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے اور نہ اس کی جوانی کبھی ختم ہوگی۔ (مسلم: 7156)

(4) ﴿ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ﴾ ''یہی اَبدی زندگی کا دن ہے'' یعنی ایسا دن جسے کبھی زوال نہیں آئے گا، نہ موت نہ کسی قسم کی کوئی تکلیف۔

(5) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت والوں کو جنت میں اور دوزخ والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا، پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان کھڑا ہوگا اور کہے گا، اے جنت والو! اب موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو! اب موت نہیں ہے۔ اب ہر ایک ہمیشہ اسی حال میں رہے گا جس حال میں وہ ہے۔ (مسلم: 7183)

سوال 2: سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اب کسی خوف اور خطرے، کسی اندیشے کے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ۔

﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾

''اُن کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے''(35)

سوال 1: ﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾ ''اُن کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا﴾ ''اُن کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے'' جنتی جو چاہیں گے جنت میں پائیں گے۔ یعنی ہر وہ چیز جس سے خواہش و چاہت وابستہ ہوگی۔

(2) ﴿وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾ ''اور ہمارے پاس مزید بھی ہے'' یعنی ثواب، جسے رحمن و رحیم ان کے لیے بڑھاتا رہے گا، جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی اس کا گزر ہوا ہے۔ سب سے بڑا سب سے جلیل اور سب سے افضل ثواب

اللہ تعالیٰ کے چہرہ انور کا دیدار، اس کے کلام کی سماعت اور اس کے قریب کی نعمت ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی انہی لوگوں میں شامل کردے۔ (تفسیر سعدی: 2608,2609/3)

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مزید سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے پر نظر ڈالنے اور اس کے دیدار کی نعمت ہوگی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ "جن لوگوں نے نیکی کی اُن کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ مزید ہے۔" (یونس: 26)

(4) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جنت والوں سے کہے گا اے جنت والو! وہ بولیں گے حاضر تیری خدمت کے لیے مستعد، ساری بھلائی تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا تم خوش ہو؟ وہ جواب دیں گے کیوں نہیں ہم خوش ہوں گے اے رب! اور تو نے ہمیں وہ چیزیں عطاء کی ہیں جو کسی مخلوق کو نہیں عطاء کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں اس سے افضل انعام نہ دوں؟ جنتی پوچھیں گے اے رب! اس سے افضل کیا چیز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اپنی خوشی تم پر اتارتا ہوں اور اب کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری: 7518)

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾

"اور ہم نے اُن سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کردیا جو پکڑنے میں اُن سے زیادہ سخت تھیں چنانچہ وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے؟" (36)

سوال 1: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ "اور ہم نے اُن سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کردیا جو پکڑنے میں اُن سے زیادہ سخت تھیں چنانچہ وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے؟" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ "اور ہم نے اُن سے پہلے کئی قوموں کو ہلاک کردیا" یعنی ان سے پہلے بھی جھٹلانے والی بہت سی قوموں کو ہلاک کردیا۔

(2) ﴿هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا﴾ "جو پکڑنے میں اُن سے زیادہ سخت تھیں" جو ان سے تعداد میں زیادہ تھیں، جو ان سے قوت میں بڑھ کر تھیں، جنہوں نے زمین کو ان سے زیادہ آباد کر رکھا تھا۔ اور دنیا میں بڑی یادگاریں چھوڑ گئی تھیں۔

(3) ﴿فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ﴾ "چنانچہ وہ شہروں میں ڈھونڈتے ہی رہ گئے" یعنی وہ زمین میں دور دراز ملکوں تک لمبے تجارتی سفر کرتے تھے۔

(4) انہوں نے نہایت مضبوط قلعے اور بلند عمارتیں تعمیر کیں، باغات لگائے، نہریں نکالیں، کھیت اگائے، زمین کو آباد کیا اور ہلاک ہو گئے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا اور اس کی آیات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دردناک سزا اور سخت عذاب کے

ذریعے سے گرفت میں لے لیا۔ (تفسیر سعدی 2609/3)

(5)﴿هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ ''کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے؟'' ﴿مَّحِيْصٍ﴾ کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے انہیں آ گھیرا تو اس وقت بھاگنے کی، بچنے کی جگہیں ہی تلاش کرتے رہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کوئی بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے!

(6) پہلی قوموں کے واقعات میں اہلِ بصیرت کے لئے بڑی بصیرت ہے۔

سوال 2: شہروں کو چھان مارنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد تجارت کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ بھی کہ وہ اہلِ مکہ کے مقابلے میں تجارت کے لیے مختلف شہروں میں آتے جاتے تھے لیکن جب عذاب آیا تو پھر انہیں کوئی بھاگنے کی جگہ نہ ملی۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾

''بلاشبہ اس میں ہر اُس شخص کے لیے یقیناً سبق ہے جس کا دل ہو یا وہ کان لگائے جب کہ وہ (دلی طور پر) حاضر رہنے والا ہو'' (37)

سوال 1: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ ''بلاشبہ اس میں ہر اُس شخص کے لیے یقیناً سبق ہے جس کا دل ہو یا وہ کان لگائے جب کہ وہ (دلی طور پر) حاضر رہنے والا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ ''بلاشبہ اس میں ہر اُس شخص کے لیے یقیناً سبق ہے جس کا دل ہو'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی اس میں زندہ دل رکھنے والوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ (جامع البیان 181/26)

(2) یعنی ایک عظیم، زندہ، ذہین اور پاک دل، جب آیاتِ الٰہی میں سے کوئی آیت اس پر گزرتی ہے، تو اس سے نصیحت حاصل کر کے فائدہ اٹھاتا ہے اور بلند مقام پر فائز ہوتا ہے اور اسی طرح جو کوئی کان لگا کر آیاتِ الٰہی کو اس طرح غور سے سنتا ہے جس سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ (تفسیر سعدی 2609/3)

(3)﴿اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ ''یا وہ کان لگائے جب کہ وہ (دلی طور پر) حاضر رہنے والا ہو'' یعنی سن کر سمجھنے والوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو غور سے سنتا ہے اس کے لئے نصیحت ہے۔ یعنی اس کا قلب ﴿شَهِيْدٌ﴾ حاضر رہنے والا ہو تو وہ بھی تذکر، نصیحت، شفاء اور ہدایت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ رہا روگردانی کرنے والا شخص جو آیاتِ الٰہی کو غور سے نہیں سنتا تو اس شخص کو آیاتِ الٰہی کوئی فائدہ نہیں دیتیں، کیونکہ اس کے پاس قبولیت کا مادہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اس شخص کی ہدایت کا تقاضا نہیں کرتی جس کا یہ وصف ہو۔ (سعدی 2609/3)

(4) یعنی سنتے وقت جس کا دل حاضر ہو اور پورے حواس میں رہ کر سنے۔ (ایسر التفاسیر: 1517)

(5) ابو صالح نے کہا مومن قرآن سنتا ہے اور وہ اس پر گواہ ہوتا ہے (جامع البیان 18/26)

سوال 2: کس چیز میں انسانوں کے لیے نصیحت ہے؟

جواب: قوموں کے عروج وزوال میں انسانوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾

''اور بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے یقیناً چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں'' (38)

سوال 1: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے یقیناً چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ ''اور بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے یقیناً چھ دنوں میں پیدا کر دیا'' یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی خبر ہے۔ اس نے اپنی تمام مخلوقات کو اپنی مشیت اپنی قدرت سے تخلیق کیا ہے۔

(2) ﴿وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ﴾ ''اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں'' اللہ رب العزت نے یہود کو خبردار کیا ہے جنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کو جمعہ کے دن مکمل کیا اور ہفتے کو آرام کیا۔ اس وجہ سے وہ ہفتے کے دن آرام کرتے ہیں (ایسر التفاسیر 1518)

(3) اللہ تعالیٰ کو تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں۔ (4) اس آیت میں قیامت کا اور زندگی بعد الموت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ جو آسمان و زمین کی مخلوق بنانے پر قادر ہو اور تھکان محسوس نہ کرے وہ مردے زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا (مختصر ابن کثیر 2/1927)

سوال 2: تھکاوٹ کیوں ہوتی ہے؟

جواب: تھکاوٹ نقص ہے۔ انسان کے اندر کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے تھکاوٹ ہوتی ہے۔ ربّ کے اندر کمی نہیں، وہ عظیم ہے، اس لیے اُسے تھکاوٹ نہیں ہوتی۔

سوال 3: ''اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا بھی نہیں'' اس سے کس چیز کا اظہار ہوتا ہے؟

جواب: اس سے رب کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾

''جو کچھ وہ کہتے ہیں سو اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے'' (39)

سوال1:﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ ’’جو کچھ وہ کہتے ہیں سو اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ’’جو کچھ وہ کہتے ہیں سو اس پر صبر کرو‘‘ یعنی آپ جھٹلانے والوں کی باتوں پر صبر کریں اور انہیں احسن طریقے سے چھوڑ دیں۔

(2)﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ ’’اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے‘‘ اور سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں اور نمازوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کریں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی یاد انسان کے دل کو اطمینان دیتی ہے اسے سکون ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کے لئے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

(4) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (اور چاند کی چودہ تاریخ تھی) آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ’’عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے، جیسے اس چاند کو بے تکلف دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے، میں تمہیں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرو کہ سورج نکلنے سے پہلے کی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز قضا نہ ہونے دو۔‘‘ اس کے بعد سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ ’’اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے‘‘ (بخاری:4851)

(5) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں تمام نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آپ کا مقصد اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ کی تشریح کرنا تھا۔ (بخاری:4852)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں، لیکن میزان میں بڑے بھاری اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں (اور وہ ہیں) ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ اللہ پاک ہے اپنی تعریفوں اور خوبیوں کے ساتھ۔ اللہ پاک ہے، عظمتوں والا ہے۔‘‘ (مسلم:6847، بخاری:6406)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’’جس شخص نے ایک دن میں سو مرتبہ یہ کلمات پڑھے: ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾ ’’تو اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔‘‘ (بخاری:6405)

(8) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسا کلمہ نہ بتلاؤں جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟‘‘ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ’’بے شک اللہ کو سب سے زیادہ محبوب کلام ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾ ہے۔‘‘ (مسلم:1436)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کو کس چیز کی تلقین کی گئی ہے؟

جواب:(1)رسول اللہ ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کی باتوں پر صبر کریں۔(2)اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔

سوال3:یہاں طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ہے عصر اور فجر کی نماز پڑھیں۔

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾

''اور رات کے کچھ حصے میں بھی اور سجدوں کے بعد بھی اُس کی تسبیح کرو'' (40)

سوال1:﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾''اور رات کے کچھ حصے میں بھی اور سجدوں کے بعد بھی اُس کی تسبیح کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾''اور رات کے کچھ حصے میں بھی اور سجدوں کے بعد بھی اُس کی تسبیح کرو'' یعنی رات میں بھی نماز پڑھو جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾''اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بے دار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، قریب ہے آپ کا ربّ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کردے۔'' (بنی اسرائیل:79)

(2)سجدوں کے بعد بھی یعنی نماز کے بعد تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

(3)سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سجدہ اور رکوع میں اکثر یہ پڑھا کرتے تھے:﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ﴾(اس دعا کو پڑھ کر) آپ قرآن حکیم کے حکم پر عمل کرتے تھے۔(بخاری 817)

(4)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے ہر نماز کے بعد تینتیس(33) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (33) مرتبہ الحمدللہ اور تینتیس (33) مرتبہ اللہ اکبر کہا تو یہ ننانوے(99) (کی تعداد) کلمات ہو گئے اور سو(100) کا عدد پورا کرنے کے لیے﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾آخر تک کہہ لیا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔(مسلم:1352)

(5)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس غریب مہاجر آئے اور انہوں نے کہا، یارسول اللہ! مال دار لوگ بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں حاصل کر چکے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا مطلب؟'' انھوں نے کہا، وہ نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں، جیسے ہم رکھتے ہیں، لیکن (مال دار ہونے کی وجہ سے) وہ صدقہ دیتے ہیں، جو ہم نہیں دے سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں، جو ہم نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں تمھیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں کہ (جب تم اسے کرو تو) تم ان (کے

مقام) کو پالو جو تم سے آگے ہیں اور ان سے ہمیشہ (مقام میں) آگے رہو جو تم سے پیچھے ہیں اور تم سے کوئی بھی افضل نہیں ہوگا، سوائے اس کے جو یہی عمل کرے؟'' انھوں نے کہا کہ ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ ''سبحان اللہ'' ''الحمدُ للہ'' ''اللہ اکبر'' پڑھ لیا کرو۔'' وہ غریب مہاجر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی اس عمل کے متعلق سن لیا ہے اور انہوں نے بھی اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر یہ تو اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے دے۔'' (بخاری:843)

سوال3: ﴿اَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾

''اور کان لگا کر سنو! جس دن پکارنے والا قریب کی جگہ سے پکارے گا'' (41)

سوال1: ﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ ''اور کان لگا کر سنو! جس دن پکارنے والا قریب کی جگہ سے پکارے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ﴾ ''اور کان لگا کر سنو! جس دن پکارنے والا پکارے گا'' یعنی جب سیدنا اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو ان کی پکار کو غور سے سنو۔

(2) ﴿مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ ''قریب کی جگہ سے'' یعنی آج تو قیامت کے بارے میں شک ہے جب وہ صور کی آواز سنیں گے تو کسی ایسی جگہ سے جو ان کے قریب ہوگی۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ''جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے'' (بنی اسرائیل:52)

سوال2: کان لگا کر سننے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ وحی کو توجہ سے سنیں۔

سوال3: قریب کی جگہ سے کون پکارے گا؟

جواب: (1) قریب کی جگہ سے پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام یا جبرائیل علیہ السلام ہوں گے جو صور میں پھونک ماریں گے تو سب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ (2) اس سے مراد صخرہ بیت المقدس ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ آسمان کے قریب ترین جگہ ہے۔

(3) ہر شخص آواز ایسے سنے گا جیسے قریب سے آ رہی ہو۔

﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾

''جس دن وہ چنگھاڑ کو حق کے ساتھ سن لیں گے، وہی نکلنے کا دن ہوگا'' (42)

سوال 1: ﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ ''جس دن وہ چنگھاڑ کو حق کے ساتھ سن لیں گے، وہی نکلنے کا دن ہوگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ﴾ ''جس دن وہ چنگھاڑ کو حق کے ساتھ سن لیں گے'' جس دن وہ صورِ اسرافیل کو سن لیں گے اور یہ بعث کے لیے ہوگا۔ ساری مخلوقات وہ ہولناک چنگھاڑ سنیں گی۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

(2) ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ ''اور صُور میں پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو کر گر جائے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس میں دوسری بار صُور میں پھونکا جائے گا۔ تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔'' (الزمر:68)

(3) ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ﴾ ''وہی نکلنے کا دن ہوگا'' یعنی وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ (مسلم:5940)

﴿اِنَّا نَحْنُ نُـحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾

''یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے'' (43)

سوال: ﴿اِنَّا نَحْنُ نُـحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾ ''یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا نَحْنُ نُـحْيٖ وَنُمِيْتُ﴾ ''یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی تخلیق کیا اور وہی موت دے گا اور دوبارہ زندہ کرے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے۔ اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

(2) ﴿وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ﴾ ''اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے'' یعنی ساری مخلوق اعمال کی جزا کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائے گی

اور وہ اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾

''جس دن اُن پر سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ (نکل کر) تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے، یہ حشر ہم پر بہت ہی آسان ہے'' (44)

سوال: ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ ''جس دن اُن پر سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ (نکل کر) تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے، یہ حشر ہم پر بہت ہی آسان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا﴾ ''جس دن اُن پر سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ (نکل کر) تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے'' یعنی جس دن زمین پھٹے گی تو لوگ آواز دینے والے کی طرف دوڑیں گے۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت کے دن آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔ (مسلم:5940)

(3) ﴿ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ ''یہ حشر ہم پر بہت ہی آسان ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں کوئی تھکان یا مشقت نہیں۔ یہ حشر بہت آسان ہے اس کے لیے جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ﴾ ''اور ہمارا حکم ایک ہی بار پلک جھپکنے کی طرح ہوتا ہے۔'' (القمر:50)

(4) ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ ''تم سب انسانوں کا پیدا کرنا اور تمہارا دوبارہ اٹھانا ایک ہی نفس جیسا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے'' (لقمان:28)

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾

''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے'' (45)

سوال 1: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں'' یعنی ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں تب آپ کو معلوم ہو گیا کہ ہم آپ پر کیسی عنایت رکھتے ہیں، آپ کے معاملات کو کیسے آسان بناتے ہیں اور آپ کو آپ کے دشمنوں کے خلاف

کیسے مدد سے نوازتے ہیں۔ پس آپ کے دل کو خوش اور آپ کے نفس کو مطمئن ہونا چاہیے اور تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ ہم آپ ﷺ پر اس سے زیادہ رحمت ورافت رکھتے ہیں جو آپ خود اپنے آپ پر رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے وعدے کے انتظار اور اولوالعزم رسولوں کی سیرت کے ذریعے سے تسلی حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ (سعدی:2611/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ (۹۷) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (۹۸) وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (۹۹)﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں آپ کا سینہ بے شک اس سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے۔'' (الحجر:97-99)

(3) یہ کفار کے لیے وعید ہے اور نبی ﷺ کے لئے تسلی ہے (البحر المحیط:544/9)

(4) ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ﴾ ''اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو'' یعنی آپ کو لوگوں پر مسلط نہیں کیا گیا کہ آپ انہیں مومن اور متقی بنائیں۔

(5) ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے'' یعنی اے محمد ﷺ! آپ قرآن کے ذریعے انہیں اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرائیں ان لوگوں کو جو میرے احکامات کی مخالفت اور میری نافرمانی سے ڈریں۔

(6) یہاں تذکیر سے مراد وہ نصیحت ہے جو عقل وفطرت میں راسخ ہے یعنی نیکی سے محبت کرنا، اس کو ترجیح دینا اور اس پر عمل کرنا نیز بدی کو ناپسند کرنا اور اس سے دور رہنا اس تذکیر سے وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتے ہیں اور رہے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے خائف ہیں نہ اس پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کو نصیحت کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہوتی ہے، تا کہ وہ یہ نہ کہیں ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ ''ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا'' (المائدہ:19) (تفسیر سعدی:2611/3)

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (۲۱) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۲۲)﴾ ''پس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔ آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الغاشیہ:21,22)

(8) سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کو سن کر یہ دعا کرتے: ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ وَيَرْجُوْا مَوْعِدَكَ يَابَآرُّ يَارَحِيْمُ﴾ یعنی اے اللہ تو ہمیں ان میں سے کر جو تیری سزاؤں کے ڈراوے سے ڈرتے ہیں اور تیری نعمتوں کے وعدے کی امید لگائے ہوئے ہیں، اے بہت زیادہ احسان کرنے والے اور بہت زیادہ رحم کرنے والے۔ (ابن کثیر:178/5)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ ہم جانتے ہیں جو باتیں یہ بناتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ:

(1) آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں۔ (2) آپ ﷺ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

ایاتھا ٦٠ ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ٦٧ رکوعاتھا ٣

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس کے تین رکوع اور ساٹھ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 51 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 67 ہے۔

رکوع نمبر 18

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو اُڑا کر بکھیرنے والی ہیں'' (1)

سوال 1: ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾ ''قسم ہے ان ہواؤں کی جو اُڑا کر بکھیرنے والی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾ ''قسم ہے ان ہواؤں کی جو اُڑا کر بکھیرنے والی ہیں'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی عظیم مخلوقات پر قسم ہے جن کو اس امر پر دلیل بنایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے۔ اس کو آنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔

(2) ﴿وَالذّٰرِيٰتِ﴾ سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔

(3) ﴿ذَرْوًا﴾ ''جو اُڑا کر بکھیرنے والی ہیں'' اپنی نرمی اپنے لطف اپنی قوت اور زور سے چلتی ہیں (سعدی: 2612/3)

(4) رب العزت نے ہوا کی قسم کھا کر یقین دلایا ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔

سوال 2: قسم کس وجہ سے کھائی گئی ہے؟

جواب: قسم کھانے کا مقصد اُس چیز کی سچائی کو بیان کرنا ہوتا ہے جس کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔

﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾

''پھر بڑے بوجھ کو اُٹھانے والی ہیں'' (2)

سوال 1: ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾ ''پھر بڑے بوجھ کو اُٹھانے والی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا﴾ ''پھر بڑے بوجھ کو اُٹھانے والی ہیں'' اس سے مراد بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پانی سے زمین پر زندگی کے نظام کو چلاتے ہیں اور انسانوں اور جانوروں اور دیگر مخلوقات کو بہت سا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

(2) رب العزت نے بادلوں کی قسم کھا کر یقین دلایا ہے کہ سمندروں کے کھاری پانی کو نفع بخش بنانے اور انسانوں تک پہنچانے کے لیے کیسے water cycle کام کرتا ہے اور لاکھوں ٹن پانی کیسے انسانوں کے پاس ان کے علاقوں میں، ان کے فائدے کے لیے پہنچایا جاتا ہے۔

سوال 2: حاملات سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہوائیں ہیں جو بادلوں کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔

(2) اس سے مراد بادل ہیں جو پانی کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا﴾

''پھر جو آسانی سے چلنے والی ہیں'' (3)

سوال 1: ﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا﴾ ''پھر جو آسانی سے چلنے والی ہیں'' کی وضاحت ہے؟

جواب: (1) ﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا﴾ ''پھر جو آسانی سے چلنے والی ہیں'' اس سے مراد کشتیاں ہیں جو سمندروں میں سہولت سے چلتی ہیں۔
(جامع البیان 192/26)

(2) وہ ستارے جو نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ چلتے رہتے ہیں، جن سے آسمان مزین ہوتے ہیں، جن کی مدد سے بحر و بر کی تاریکیوں میں راہیں تلاش کی جاتی ہیں، اور ان کے ذریعے سے فائدے اٹھائے جاتے ہیں (تفسیر سعدی: 2612/3)

(3) رب العزت نے ستاروں کے نظام کی قسم کھا کر یقین دلایا ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ جو رب اتنا بے خطا نظام بنا سکتا ہے۔ اس نظام کو انسانوں کے لیے مفید بنا سکتا ہے، وہ ہر چیز کو اس کے انجام تک پہنچا سکتا ہے، اس دنیا کا نظام بھی قیامت کے دن انجام تک پہنچا دے گا۔

سوال 2: جاریٰت سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد پانی میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔

﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾

''پھر بڑے کام (بارش) کو تقسیم کرنے والی ہیں'' (4)

سوال 1: ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ ''پھر بڑے کام (بارش) کو تقسیم کرنے والی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا﴾ ''پھر بڑے کام (بارش) کو تقسیم کرنے والی ہیں'' ملائکہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو مخلوق پر تقسیم کرتے ہیں۔(جامع البیان:192/26) (2) ملائکہ جو رزق، بارش وغیرہ کو اپنے رب کے حکم سے تقسیم کرتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:1520)

(3) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے اوامر و تدبیر کو نافذ کرتے ہیں۔ ان میں ہر فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کے امور میں سے کسی امر کی تدبیر پر مقرر کر رکھا ہے اس لیے جو حدود مقرر کر دی گئی ہیں وہ ان سے تجاوز کر سکتا ہے نہ ان میں کچھ کمی کر سکتا ہے۔(سعدی:2612/3)

(4) رب العزت نے ملائکہ اور ان کی ذمہ داریوں کی قسم کھا کر قیامت کا یقین دلاتے ہیں کہ جو رب زندگی کے سپورٹ سسٹم کے لیے اپنے فرشتوں کی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ وہ موت کے لیے اور قیامت کے لیے ایک حکم دے گا اور قیامت واقع ہو جائے گی۔

سوال 2: فرشتے کون سے کام تقسیم کر لیتے ہیں؟

جواب: فرشتے کائنات کے کاموں کو تقسیم کر لیتے ہیں مثلاً کوئی پانی کا فرشتہ ہے، کوئی ہواؤں کا، کوئی رحمت کا فرشتہ ہے اور کوئی عذاب کا، کوئی موت اور کوئی حادثات کا۔

﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ﴾

''تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ بلاشبہ سچا ہے'' (5)

سوال 1: ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ﴾ ''تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے وہ بلاشبہ سچا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ ''تم سے جو وعدہ کیا جاتا ہے'' یہ جواب قسم ہے۔ یعنی آپ کے رب نے آپ سے جو وعدے کیے ہیں وہ سچے ہیں وہ وعدے خیر کے ہوں یا شر کے، اس کے لیے برابر ہیں۔(ایسر التفاسیر:1519)

(2) اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے قیامت کا دن آنے والا ہے۔

سوال 2: یہاں کس وعدے کی سچائی کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: یہاں قیامت کے وعدے کی سچائی کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ضرور برپا ہو کر رہے گی۔

سوال 3: قیامت کے واقع ہونے پر کیا دلائل دیئے گئے ہیں؟

جواب: ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا پانی اُٹھانا، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا، فرشتوں کا مختلف کام انجام دینا قیامت کے واقع ہونے پر دلیل

ہے کیونکہ جس ذات کے یہ سارے کام ہیں اُسی ذات نے تمام انسانوں کو زندہ کرنا ہے۔

﴿وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ﴾

''اور بے شک جزا واقع ہونے والی ہے'' (6)

سوال 1: ﴿وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ﴾ ''اور بے شک جزا واقع ہونے والی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''اور بے شک جزا واقع ہونے والی ہے'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ وہ قیامت کا دن ہے جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (جامع البیان: 192/26)

(2) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حساب، ثواب وعقاب واجب ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ (جامع البیان: 192/26)

(3) قیامت کا دن یقیناً آنے والا ہے، اسے آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

سوال 2: جزا کے دن کیا ہوگا؟

جواب: جزا کے دن انصاف کیا جائے گا۔

سوال 3: جزا کے دن انصاف ہونے پر کیا دلیل ہے؟

جواب: جزا اُس نے دینی ہے، انصاف اُس رب نے کرنا ہے جو انصاف کے ساتھ ہواؤں کو چلاتا ہے، بادلوں کو پانیوں سمیت اُٹھاتا ہے، کشتیوں کو چلاتا ہے، جو رب دنیا میں انصاف کرتا ہے وہ آخرت میں بھی انصاف کرے گا۔

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾

''آسمان کی قسم! جو راستوں والا ہے'' (7)

سوال 1: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾ ''آسمان کی قسم! جو راستوں والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''آسمان کی قسم! جو راستوں والا ہے'' یعنی ساتوں آسمانوں کی قسم۔ (تفسیر طبری: 196/26)

(2) اور آسمان خوب صورت اور ہموار ہے، اس کی بناوٹ عمدہ ہے، مضبوط ہے، وسیع ہے، تاروں سے جگمگاتا ہے۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے بہت خوب صورت ہے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا زینت ہے۔ (جامع البیان: 195/26)

(4) خوبصورت راستوں والے آسمان کی قسم! یہ راستے ریگزاروں کے راستوں اور چشموں کے پانی سے جب ان کو نسیم سحر نے چھیڑا ہو مشابہت رکھتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2612/3)

(5) ''حبک'' حبیکہ کی جمع ہے کپڑے کی بناوٹ میں جو دھاریاں ہو جاتی ہیں ان کو حبک کہا جاتا ہے وہ چونکہ راستہ اور سڑک کے مشابہ

ہوتی ہیں اس لئے راستوں کو بھی حبک کہہ دیا جاتا ہے، بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں کہ قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے، راستوں سے وہ راستے بھی مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتے آتے جاتے ہیں اور اس سے مراد ستاروں اور سیاروں کے راستے اور ان کے مدار بھی ہو سکتے ہیں، جو دیکھنے والوں کو آسمان میں نظر آتے ہیں۔ (مظہری تفسیر معارف القرآن 158/8)

سوال 2: آسمان کے راستے کون سے ہیں؟

جواب: آسمان کے راستے چاند، سورج اور ستاروں کے راستے ہیں۔

سوال 3: آسمان کی رونق اور خوبصورتی کیا ہے؟

جواب: آسمان کی رونق، خوب صورتی اور زینت کا باعث، ستارے، سیارے، چاند، سورج وغیرہ ہیں۔

﴿اِنَّكُمۡ لَفِىۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾

"بلاشبہ تم یقیناً مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو" (8)

سوال 1: ﴿اِنَّكُمۡ لَفِىۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ "بلاشبہ تم یقیناً مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو" کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "بلاشبہ تم یقیناً مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو" یعنی اہل مکہ قرآن اور نبی ﷺ کے بارے میں تمہارے قول مختلف ہیں تم میں سے کوئی کہتا ہے۔ قرآن جادو، شعر اور کہانت ہے اور کوئی کہتا ہے یہ نبی ﷺ جھوٹا جادوگر یا شاعر ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1520)

(2) قرآن کے بارے میں لوگوں کے قول مختلف ہیں کوئی ایسا ہے۔ جو اس کی تصدیق کرتا ہے اور کوئی اس کو جھٹلاتا ہے۔ (تفسیر طبری: 117/26)

(3) ﴿اِنَّكُمۡ﴾ "بلاشبہ" یعنی اے رسول اللہ کو جھٹلانے والے مشرکو!

(4) ﴿لَفِىۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ﴾ "تم یقیناً مختلف باتوں میں پڑے ہوئے ہو" ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم میں سے کوئی کہتا ہے جادوگر ہے۔ کوئی کہتا ہے کاہن ہے، کوئی کہتا ہے شاعر ہے۔ (تفسیر طبری: 446/11)

(5) تمہارے قول مختلف ہیں کسی ایک بات پر تم متفق نہیں ہو۔

سوال 2: مختلف بات میں کون پڑا ہوا تھا؟

جواب: مختلف باتوں میں اہل مکہ پڑے ہوئے تھے۔

سوال 3: اہل مکہ کون سی مختلف باتوں میں پڑے ہوئے تھے؟

جواب: (1) اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مختلف باتوں میں پڑے ہوئے تھے۔ کوئی شاعر کہتا تھا، کوئی جادوگر اور کوئی کاہن۔

(2) اہل مکہ میں سے کوئی قیامت کی نفی کرتا ہے کوئی صرف شک کا اظہار کرتا ہے۔

(3) ایک طرف اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہو دوسری طرف اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ﴾

''اس (قیامت) سے وہی بہکایا جاتا ہے جو پہلے ہی بہکا دیا گیا'' (9)

سوال 1: ﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ﴾ ''اس (قیامت) سے وہی بہکایا جاتا ہے جو پہلے ہی بہکا دیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے گمراہ وہی ہوتا ہے جو خود بہکا ہوا ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن سے وہ ہٹتا ہے جو اسے پہلے ہی سے جھٹلانے پر کمر کس لیے ہو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی شک کرنے والے ملعون ہیں۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ یہ دھوکے والے اور بدگمان لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 180/5)

(2) پس اس سے وہی پھرتا ہے جو ایمان سے پھرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یقینی دلائل و براہین سے منہ موڑتا ہے ان کے قول میں اختلاف اس کے فاسد اور باطل ہونے پر دلالت کرتا ہے جس طرح حق جسے رسول مصطفیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں متفق علیہ ہے اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اس میں کوئی تناقص ہے نہ کسی قسم کا اختلاف اور یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ ''اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ بہت زیادہ اختلاف پاتے'' (النساء: 82) (سعدی: 2613/3)

(3) یعنی ایسی حالت گمراہ شخص ہی کی ہوتی ہے کیونکہ باطل کا وہی مطیع ہوتا ہے اور جو صحیح راہ سے بھٹک جاتا ہے اور صحیح سمجھ اور تجربہ سے محروم ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ (١٦١) مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ (١٦٢) إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ (١٦٣)﴾ ''پس یقیناً تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم کسی کو فتنے میں ڈالنے والے نہیں ہو۔ مگر وہ جو جہنم میں پہنچنے والا ہے۔'' (الصفت: 161-163)

سوال 2: یہاں پھیر دیئے جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد اختلاف سے پھیر دیا جانا ہے۔

(2) ایمان سے پھیر دیا جانا ہے۔

(3) اس سے مراد حق سے پھیر دیا جانا ہے۔

(4) اس سے مراد توحید اور آخرت سے پھیر دیا جانا ہے۔

سوال 3: اختلاف سے کون پھیر دیا جاتا ہے؟

جواب: اختلاف سے وہ پھیر دیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾

''مارے گئے بے دلیل بات کرنے والے''(10)

سوال1: ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ ''مارے گئے بے دلیل بات کرنے والے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) خراصون یعنی جھوٹے۔ (2) ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ ''مارے گئے بے دلیل بات کرنے والے'' یعنی غارت ہوں جھوٹ بولنے والے جو موت کے بعد کی زندگی کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت میں شک کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1930/2)

(4) اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو جھوٹ باندھتے ہیں اور باطل پر خوش ہوتے ہیں۔ (جامع البیان: 197/26)

سوال2: الخراصون سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: (1) اس سے مراد خیال آرائیاں کرنے والے ہیں۔ (2) اس سے مراد بے سند باتیں کرنے والے ہیں۔

سوال3: قیاس سے حکم لگانے سے کیسے خوف دلایا گیا ہے؟

جواب: رب العزت نے فرمایا مارے گئے قیاس سے حکم لگانے والے۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ﴾

''وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں''(11)

سوال1: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ﴾ ''وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ﴾ ''وہ جو غفلت میں'' یعنی وہ کفر، جہالت، شک، کفر اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

(2) ﴿سَاهُوْنَ﴾ ''بھولے ہوئے ہیں'' اور آخرت سے غافل ہیں، اسے بھولے ہوئے ہیں۔

سوال2: غفلت میں رہنے والے اور بھولے ہوئے لوگ کیا کرتے ہیں؟

جواب: غفلت میں ڈوبے ہوئے اور بھولے ہوئے لوگ بے سند باتیں کرتے ہیں، شک کرتے ہیں، بے مقصد زندگی گزارتے ہیں۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾

''پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا؟''(12)

سوال1:﴿يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب آئے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَسْـَٔلُوْنَ﴾ ''پوچھتے ہیں'' وہ شک، انکار اور جھٹلانے کی غرض سے پوچھتے ہیں۔

(2)﴿اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''کہ جزا کا دن کب آئے گا'' جزا کا دن کب آئے گا جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

(3) یہ سوال انہوں نے موت کے بعد کی زندگی کو بعید سمجھتے ہوئے کیا تھا۔

﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾

''جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے''(13)

سوال1:﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ ''جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ ''جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے'' انہوں نے استہزا کے طور پر سوال کیا تھا کہ قیامت کا دن کب آئے گا؟ ان کو جواب دیا گیا: جس دن وہ آگ پر تپاتے جائیں گے جیسے سونے کو آگ پر تپایا جاتا ہے۔

سوال2: جزا کے دن کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے؟

جواب: جزا کا دن وہ ہے جب لوگ آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے۔

سوال3: یفتنون سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے وہ جانچے جائیں گے۔

سوال4: غافلوں کو کہاں جانچا جائے گا؟

جواب: غافلوں کو آگ پر جانچا جائے گا۔

﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾

''چکھو اپنے جلنے کا مزہ، یہ وہی ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے''(14)

سوال1:﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ ''چکھو اپنے جلنے کا مزہ، یہ وہی ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ﴾ ''چکھو اپنے جلنے کا مزہ'' یعنی اپنے عذاب اور جلنے کا مزہ چکھو۔

(2) فتن کے لغوی معنی سونا یا چاندی کو کٹھالی میں ڈال کر تپانا، گلانا اور کھوٹ معلوم کرنا ہے۔ سابقہ آیت میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور فتنہ کا لفظ دراصل آزمائش کے معنی میں آتا ہے جس میں سختی بھی پائی جائے اور اکثر برے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی آزمائش،

دکھ، رنج، رسوائی، شرارت، عبرت، عذاب، مرض ہے اور فتان بمعنی شر انگیز انسان اور شیطان ہے (منجد) اس لحاظ سے اس لفظ کا ایک وہی مطلب ہے جو ترجمہ سے واضح ہے اور دور عذاب لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی شرارتوں کا بدلہ یا عذاب چکھو۔ (تیسیر القرآن 294/4)

(3)﴿هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ ''یہ وہی ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا عذاب جس میں تمہیں ڈالا گیا ہے وہی ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾

''یقیناً پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے'' (15)

سوال 1: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ ''یقیناً پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یقیناً پرہیزگار'' یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے رکتے ہیں۔

(2) ﴿فِيْ جَنّٰتٍ﴾ ''باغوں میں'' ایسے باغات میں ہوں گے جس کے پھل کبھی ختم نہ ہوں گے۔ جن کی مثال اس دنیا میں ملتی ہے یا ایسے جن کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

(3) ﴿وَّعُيُوْنٍ﴾ ''اور چشموں میں ہوں گے'' یعنی وہ بہتے ہوئے چشموں میں ہوں گے جن سے باغوں کو سیراب کیا جائے گا اور متقی ان سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکال لیں گے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ (17) فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (18) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (19) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (20)﴾ ''متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے وہ اُن نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے ہوں گے اس سے جو اُن کے رب نے انہیں دیا، اور اُن کے رب نے اُنہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچا لیا ہے خوب مزے سے کھاؤ اور پیو اُس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔'' (الطور: 17۔20)

﴿اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ﴾

''لینے والے ہیں جو کچھ اُن کا رب اُنہیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے تھے'' (16)

سوال 1: ﴿اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ﴾ ''لینے والے ہیں جو کچھ اُن کا رب اُنہیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ ''لینے والے ہیں جو کچھ اُن کا رب اُنہیں دے گا'' اس میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اہل جنت کا آقا، ان کی نعمتوں کے بارے میں تمام آرزوئیں پوری کرے گا اور وہ اپنے آقا سے راضی ہو کر یہ نعمتیں قبول کریں گے، اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، ان کے نفوس خوش ہوں گے، وہ ان کو بدلنا چاہیں گے نہ اس سے منتقل ہونے کی خواہش کریں گے۔ (جنت میں) ہر شخص کو اتنی نعمتیں عطا ہوں گی کہ وہ اس سے زیادہ طلب نہیں کرے گا۔ (تفسیر سعدی: 2614،2615/3)

(2) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جنتی لوگوں سے فرمائے گا، اے جنتیو! وہ کہیں گے، اے رب! ہم بار بار تیری خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے، ہم کیسے راضی نہ ہوں؟ ہم کو تو تو نے اتنا کچھ دیا کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں تم کو اس سے بھی بہتر کوئی چیز دوں؟ وہ عرض کریں گے، اے رب! اس سے بہتر کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اور میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (مسلم: 7140)

(3) ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴾ ''یقیناً وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے تھے'' یعنی جنت کی نعمتیں پانے سے پہلے دنیا میں خلوص کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ (4) یعنی وہ رب کی عبادت ایسے کرتے تھے گویا اسے دیکھ رہے ہوں اور اگر اسے دیکھنے کی کیفیت پیدا نہیں کر سکتے تھے تو یہ کیفیت لیے ہوئے ہوتے تھے کہ ان کا رب انہیں دیکھ رہا ہے۔

(5) وہ انسانوں کے ساتھ نیکی، بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کرتے تھے۔ اپنے علم، مال و جاہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے فائدہ پہنچاتے تھے۔

سوال 2: تقویٰ والے جنت میں کیا لے رہے ہوں گے؟

جواب: تقویٰ والے جنت میں وہ سب کچھ لے رہے ہوں گے جو رب عطا کرے گا۔

سوال 3: تقویٰ والوں پر جنت میں احسانات کیوں کیے جائیں گے؟

جواب: رب العزت نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دنیا میں احسان کرنے والے یعنی محسن تھے۔

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾

''رات کو وہ بہت کم سویا کرتے تھے'' (17)

سوال 1: ﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾ ''رات کو وہ بہت کم سویا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''رات کو وہ بہت کم سویا کرتے تھے'' یعنی رات کے کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے۔ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس

میں وہ تہجد نہ پڑھیں۔

(2)﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ ''رات کو وہ بہت کم سویا کرتے تھے'' خالق کی عبادت میں احسان کی بہترین نوع، تہجد کی نماز ہے جو اخلاص اور قلب ولسان کی موافقت پر دلالت کرتی ہے۔اس لئے فرمایا ان کی راتوں کی نیند بہت کم ہوتی تھی۔رات کے اکثر حصے میں نماز قرأت، دعا، اور آہ وزاری کے ذریعے سے اپنے رب کے حضور جھکے رہتے تھے۔(تفسیر سعدی:2615/3)

(3) سیدنا زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا: اے ابو سلمہ یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں بلکہ ہم تو بہت کم وقت عبادت میں گزارتے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں جھروکے ہیں کہ جن کے اندر سے ان کا باہر نظر آتا ہے ان کے باہر سے ان کا اندر نظر آتا ہے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور عرض کی اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کن لوگوں کے لیے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے لیے ہے جنہوں نے اچھا کلام کیا یعنی شیریں زبانی سے حق گوئی کی اور کھانا کھلایا اور پے در پے ہمیشہ روزے رکھے یعنی سوائے ایام ممنوعہ کے اور رات کو جب سب سوتے ہیں اللہ کے لیے نماز پڑھی یعنی تہجد۔(ترمذی:2527)

(4) سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگ دوڑے اور کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔چنانچہ میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں۔پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مجھ پر ظاہر ہوا تو میں نے پہچانا کہ یہ چہرہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام پہلے کیا وہ یہ تھا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، اور کھانا کھلاؤ اور تہجد کی نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہوں سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔(ترمذی:2485)

سوال 2: راتوں کو کون سوتا ہے؟

جواب: غافل شخص راتوں کو سوتا ہے۔عیش وعشرت کرنے والا راتوں کو سوتا ہے۔

سوال 3: راتوں کو کم سونے والے کیا کرتے ہیں؟

جواب: راتوں کو کم سونے والے رات کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں اور اس کے آگے آہ وزاری کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔

سوال 4: راتوں کو جب لوگ سو جائیں جاگ کر نماز پڑھنے والوں کی کیا فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام پھیلاؤ، رات کو اُٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔(مسند احمد:451/5)

﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

''اور سحری کے اوقات میں وہ بخشش مانگا کرتے تھے'' (18)

سوال 1: ﴿وَبِالۡاَسۡحَارِ هُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ﴾ ''اور سحری کے اوقات میں وہ بخشش مانگا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَبِالۡاَسۡحَارِ﴾ ''اور سحری کے اوقات میں'' یعنی فجر طلوع ہونے سے بڑی دیر پہلے۔

(2) ﴿هُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ﴾ ''وہ بخشش مانگا کرتے تھے'' وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ وہ اپنی نماز کو طلوع سحر کے وقت تک لمبا کرتے تھے۔ پھر قیام اللیل کے بعد بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے تھے۔ سحر کے وقت استغفار میں ایسی فضیلت اور خاصیت ہے جو کسی اور وقت استغفار کرنے میں نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان واطاعت کے وصف میں فرمایا (تفسیر سعدی: 2615/3)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور فرماتا ہے، ہے کوئی مجھ سے دعا مانگنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی مجھ سے کسی چیز کا سوال کرنے والا کہ میں وہ چیز اسے دے دوں؟ کیا ہے کوئی مجھ سے (اپنے گناہوں کی) معافی طلب کرنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟ فجر طلوع ہونے تک اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔'' (بخاری: 1145)

(4) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔'' (مسلم: 6989)

سوال 2: سحری کا وقت کس اعتبار سے افضل ہے؟

جواب: سحری کا وقت قبولیت دُعا کا وقت ہوتا ہے۔

﴿وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ﴾

''اور اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا'' (19)

سوال 1: ﴿وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ﴾ ''اور اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَفِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ﴾ ''اور اُن کے مالوں میں'' اللہ والوں کی پہلی صفت بیان کرنے کے بعد کہ وہ راتوں کو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں دوسری صفت بیان کی کہ ان کے مالوں میں سب کا حصہ ہے۔ وہ لوگوں کے حقوق کو نہیں بھولتے، وہ واجب حق یعنی زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں اور مستحب حق بھی نکالتے ہیں یعنی وہ حسن سلوک بھی کرتے ہیں اور صلہ رحمی بھی۔

(2) ﴿لِّلسَّآئِلِ﴾ ''سائل'' ان محتاجوں کے لیے جو لوگوں سے سوال کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر

سوار ہو کر آئے۔

(3) ﴿وَالْمَحْرُوْمِ﴾ ''اور محروم کا حق تھا''یعنی ان محتاجوں کے لیے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پاس چکر کاٹتا پھرتا ہے، تاکہ اسے دو لقمے یا ایک کھجوریں مل جائیں، بلکہ حقیقی مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے بے پرواہو جائے اور نہ لوگوں کو علم ہے کہ وہ مسکین ہے کہ اسے صدقہ دیں اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہے۔(بخاری:1479)

سوال 2: محروم سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو ضرورت مند تو ہے مگر سوال نہیں کرنا چاہتا۔ اسی وجہ سے مستحق ہونے کے باوجود لوگ اسے نہیں دیتے۔ (2) اس سے مراد ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جس پر کوئی آفت ٹوٹ پڑے اور اس کا سب کچھ تباہ ہو جائے۔

سوال 3: مال میں سوال کرنے والوں اور محروموں کے حق کو کون تسلیم کرتا ہے؟

جواب: مال میں سائلوں اور محروموں کا حق وہ تسلیم کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے عظیم ہونے اور آخرت کی جواب دہی کا شعور ہو۔

﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾

''اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں''(20)

سوال 1: ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ ''اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں''یقین کرنے والوں کے لیے زمین کا ہر ذرہ خالق کی پکار ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ﴾ ''اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں''یعنی یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں خالق کی قدرت کے بہت نشانات ہیں یہ پہاڑ، سمندر، دریا، درخت نباتات، قسم قسم بوٹیاں، طرح طرح کے حیوانات سر بفلک چوٹیاں، لوگوں کی زبانوں، رنگوں اور عادات کے اختلافات، لوگوں کی عقلوں اور حرکتوں کا فرق، سعادت اور بدبختی میں فرق، خالق کی عظمت، اس کی طاقت اور قدرت کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں۔ اس نے کسی مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا۔

﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

''اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''(21)

سوال: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ''اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''اور خود تمہاری ذات میں بھی''یعنی اے لوگو! تمہاری اپنی ذات میں خالق کا ثبوت ہے۔ اپنے اندر

جھانک کر دیکھو۔(2)﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ ''تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو'' یعنی اگر تم غور وفکر کرو تو تم اپنے خالق کی واحدانیت کو جان لو گے۔

(3)سیدنا ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں یہ آیت تلاوت کی ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم انسان ہو کہ پھیلتے جا رہے ہو۔'' (الروم:20)

﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾

''اور آسمان ہی میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو''(22)

سوال:﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ ''اور آسمان ہی میں تمہارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ﴾ ''اور آسمان ہی میں تمہارا رزق ہے'' رزق سے مراد جو آسمان سے نازل ہوتا ہے بارش دینی رزق اور دنیاوی رزق ہے۔(2)﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ ''اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو'' یعنی ثواب وعقاب اللہ تعالیٰ کے پاس آسمانوں میں ہیں۔لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔

(3)یعنی دنیا وآخرت میں جزا وسزا کا جو وعدہ کیا گیا ہے، یہ جزا وسزا دیگر تقدیروں کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے آیات الٰہی کو بیان کر کے ان پر اس طرح متنبہ فرمایا جس سے عقل مند اور ذہین شخص تنبیہ حاصل کرتا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ اس کا وعدہ اور اس کی جزا وسزا حق ہیں۔تب ظاہر اور واضح ترین چیز سے اس کو تشبیہ دی اور وہ نطق ہے۔(سعدی:2616/35)

﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾

''چنانچہ قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی! بالکل حق ہے اس کی طرح کہ یقیناً تم باتیں کرتے ہو''(23)

سوال:﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ ''چنانچہ قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی! بالکل حق ہے اس کی طرح کہ یقیناً تم باتیں کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ ''چنانچہ قسم ہے آسمان وزمین کے رب کی! بالکل حق ہے اس کی طرح کہ یقیناً تم باتیں کرتے ہو'' یعنی جیسے تمہیں اپنی زبان کے بولنے میں شک نہیں اسی طرح تمہیں جزا سزا میں شک نہیں ہونا چاہیے۔(2)اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت والی ذات کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس نے ان سے جو قیامت کا اور زندگی بعد الموت اور جزا کا وعدہ کر رکھا ہے وہ برحق ہے، ضرور پیش آنے والا ہے۔جس طرح گفتگو کے وقت گفتگو میں شک نہیں کیا جاتا اسی طرح اس میں شک نہ کیا جائے۔

آخری آیات

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾

''کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟'' (24)

سوال: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ ''کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلْ اَتٰىكَ﴾ ''کیا آپ کو پہنچی ہے'' کیا آپ کے پاس نہیں آئی؟

(2) ﴿حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ ''ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر'' یعنی ان فرشتوں کی خبر نہیں پہنچی جو سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان معزز فرشتوں کو رب العزت نے حکم دیا تھا کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر جائیں فرشتے معزز مہمانوں کی شکل میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(3) اس سوال سے نبی کو بتایا جا رہا ہے کہ آپ اس قصے کے بارے میں نہیں جانتے۔ وحی کے ذریعے آپ کو خبر دی جا رہی ہے۔

﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾

''جب وہ اُس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا، اُس نے بھی سلام کہا، کچھ اجنبی لوگ ہیں'' (25)

سوال: ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ ''جب وہ اُس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا، اُس نے بھی سلام کہا، کچھ اجنبی لوگ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''جب وہ اُس کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا'' جب فرشتے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس تو انہوں نے سلام کہا۔

(2) ﴿قَالَ سَلٰمٌ﴾ ''اُس نے بھی سلام کہا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں جواب پڑھا دیا تو کہا کہ تم پر بھی سلام ہو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا﴾ ''اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دُعا دی جائے تو تم اس سے بہتر سلامتی کی دُعا دو یا اُتنا ہی لوٹا کر دو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے۔'' (النساء:86)

(3) ﴿قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ ''کچھ اجنبی لوگ ہیں'' یعنی تم اجنبی لوگ ہو اپنا تعارف کرواؤ۔

﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَاۗءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾

''پس وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا تو وہ ایک موٹا تازہ (بھُنا ہوا) بچھڑا لے آیا'' (26)

سوال:﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾ ''پس وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا تو وہ ایک موٹا تازہ (بھُنا ہوا) بچھڑا لے آیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ ﴾ ''پس وہ چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا'' وہ چپکے سے اپنے گھر گئے تا کہ مہمانوں کی ضیافت کا سامان کر سکیں۔ (2)﴿ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾ ''تو وہ ایک موٹا تازہ (بھُنا ہوا) بچھڑا لے آیا'' سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اپنے جانوروں میں سے ایک موٹا تازہ بچھڑا بھون کر مہمانوں کے سامنے لے کر گئے جیسا کہ سورۃ ہود میں رب العزت نے فرمایا ﴿ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴾ ''اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے چنانچہ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں قریب کا عذاب پکڑ لے گا۔'' (ہود:64)

﴿ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾

''پھر اُسے اُن کے قریب کیا اُس نے کہا: ''کیا آپ کھاتے نہیں؟'' (27)

سوال:﴿ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''پھر اُسے اُن کے قریب کیا اُس نے کہا: ''کیا آپ کھاتے نہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ ﴾ ''پھر اُسے اُن کے قریب کیا'' سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے بچھڑے کو فرشتوں کے قریب کر کے فرمایا:

(2)﴿ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا آپ کھاتے نہیں؟'' کہنے لگے کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟

﴿ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾

''تو اُس نے اُن سے دل میں خوف محسوس کیا، اُنہوں نے کہا: ''ڈریے نہیں!'' اور اُنہوں نے اُسے ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دی'' (28)

سوال:﴿ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴾ ''تو اُس نے اُن سے دل میں خوف محسوس کیا، اُنہوں نے کہا: ''ڈریے نہیں!'' اور اُنہوں نے اُسے ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ ''تو اُس نے اُن سے دل میں خوف محسوس کیا'' جب سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے مہمانوں نے کھانا نہیں کھایا تو جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ ''تو جب دیکھا ان کے ہاتھ اُس کی طرف نہیں پہنچ رہے تو انہیں اجنبی جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس

کیا، انہوں نے کہا: ”ڈرو نہیں بلاشبہ ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔“ (ہود:70) انہیں خوف محسوس ہوا۔
﴿قَالُوْا لَا تَخَفْ﴾ ”انہوں نے کہا: ”ڈریے نہیں“ فرشتوں نے سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی صورت حال بھانپ کر کہا خوف نہ کریں۔ انہوں نے سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو اس مقصد سے آگاہ فرمایا جس کے لیے وہ آئے تھے۔ یعنی انہوں نے بتایا کہ ہم سیدنا لوط عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (3) ﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ ”اور انہوں نے اُسے ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دی“ اس سے مراد سیدنا اسحٰق عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔
(4) یہ خوش خبری سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی بیوی سیدہ سارہ عَلَیْہَا السَّلَام نے سنی۔

﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾

”تو اُس کی بیوی حیرت میں آگے بڑھی پس اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہا: ”بانجھ بڑھیا ہوں“ (29)

سوال: ﴿فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ ”تو اُس کی بیوی حیرت میں آگے بڑھی پس اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہا: ”بانجھ بڑھیا ہوں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَاَقْبَلَتِ﴾ ”تو آگے بڑھی“ سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی بیوی خوشی سے فرشتوں کی طرف متوجہ ہوئیں۔
(2) ﴿فِيْ صَرَّةٍ﴾ ”حیرت میں“ یعنی انہوں نے چیخ ماری۔
(3) ﴿فَصَكَّتْ وَجْهَهَا﴾ ”پس اس نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا“ یہ اس نوع کی کیفیت ہے جو خوشی اور مسرت کے ایسے اقوال و افعال کے وقت طاری ہو جایا کرتی ہے جو طبیعت اور عادت کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔
(4) ﴿وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ﴾ ”اور کہا: ”بانجھ بڑھیا ہوں“ ﴿قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾ ”اُس نے کہا: ”ہائے میری بربادی! کیا میں جنم دوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں بلاشبہ یہ یقیناً بڑی عجیب چیز ہے۔“ (ہود:72) اور کہا مجھے بیٹا کیوں کر ہو سکتا ہے، میں تو ایک بڑھیا ہوں اور ایسی عمر کو پہنچ گئی ہوں جس عمر میں عورتیں بچوں کو جنم نہیں دیتیں، مزید برآں میں تو بانجھ ہوں اور میرا رحم بچوں کو جنم دینے کے قابل نہیں۔ پس یہاں دو اسباب ہیں، دونوں ہی بچے کی ولادت سے مانع ہیں۔ سورہ ہود میں سیدہ سارہ نے ایک تیسرے مانع کا بھی ذکر کرتے ہوئے فرمایا؟ (تفسیر سعدی:2617/3)

﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾

” اُنہوں نے کہا: ”ایسے ہی آپ کے رب نے کہا ہے، بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا، بے حد علم والا ہے“ (30)

سوال: ﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ ”اُنہوں نے کہا: ”ایسے ہی آپ کے رب نے کہا ہے، بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا، بے حد علم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ﴾'' اُنہوں نے کہا: ''ایسے ہی آپ کے رب نے کہا ہے'' انہوں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے وہ تقدیریں بنانے والا جس کے لیے جو چاہتا ہے مقدر کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

(2)﴿اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ ''بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا، بے حد علم والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے۔ جو چیزوں کو ان کے مقام اور مرتبے پر رکھتا ہے اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کی حکمت کے سامنے سر جھکا دو اور اس کے انعامات کا شکر ادا کرو۔

(3)(i) اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں بیٹے کی خوش خبری سے اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے کہ آنے والے بچے نے اس دنیا میں کیا کردار ادا کرنا ہے اس کو ماں تو نہیں جانتی لیکن اللہ الحکیم ہے۔ وہ ساری ضرورتوں، مصلحتوں کو خوب سمجھتا ہے۔(ii) اللہ تعالیٰ نے علم والے لڑکے کی بشارت دے کر اپنے العلیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ ہر ایک کا علم اس کے پاس ہے۔ اسی کے علم سے جہان بھر میں ہر طرح کے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔(iii) اللہ تعالیٰ نے علم والے لڑکے کی بشارت دے کر یہ شعور دلایا کہ ہر زمانے کے حالات کا علم رب کو ہے وہی اپنے علم کے مطابق جہان میں لانے کے فیصلے کرتا ہے۔

جس دل میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ نہ ہو، وہ ویران گھر کی طرح ہے

(ترمذی:2913)

www.alnoorpk.com
Nighat Hashmi
0336-4033042-45
Nighat Hashmi
AlNoor International
AlNoor Products

000136